

# اسلامی کتب خانے

ان کتب خانوں کا تذکرہ

جو مسلمانوں کے قرونِ وسطیٰ میں قائم کئے

از

جناب الحاج محمد زبیر صاحب اسٹنٹ لائبریرین

مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ندوۃ المصنفین جامع مسجد - دہلی

# فہرست تصاویر

ان تصاویر	۱	ہنج البلاغۃ
۳۱۱ نمبر میں	۲	نوسو برس پُرانی ایک تحریر
۸، ۶، ۵	۳	صحاح جوہری مکتوبہ ۶۲۸ھ
مسلمہ یونیورسٹی	۴	نقاشی اور جلد سازی کا ایک نمونہ
علی گڑھ کی	۵	کتابخانہ مشہد مقدس کا شعبہ مخطوطات
لائبریری سے	۶	دہلی نشتہ عبدالرشید دہلی
۲ آرٹلڈ کی کتاب	۷	ہمایوں کی لائبریری - پرانا قلعہ دہلی
"اسلامک بک"	۸	ایک ترک دیوان کے سرورق پر چھانگیر کی تحریر
اور ۱۰، ۹، ۱۱	۹	مدرسہ ادوکتب خانہ بہیدر
لائی کتاب پرومیشن	۱۰	آثار مبارک بیجا پور یعنی کتب خانہ عادل شاہی
آف لرننگ	۱۱	جعفر خاں کا مدرسہ
سے لی گئی ہیں		

حقوق طبع محفوظ

۹۶۱

۵۱ اول

قیمت مجلد پانچ روپے

مطبوعہ الجمعیتہ پریس، دہلی

۲۹۷

★

اپنی رفیقہ حیات کے نام —



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# مفصل فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹	عام کتب خانے	۲۵	اسلام اور علم	۱۱	پیش لفظ
	اسلامی کتب خانے دور	۲۶	ذوق مطالعہ	۱۲	دیباچہ
۳۱	حاضر کی لائبریریوں کے بیشتر	۲۷	تصانیف کی کثرت	اسلامی کتب خانوں کے قیام اور نظام پر ایک نظر	
۳۲	تعلیمی کتب خانے	۲۹	علم عروض نامہ سے ذوق		
"	مدارس کی کثرت	۳۰	قید اور تسلیف	علم و رسم کے دو گتھانے	
۳۳	ایک درس میں ۶۰ ہزار	۳۱	ذوق کتابت		
	استخلاص کی ترقیت	۳۲	سداغی تہذیبوں کی ابتدا	۱۸	مٹی کی تختیوں اور قراطین
"	خواجہ نظام الملک ملوکی		باسمیع و غرق		مصری برکھنے کا آغاز
	کا مدرسا اور کتب خانہ		اسلامی کتب خانوں کی کامیابی		یورپ میں کتب خانوں کی ترقی کی مثال
	قائم کرنے کا حکم	۳۷	خدیو وید کے کتب خانہ	۱۹	تصانیف میں اول پاکستان
۳۵	کتب خانوں کا نظام		میں کتابوں کی کثرت	۲۰	کتبوں کی صحیح صورت
"	مبحث کیا ایک عوز	۳۵	حصہ کتب نے در تہذیب کی کامیابی	۲۱	کتبوں کی ترقی کے سبب
۳۶	کتابوں کی فراہمی	۳۸	کتب خانوں کے قیام	۲۷	نفاذی تدبیروں کی کامیابی
۳۷	افراد کی کتب خانے	"	گشتی کتب خانے	۲۷	



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹	فہرست سازی	۴۹	حصہ اول	۸۷	کتابوں کے ٹیلے
۵۰	کتابوں کا اجراء	۵۰	ممالک سلامیہ کے	۸۸	کتاب خانہ مدرسہ ضلعیہ
۵۲	عمارت	۵۲	کتاب خانہ محمودیہ	۸۹	کتاب خانہ مدرسہ
۵۳	تجارت کتب	۵۳	کتاب خانہ	۹۰	کتاب خانہ مدرسہ
۵۴	کاغذ سازی	۵۴	مدینہ منورہ	۹۱	کتاب خانہ مدرسہ
۵۵	کاغذ کا موجد	۵۵	امام دارکت کی مجلس	۹۲	کتاب خانہ مدرسہ
۵۶	کاغذ سازی کے مراکز	۵۶	کتاب خانہ محمودیہ	۹۳	کتاب خانہ مدرسہ
۵۷	کتب خانوں کا عملہ	۵۷	کتاب خانہ شیخ الاسلام	۹۴	کتاب خانہ مدرسہ
۵۸	کتاب	۵۸	بغداد	۹۵	کتاب خانہ مدرسہ
۵۹	خوشنویسی	۵۹	دیباچے اسلام کا یہ علم	۹۶	کتاب خانہ مدرسہ
۶۰	خطی قلمیں	۶۰	ماہوں بستید	۹۷	کتاب خانہ مدرسہ
۶۱	خط نستعلیق کا موجد	۶۱	فرغی کے کتاب محدود	۹۸	کتاب خانہ مدرسہ
۶۲	نقشبندی و مصوری	۶۲	بیت حکمت و توسع	۹۹	کتاب خانہ مدرسہ
۶۳	عربی کی ایک قدیم ترین	۶۳	نوسر داں کے دیر کی مجلس	۱۰۰	کتاب خانہ مدرسہ
۶۴	مصور کتاب	۶۴	بیت حکمت کا عملہ	۱۰۱	کتاب خانہ مدرسہ
۶۵	رہنمائی	۶۵	بورادین کتب خانہ کی کتاب	۱۰۲	کتاب خانہ مدرسہ
۶۶	حاشیہ نگار و راجد ساز	۶۶	نہامہ	۱۰۳	کتاب خانہ مدرسہ
۶۷	ایک کتب خانہ کی قلمی	۶۷	کتاب خانہ خزانہ اصفہان	۱۰۴	کتاب خانہ مدرسہ
۶۸	کتب خانوں کی رہنمائی	۶۸	کتاب خانہ دارالعلم	۱۰۵	کتاب خانہ مدرسہ
۶۹	کتابوں کے جاری دہن	۶۹	جامعہ ازہر کا کتب خانہ	۱۰۶	کتاب خانہ مدرسہ

۱۲۳	کتابخانوں کی توسیع اور مقررہ	۹۹	نیشاپور میں اعلیٰ درجہ کے کتب خانوں کی	سلطنت عثمانیہ میں کتب خانوں کی
	علم ہیئت کے مخصوص کتب خانے	۱۰۰	عمر خیام	۱۱۱ کے قیام کی ابتداء
	مراۃ کا کتب خانہ	۱۰۱	حسن بن صباح اور قیامیہ کے کتب خانے	سلطان محمد غیاثی کے عہد
	دعوت گاہ مراۃ کی تعمیر حال	۱۰۲	عصدا الدولہ کا کتب خانہ	۱۱۲ میں روس اور کتب خانوں کی نشر
	بخارا	۱۰۳	مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ	۱۱۳ رستم پاشا کا کتب خانہ
	کتب خانے اور عمارتیں	۱۰۴	عبدالملک گندری کا کتب خانہ	۱۱۴ قسطنطنیہ میں جابریم شاہ کا کتب خانہ
	نوح بن منصور کا کتب خانہ	۱۰۵	بارہ کتب خانوں کی برابری	۱۱۵ ۲ تعلیمی کتب خانے
	ایران کا سب سے پہلا پبلک لائبریری	۱۰۶	مرو کے کتب خانے اور باقوت حمیری	۱۱۶ کتب خانہ راغب پاشا
	عربی	۱۰۷	دس عظیم شان کتب خانے	۱۱۷ مدرسہ توحید کا کتب خانہ
	غزنی کا کتب خانہ	۱۰۸	کتب خانہ نظامیہ کتب خانہ	۱۱۸ جن کتب خانے
	آٹھویں صدی عیسوی کا ایک کتب خانہ	۱۰۹	بادری الکویں اور تاج شہر	۱۱۹ شمالی افریقہ
	ہرات	۱۱۰	مراۃ	۱۲۰ کتب خانہ جامع دیون لپس
	ہزرت کے نام نہاد کتب خانے	۱۱۱	مدرسوں اور کتب خانوں کا قیام	۱۲۱ کتب خانہ ریاض طبرکش
	کتب خانہ مدرسہ شاہ دوم	۱۱۲	فارسی میں صلیح شعری قلم	۱۲۲ کتب خانہ مدرسہ سن
	کتب خانہ مدرسہ مرزا	۱۱۳	طوس	۱۲۳ قاس کا ایک کتب خانہ
	کتب خانہ جامع علی شیر	۱۱۴	کتب خانہ مشہد مقدس	۱۲۴ مراکش کے کتب خانے
	کتب خانہ مدرسہ غلاصیہ	۱۱۵	شیراز عصدا الدولہ کا کتب خانہ	۱۲۵ ایسی کتب خانوں کی بہتری
	میر علی شیر کا کتب خانہ	۱۱۶	کتب خانہ ابن الحمید	۱۲۶ یوسف بن تاشقین اور امام غزالی
	مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ	۱۱۷	صاحب ابن عباد کا کتب خانہ	۱۲۷ ابو یعقوب کا کتب خانہ
	جامع عثمانیہ کا کتب خانہ	۱۱۸	قسطنطنیہ	۱۲۸ ابن طفیل کی کتابوں کی محبت

قرآن مجید اور ایکٹھ غریب چھٹو	مسلمانوں کی آمد کے بعد	۱۲۷	ہندوستان کے مسلم عہد میں
درسہ انصافین کا کتب خانہ	علم کی توسیع و اشاعت	۱۳۱	
ابوزکریحی کا کتب خانہ	ہندوستان اسلامی تعلیم کا احسان	۱۳۱	مکتب خانوں کی تشکیل و ترقی
مرازیوں کے کتب خانہ	مسلمانوں کے عہد میں جمع کتب کا ذکر	۱۳۷	
اندلس	مردوسی خدا بخش مرحوم کا ایک خوب	۱۳۸	
فتح اندلس کی بشارت	ہندوؤں کا کتابی ذوق	۱۵۱	
قرطبہ میں سینکڑوں مدرائسی خانے	مکتب خانوں کی پیدائش اور پوسیدہ کا عہد	۱۵۳	
علیائی کلیسا کی علم دی بھائی کے	کتب خانوں پر اور بارشہ کا قیام	۱۵۳	
الحکم کا کتب خانہ	کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد	۱۵۸	
جند کتب خانے	مرازیوں کی فارسی	۱۶۰	
ہندی کتب خانوں کا اثر عربیہ پر		۱۶۲	
ہندی کتب خانوں کی تباہی	کتب خانوں کا نظام	۱۶۵	
حصہ دوم	کتب خانوں میں مرازیوں کی تعداد	۱۶۵	
ہندستان کے اسلامی کتب خانے	ایک مستور جند سارا	۱۶۶	
ہندستان کے مسلم عہد میں	ہندو خطاط اور مصور	۱۶۹	
کتب خانوں کا قیام اور نظام	کتب خانوں کی سجاوٹ اور حفاظت	۱۷۰	
مسلمانوں کی آمد سے پہلے	نقاش جلد ساز اور ترقی	۱۷۰	
عہد قدیم میں ہندستان کی علمی مرکز	کتب خانوں پر عربی اور عجمی	۱۷۵	
نامزدہ کا کتب خانہ	ایک کتب پر عالمگیر کے قلم کا عباد	۱۷۶	
		۱۷۷	



۲۸۰	شیخ محمد بن طاہر کا کتب خانہ	۲۵۶	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۵۷	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۵۸	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۱	شیخ عبدقادر خفہری کا کتب خانہ	۲۵۷	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۵۸	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۵۹	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۲	شیخ علی دہلوی کا کتب خانہ	۲۵۹	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۰	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۱	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۳	مفتی رکن الدین کا کتب خانہ	۲۶۱	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۲	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۳	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۴	قاضی برہان الدین کا کتب خانہ	۲۶۳	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۴	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۵	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۵	مدرسہ وجہیہ لدین کا کتب خانہ	۲۶۵	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۶	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۷	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۶	مدرسہ شیخ الاسلام کا کتب خانہ	۲۶۷	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۸	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۶۹	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۷	مدرسہ میر خیر الدین کا کتب خانہ	۲۶۹	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۰	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۱	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۸	مدرسہ فیض کا کتب خانہ	۲۷۱	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۲	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۳	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۸۹	کتب خانہ سلطنت	۲۷۳	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۴	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۵	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۰	کتب خانہ بہمن شاہ کا کتب خانہ	۲۷۵	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۶	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۷	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۱	کتب خانہ خواجہ گیسو دراز کا کتب خانہ	۲۷۷	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۸	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۷۹	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۲	اردو شری سب قلم کتاب	۲۷۹	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۰	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۱	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۳	مدرسہ اسلامی کے کتب خانہ	۲۸۱	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۲	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۳	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۴	کتب خانہ محمود گوان	۲۸۳	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۴	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۵	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۵	کتب خانہ مدرسہ بدیر	۲۸۵	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۶	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۷	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۶	قطب رہی سلطنت	۲۸۷	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۸	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۸۹	کتاب نورس چنار دشتویاں
۲۹۷	سہا ہی کتب خانہ	۲۸۹	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۹۰	کتاب نورس چنار دشتویاں	۲۹۱	کتاب نورس چنار دشتویاں

۲۹۱	داجد علی شاہ کا ذاتی کتب خانہ	۳۰۸	سید ولی اللہ کا کتب خانہ
۲۹۲	داجد علی شاہ کی تصانیف	۳۰۹	اور ان کی تصانیف
۲۹۳	خانقاہ شاہ کبیر کا کتب خانہ	۳۲۴	اور ان کی تصانیف
۲۹۴	خانقاہ شاہ میر کا کتب خانہ	۳۲۶	حافظ رحمت خاں کا کتب خانہ
۲۹۵	خانقاہ اسلام پور کا کتب خانہ	۳۱۰	نواب وزیر الدولہ کا کتب خانہ
۲۹۶	خانقاہ پھلواری کا کتب خانہ	۳۱۱	شاہ ولی اللہ کا کتب خانہ
۲۹۷	بہار شریعت کے کتب خانے	۳۱۲	شاہ عبدالعزیز کا کتب خانہ
۲۹۸	یٹنہ کے کتب خانے	۳۱۳	شاہ فخر الدین کا کتب خانہ
۲۹۹	شیر شاہ سوری اور کتب خانے	۳۱۴	ازردہ کا کتب خانہ
۳۰۰	یوپی	۳۱۵	رخشاں کا کتب خانہ
۳۰۱	چند عمائد و فضلاء	۳۱۶	چند عمائد و فضلاء
۳۰۲	جون پور - ۲۹ کتب خانے	۳۱۷	فارسی خط کی قدیم ترین کتابیں
۳۰۳	منعم خاں کا کتب خانہ	۳۱۸	ہندوستانی کتابیں
۳۰۴	قاضی ابوالسقی کا کتب خانہ	۳۱۹	مصحف عثمانی کا ایک نسخہ
۳۰۵	مولوی محسوق علی خاں کا کتب خانہ	۳۲۰	چند تصانیف
۳۰۶	کچھوچھا کتب خانہ	۳۲۱	خانقاہ برکاتیہ کے کتب خانہ
۳۰۷	اردو میں سب سے پہلی تصنیف	۳۲۲	میں ہزاروں کتابیں
۳۰۸	لکھنؤ - کتابوں کا خزانہ	۳۲۳	ہندی شاعری کا ایک
۳۰۹	حافظ نور اللہ کے خطوط	۳۲۴	لافانی شاہکار
۳۱۰	موتیوں کے دامن	۳۲۵	مارہرہ کے کتب خانوں کی
۳۱۱	نوابین اور وہ کے کتب خانوں	۳۲۶	کتابیں
۳۱۲	میں تین لاکھ کتابیں	۳۲۷	ملاقطب ندین تھمرا بادی

# پیش لفظ

(از مولانا سعید احمد صاحب کبر آبادی۔ صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)  
 مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کے بادل کا تندرست تر سے سرشار ہو کر علوم و فنون  
 کا رخ کیا تو یونان و روم کے حضراتوں کو کھڑکال ڈالا۔ جو علوم  
 و فنون مردہ ہو گئے تھے۔ انھیں اپنی مسیحی نفسی سے دوبارہ زندگی بخشی پھر  
 ان کو جوں کا توں قبول نہیں کیا بلکہ ان پر تنقید کی۔ ان کا کھرا کھوٹا معلوم کیا اور  
 ان کے علاوہ کتنے علوم و فنون ہیں جن کی ایجاد انھوں نے کی۔ ظاہر ہے حدیث  
 علم کی پہلی ضرورت کتاب ہے۔ جب مسلمانوں کو علوم و فنون کے ساتھ یہ ضعف  
 اور عشت تھا تو خود کتابوں کی غور و مروت اور ان کی دیکھ بھال اور حفاظت  
 و اہتمام کا انھیں کس قدر اہتمام نہ ہوتا ہو گا چنانچہ حضرت امیر معاویہ کے  
 زمانہ سے ہی کتب خانوں کے قائم کرنے اور ان کی دیکھ بھال کا سرکار متاخر  
 اس کے بعد جوں جوں مسلمان تہذیب و تمدن اور شائستگی و ثقافت میں ترقی  
 کرتے رہے دوسرے لوازم زندگی کے ساتھ کتب خانہ بھی ان کی خصوصی توجہ  
 کا مرکز بن رہا اور اس کے نظم و نسق میں وسعت پیدا ہوتی رہی۔

ان کتب خانوں کا تذکرہ اگرچہ تاریخ و ادب کی کتابوں میں جتہ جتہ ملتا  
 ہے لیکن دل جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر کم ہے کہ اس سے اسلامی کتب خانوں  
 کی تصویر کا کس خاکہ تیار نہیں ہوتا پھر وہ اس درجہ منتشر اور غیر مرتب ہے کہ اس  
 کو یکجا کرنے کے لئے ٹری محنت و کاوش درکار ہے۔ خدا جزائے خیر عطا فرمائے

جناب حاجی محمد زبیر صاحب کو کہ اس جوئے شیر لانے کی انھیں دھن سوار ہوئی  
 مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے اسٹنڈ لائبریرین ہونے کی حیثیت سے کئی  
 کس بات کی تھی۔ لائبریری سائنس سے اچھی طرح واقف۔ ذوق پختہ اور مستعد  
 پس جب فرصت ملی کچھ نہ کچھ کام کرتے رہے۔ چنانچہ اسلامی کتب خانوں کی سیر  
 نام ہی ایک کتاب ۱۹۵۷ء میں شائع کر چکے ہیں جو عام طور پر بڑی مقبول پسندیدہ  
 ہوئی لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی موصوف کا مطالعہ اور تلاش و جستجو  
 کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان کی سعی و محنت کا یہ نقش ثانی معلومات کی افراط  
 اور حسن ترتیب کے اعتبار سے بہمہ وجہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد اول" کا  
 مصداق ہے۔ اس کتاب سے علمی و ادبی تاریخ میں ایک ایسے باب کا اضافہ  
 ہوگا جس پر ابھی تک پوری توجہ نہیں کی گئی۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں اسلامی  
 کتب خانوں پر اتنی تفصیل سے بحث کی گئی ہے جو نہ صرف تحقیقی کام کرنے والوں  
 کے لئے بلکہ عام شائقین علم کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 اس کو سند قبول عطا فرمائے اور لائق مصنف کو ان کے خلوص اور مجاہدانہ  
 محنت و کوشش کی داد دے۔

سعید احمد اکبر آبادی

۹ جنوری ۱۹۶۱ء



# دیباچہ

اسلامی کتب خانوں نے علمی دنیا میں جو ایسے تابناک کارنامے چھوڑے ہیں انہیں دیکھ کر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اُس کے دُرخ روشن سے ماہی کے پردے اٹھا دئے جائیں تو یہ علم و ادب اور فنِ ناکسری کی بہت بڑی خدمت ہوگی اس خیال نے پہلی بار "اسلامی کتب خانوں کی میر" کے نام سے ۱۹۵۵ء میں علمی مجامعہ پراگھا سنگھ میں ہندوستان کے اسلامی کتب خانے شامل تھے اور ہندوستان کے اسلامی کتب خانوں پر عربی احوال سے ڈالی گئی تھی وہ اہل دہ میری سعی و تحقیق کا نقشبِ اول تھا۔ اور ہندوستان میں یہ نقشبِ ثانی ہے۔ یہ دعویٰ ذہنی کیا جاسکتا کہ اس میں اُس سے کتب خانوں کا ذکر موجود ہے جو قرآن و وحی کی وسیع و عریض اسلامی سعادت میں بھیسے ہوئے تھے۔ اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بارہ سو برس کے کتب خانوں کی ایک وسیع تصویر پیش کی گئی ہے اور سکونوں کے سچی تعریف اور ان کی انجمنی و تعلیمی سرگرمیوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ فردوسِ معلمی میں کتنی ذوق و تہذیب کے کتابوں سے شغف و سرور کی فود و ریح میں مسکونوں کے کساں مدارِ حقدہ پراگھا۔

میراد کی کمی | جس جب سبھی کتب خانوں کا حال تجھ سے لئے قلم تھا۔ جو سکون ہو کہ یہ موضوعات صفا وسیع ہے۔ اسی قدر اس کے تعلق و لوازم کی ہے۔ علمی و ادبی تاریخ کی کڑھوں میں بھی اس کے بارے میں معلومات ہدایت

محترم اور مشہور ملٹی ہیں۔ مورخین نے سیاسی اور تمدنی حالات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں مگر کتب خانوں کی نسبت کہیں کہیں ضمنی طور پر لکھ دیا ہے اور بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ کتب خانوں کی تاریخ پر جو کتابیں یورپ اور امریکہ وغیرہ سے شائع ہوئی ہیں ان میں بھی اسلامی کتب خانوں کا ذکر بالکل نہ ہرے ہو رہا ہے۔ نواد کی یہ کمیابی اتنی حوصلہ شکن اور محنت طلب ثابت ہوئی کہ اس موضوع کے ساتھ آج تک پورا انصاف نہ ہو سکا اس پر متفرق مضامین تو لکھے گئے لیکن کتب خانوں کی مکمل تصویر کسی نے نہیں کھینچی۔ اردو میں شاید سب سے پہلے علامہ شبلی نے اسلامی کتب خانوں پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں موضوع نے کہا ہے کہ ”عنوان کے لحاظ سے مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہئے تھا لیکن جن واقعات کو قدما نے نظر انداز کر دیا ہو ان کے متعلق مشکل سے کچھ اجڑی حالات مل سکتے ہیں مفصل تو بالکل نہیں ملے۔“

**وسائل کی قلت ادھیری مجبویاں** | ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا میں جو ان گذشتہ کتب خانے قائم ہوئے ان سب کو قید تحریر میں لانے کے لئے کتنے وسائل درکار ہوں گے۔ میرا بہت جی چاہا کہ شہر شہر پھر کر اس عہد کے علمی خزانوں کا کھوج لگاؤں یا کم از کم ہندو پاک کے خاص خاص کتب خانوں سے ہی استفادہ کر لوں مگر دس سال کی قذت اور حالات کی ناسازگاری سدا راہ بنی رہی اور اس اہم موضوع کا پورا حق ادا نہ ہو سکا۔ یہ کتاب آج سے بہت پہلے شائع ہو جاتی اگر اس کی تکمیل میں میری مجبوریوں کا مل نہ ہوتیں حصولِ معاش کی جدوجہد میں سارے دن مصروف رہنے کے بعد جو وقت بھی ملتا وہ اس کام کی نذر کرتا رہا۔ خدا بھلا کرے میری بیوی کا جنموں نے ان خانگی ذمہ داریوں کا بھی بوجھ اٹھایا

جو مجھ سے متعلق تھیں اور مجھے اس کام میں یکسوئی کے ساتھ منہمک رہنے کا موقع دیدیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تکمیل کے دوران میں دل و دماغ کو پر اگندہ گز دینے والے ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ کئی ماہ تک سودہ کو ہاتھ لگانے کی نوبت نہ آسکی۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ طبع طرح کے موانع کے باوجود میں اپنی سچی کاہن کو کتابی شکل میں پیش کر رہا ہوں۔

**کتاب خانوں کا یہ مرقع** | یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ کتب خانوں کا یہ مرقع اس طرح تیار ہوا ہے کہ ان کے متعلق جس

قدر مواد مل سکا اس سے استفادہ کیا اور اس باب میں جہاں تاریخ کو خاموش پایا وہاں لوگوں کے علمی ذوق اور مدارس و تصانیف کو اس بنیاد پر کتب خانوں کے مرقعے تیار کئے مثلاً اگر کسی بادشاہ کا کتب خانہ ملا ہے اور اس کے درباری علماء اور امراء کے کتب خانوں کا ذکر نہیں آیا تو اللہ اس علمائے دین صلوٰۃ علیہم کے تحت رشا ہی و دربار کے ہر صاحب علم کے پاس کتابوں کے ذخیرے ہونا ضروری خیال کیا گیا اور جہاں مدارس اہل قیام اور ارباب علم ملے ہیں اور ان کے کتب خانوں کا ذکر نہیں ملا وہاں تعلیمی اور شخصی کتب خانوں کا ہونا لازمی قرار دیا اس لئے کہ درس و تدریس اور تفسیف و تالیف کی جان کتابیں ہیں اور کتابوں سے صحیح استفادہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب انہیں کتب خانوں کی شکل میں رکھا جائے۔ چنانچہ کتب خانوں کے ساتھ مدارس و تصانیف کا بھی کچھ ذکر آگیا۔ ہے اور یہ خیال رکھئے کہ جہاں تعلیمی کتب خانے آئے ہیں ان سے مدارس کے کتب خانے مراد ہیں۔

اس کتاب کو انیسویں سو سے زائد مستند کتابوں سے مدد ملی گئی ہے اور ہزار ہا صفحات پر بکھری ہوئی معلومات کا ایک ایک ذرہ چن کر اسے تیار کیا گیا ہے

لیکن اس پر اگندہ اور منتشر مواد کو صرف یکجا کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اسے نئے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی کتب خانوں کی واضح صورت علمی دنیا کے سامنے آجائے اور یہ خشک موضوع عام قارئین کے لئے دل چسپ اور جاذبِ نظر بن جائے۔

**اعترافِ شکر یہ اور ارادہ** | مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی کتاب میں خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں گی۔ اور یہ کہنے کا بھی مجھے کوئی حق نہیں کہ جو کچھ میں نے قلم بند کیا ہے وہ ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ہے اور اس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں ہے۔

میں ان حضرات کا تہ دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے مفید مشورے دئے۔ خصوصاً مولوی مفتی عتیق الرحمن صاحب غنائی کا میں نہایت ممنون ہوں جن کی خصوصی توجہ سے طباعت کے مراحل انجام پذیر ہوئے۔ مولوی حامد حسین صاحب جیلانی کا بھی میں بڑا شکر گزار ہوں جنہوں نے پروف کی تصحیح میں اعانت کر کے میری مشکلات آسان کر دیں۔

آخر میں اتنا اور عرض کر دوں کہ میں اب زندگی کی آخری منزل سے گزر رہا ہوں اسے طے کرنے سے پہلے فنِ لائبریری کے متعلق اپنے تینتیس سالہ تجربات و مشاہدات کو کتابی شکل دیدینا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس فن پر ایسی جامع کتاب پیش کر دوں جو طلباء و لائبریری سائنس اور اصحابِ ذوق دونوں کے لئے مفید ہو اور جس سے لائبریریوں کی تنظیم و ترتیب میں مدد مل سکے۔ اس ارادے کی تکمیل کے لئے میں خدا کی مدد اور اربابِ علم کی توجہ کا طالب ہوں۔

محمد زبیر

۸ فروری ۱۹۷۷ء

# اسلامی کتب خانوں کے قیام اور نظام ایک نظر

کوئی ذی علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرون وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے تہذیب و تمدن کے وہ بے بہا خزانے تھے جن کے فیض سے دنیا کا کوئی متمدن گوشہ محروم نہ رہا۔ لیکن ان کے ذکر سے پہلے کتب خانوں کے تاریخی پس منظر کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ وضع ہو جائے کہ مسلمانوں نے اس خاکہ میں کتنے انہماک اور جوصلے سے رنگ بھرے تھے اور کتب خانوں کی دنیا کو کتنی نئی تندرستی سے متعارف کرایا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بعد قدیم سے لے کر آج تک کتب خانے علمی و تہذیبی زندگی کے

اہم غاصرانے گئے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں ان کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا گیا ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے کتب خانہ اشور بانی پال اور کتب خانہ اسکندریہ کے نام آتے ہیں جو عہد قدیم کے مشہور ترین کتب خانے کہے جاتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس زمانہ کے کتب خانے آجکل کی لائبریریوں کی طرح نہ تھے اور نہ اس عہد کی کتابیں موجودہ زمانہ کی کتابوں کی شکل میں تھیں ان دونوں کی ذمیت ہر زمانہ میں بدلتی رہی ہے مثلاً کاغذ کے رواج سے پہلے مٹی کی تختیوں قرطاس

۱۔ سلطنتِ اشور یا کے فرمانروا اشور بانی پال ۶۶۸-۶۲۶ ق م کا کتب خانہ نینوا

(بابل میں تھا اس کی کتابیں مٹی کی تختیاں *clay tablets*) تھیں جن پر خط پیکانی

(*Cuneiform*) میں نہ ہی اسد اور شاہی احکام وغیرہ کندہ تھے۔ بابل

میں مٹی کی تختیوں پر لکھنے کی ابتداء حضرت یسح سے دو ہزار چار سو برس پہلے ہوئی تھی عظیم الشان کتب خانہ مصر کے بطلمیوسی خاندان کے بادشاہ نے اپنے پایہ تخت اسکندریہ میں حضرت یسح سے پونے تین سو سال قبل قائم کیا تھا اس میں سات لاکھ کتبیں تھیں۔ کتب خانہ اسکندریہ کی کتابیں قرطاس مصری (مسند مصری) پر لکھے ہوئے نوشتہ تھے۔ مصر میں ان پر لکھنے کا آغاز حضرت یسح سے تقریباً چار ہزار برس پہلے ہوا تھا غالباً لفظ پیمبر (عصر پیمبر) پیمبر سے ماخوذ ہے۔ پیمبر پر لکھے ہوئے نوشتہ دول کی شکل میں تھے ان کے دونوں کناروں پر لکڑیاں لگی رہتی تھیں جن پر انہیں نقشوں کی طرح لپیٹ دیا جاتا تھا۔ کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی کا الزام مخالفین اسلام نے حضرت عمرؓ پر لگایا تھا۔ علامہ شبلی نے اپنے ایک مضمون کتب خانہ اسکندریہ میں اس الزام کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔

مجموع پتر اور جائزوں کی کمال پر لکھے ہوئے نوشتہ کتابوں کا کام دیتے اور وہ جمع کیے جیساں لکھیے جاتے وہی کتب خانے کہلائے جانے لگتے۔ پُرانی دنیا کے علمی مرکزوں یونان، مصر، روم، بابل، چین اور ہندوستان میں اسی طرز کے کتب خانے موجود تھے مگر چونکہ ان قوموں کا مزاج علمی نہ تھا اور انہوں نے علم کو خاص خاص طبقتوں کی میراث بنایا تھا اسی لئے ان کے کتب خانوں سے مخصوص افراد ہی استفادہ کر سکتے تھے۔

لیکن اس باب کا تاریک رخ یہ ہے کہ کاغذ اور چھاپے خانوں کا رواج ہو جانے کے بعد بھی یورپ میں کتب خانے سینکڑوں برس تک ٹھہرے پڑے تھے اور عیسائی کی علم دشمنی نے انہیں انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک محافظ خانوں اور عجائب خانوں کی شکل میں رکھا۔ ان کی غرض و غایت صرف اتنی تھی کہ ان میں کتابیں حفاظت کے ساتھ سجا کر رکھ دی جائیں۔ ان کتب خانوں میں کتابیں زنجیروں میں لٹائی ہوئی کتب خانوں کی ترتیب کی ابتدا اس ایٹ سے کی جاتی ہے جو ۱۸۵۰ء میں برٹش پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا اچھے (مے جوٹس) لگایا گیا۔ لائبریریسیس (Library Cess) کہلاتا تھا اس ایٹ کا ایک عیب یہ ہے کہ اس کی آمدنی سے لائبریری کے لئے جگہ ادا زمین اور فریئر وغیرہ تو خرید اجاسکتا تھا مگر کتابیں خریدنے کی اجازت نہ تھی۔ اس ایٹ کا نام پبلک لائبریری ایڈمیونریم ایٹ تھا جسے ایڈورڈ ایڈورڈ (Edward Everett) نے برٹش پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا تھا۔

مگر اس سے پہلے امریکیں بوٹن (Boston) کی بلدیہ نے شہر کیلئے ۱۸۴۸ء میں لائبریری قائم کی تھی جو لائبریری میساچوسٹس (Massachusetts) کی ریاست میں قائم کر دی گئی تھی۔ یہ قوانین مغربی دنیا میں موجودہ لائبریری تحریک کے بنیادی پتھر ہیں۔

باندھ کر رکھی جاتی تھیں تاکہ انھیں کوئی دہاں سے لیجا نہ سکے اور ان کے مطالعہ پر سخت پابندیاں عائد تھیں پڑھے ذلے کو کتاب کے ورق اٹھنے کی بھی اجازت نہ تھی ایک نگران مقرر رہتا تھا وہی ورق الٹ دیا کرتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس وقت سچی دنیا میں کچھ اچھے کتب خانے موجود تھے رومن شہنشاہ قسطنطین اول نے ایک کتب خانہ قسطنطنیہ میں قائم کیا تھا جس میں ۶۹۰۰ کتابیں تھیں سچی خالقانہوں سے بھی کتب خانے ملتی تھے مگر افادیت کے نقطہ نظر سے ان کا عارم اور وجود برابر تھا۔ تمدن عرب کے مصنف کا بیان ہے کہ عیسائی۔ اہب اپنے وقت کو خانقاہی کتب خانوں سے یونان و روم کی پُرانی تصانیف کو نکال کر ان کو تھیلنے اور ان چرمی ورقوں پر اپنی مہل مذہبی تصانیف لکھنے میں مصروف کرتے تھے۔ غرض اُس عہد میں یورپ اور دوسرے ملکوں کے کتب خانے جب بے رحم واد شمع بے نور کے مصداق بن رہے تھے۔ بقول شاعر:-

دل مرکز حیات ہے اور زندگی نہیں  
اک شمع جل رہی ہے مگر روشنی نہیں

۱۔ - *History of Libraries* by  
Alfred Hessel (1955)

۲۔ تمدن عرب مصنف ڈاکٹر ملک تاج الدین بان مترجمہ شمس العلماء ندوی علی بگڑائی ص ۹۲

۳۔ *Monastic Libraries*



## کتاب خانوں کی صحیح صادق

کتاب خانوں کی اسلامی دنیا میں جو کتب خانے قائم ہوئے وہ صرف کتاب گھر نہ تھے بلکہ اپنی جامعیت، ندرت اور افادیت کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے ان کے نام یہیں بتاتے ہیں کہ مسلم مالک میں انہیں کتنا اہم مقام حاصل تھا اور مسلمان اُن کو اپنا کس قدر عزیز سرمایہ سمجھتے تھے۔ عربی زبان میں کتب خانہ کو مکتبہ کہتے ہیں مگر عرب فرط ذوق کی بنا پر اپنے کتب خانوں کو بیت الحکمت، خزائن القصور دار السلام، خزائنہ الکتاب اور خزائنہ الحکمت جیسے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں جس سے ان کی عظمت و اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔

علمی اور ثقافتی میدان میں مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ انہوں نے اُس سکوت و جدوجہد کو جو سینکڑوں برس سے کتب خانوں کی دنیا پر چھایا ہوا تھا دور کر کے ایک نئی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کے تحت کتابوں سے مستفید ہونا کسی خاص گروہ یا طبقہ تک محدود نہ رہا بلکہ ان کے استعمال کی سہولتیں ہم سب کو پہنچانا اور ان کے مطالعہ سے عوام کا علمی شعور بیدار کرنا کتب خانوں کا مقصد قرار پایا۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی کتب خانوں کے قیام سے کتب خانوں کی تاریخ کا ایک بالکل نیا دور شروع ہوا یا ان کہیں کہ انہی صحیح صادق نمودار ہوئی جس کی روشنی میں منزلِ منزل گئے بڑھتے رہے اور بالآخر تہذیبِ ثقافت زندگی بخش سرچشمے بن گئے۔

# کتب خانوں کی ترقی کے اسباب

قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا میں کتب خانوں کی ترقی کا ایک زبردست سبب یہ تھا کہ مسلمان کتابوں نے الہام شریف کہتے تھے ہر اسلامی ملک میں تحصیل علم، مطالعہ کتب اور تصنیف و کتابت کے ذوق و شوق کا دریا موجزن تھا علم و فن کی اشاعت کرنا قومی شعار بن گیا تھا اور کتابیں جمع کرنے کا سودا ہر شخص کے دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی کشور کشائی اور جہان بینی کا دھماکا بج رہا تھا اور اعلیٰ علم و سیاست پر ان کا ہی سکہ رواں تھا اور ان کی علم دوستی، معارف پروری و علمی قدر دانی نے وہ فضا پیدا کر دی تھی جس میں صرف کتب خانوں کی تشکیل و ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ تمام علوم و فنون نے حیات نو پائی، نئے نئے علوم رائج ہوئے، سوسائٹس قائم ہوئے، سائنسی تحقیقات کے لئے تجربہ گاہیں کھلیں، رصد خانے تعمیر ہوئے، کاغذ سازی کے کارخانے وجود میں آئے، خطاطی، نقاشی و جلد بندی کی ترویج و ترقی ہوئی اور کتابوں کی محبت، افادیت اور تعلیم و تکریم کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ مسلمان انھیں اپنا بہترین مونس و ہمد ہم سمجھنے لگے چنانچہ عرب کا شاعر متنی اپنے ایک قصیدے میں کہتا ہے: "وَحَيْرٌ جَلِيسٌ فِي الزَّهَابِ كِتَابٌ" (اور زمانے میں بہترین ہمد ہم کتاب ہے)

کتابوں سے قدس شعور کی مثال اسحاق بن سلیمان جیب کے واقعہ سے بہتر نہ ملے گی کہیں لے کتابوں کے اس شیدائی نے عمر بھر شادی نہیں کی اور لاد کی تمنا کسی لے عربی، لاد، و غیرت و طباء از بن ابی اصیعو جو اعلیٰ سلف اور حبیب الرحمن خان شروانی ہیں

نہیں ہوتی لیکن جب کسی نے اولاد کے متعلق اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ اپنی کتاب حیات کی موجودگی میں اولاد نہ ہونے کا مجھے کوئی غم نہیں۔

اگرچہ یہ سرب کا دل ہے اب افسانے بن گئے ہیں اور مسلمانوں کی علمی شان و شکوہ کے جلوے عرصہ ہوا نکا ہوں سے غائب ہو چکے ہیں مگر ان کے نقوش تاریخ کے صفحات اور مدینہ 'بغداد' و قرطبہ کے در و دیوار پر ابھی تک ثبت و آلودہ نظر آتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں علم کا پہلا مرکز مدینہ تھا پھر کوفہ و بصرہ تھے اس کے بعد دمشق، بغداد، قرطبہ، قاہرہ، شیراز، نیشاپور، سمرقند و بخارا، غزنی اور دہلی وغیرہ علوم کے گہوارے بن گئے۔ اسلامی مملکت کی وسعت کے ساتھ علم کا دار بھی بڑھتا رہا اور اس کے ساتھ مدرسے اور کتب خانوں کی توسیع ہوتی رہی اگرچہ مختلف حکمران خاندانوں کے درمیان سیاسی مداخلت میں کمی نہ تھی بلکہ بعض اوقات اختلافات کی شدت لڑائیوں کی شکل بھی اختیار کر لیتی تھی جو اقتضائے بشریت تھا لیکن علم کی اشاعت اور خدمت کا جذبہ سب کے دلوں میں موجزن تھا اور ہر فرانس و علوم و فنون کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے مل گئے مل جانا چاہتا تھا۔ مسلم حکمرانوں کی ان علمی رقابتوں کو مورخ ابووردیہ نے اسام کی توسیع جس سرعت کے ساتھ ہوئی اس کا اندازہ لگانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر نظر ڈالنا چاہئے۔ مسلمانوں کو جہاد کا حکم دوسری صدی ہجری میں دیا گیا تھا اس وقت حضور کی ذات ۱۲ ربیع الاول ۱۰ھ مطابق ۶۲۲ء تک اسلام کا رتبہ حکومت ۱۰ھ تک بنی سیل میں پھیل گیا اس کے بعد بارہ برس کے اندر یعنی حضرت عمرؓ کے عہد (۱۳-۲۳ھ) تک قبضہ حکومت بنی سیل تک پہنچ گیا اور ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت کئے ہوئے سو برس بھی نہ گئے تھے کہ مسلمان ایشیاء میں چین تک اور یورپ میں بحر اٹلانٹک تک جا پہنچے۔

(Edward Gibbon) نے علمی ترقیوں کی ایک سبقت ارفیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے رقیبانیہ مقابلہ نے علوم و فنون کا مذاق اور ان کی برکات کو سحر قند و بخار سے لے کر فاس اور قرطبہ تک پہنچا دیا تھا۔

**ثقافتی سرگرمیوں کا ایک منظر** | ان اسلامی ممالک میں علم و دہن کے چرچے کسے پہنچے ہوئے تھے یہ ہماری زبان میں نہیں لگتا۔ ایک عیسائی مؤرخ اسکاٹ کی زبان سے سنئے اس نے قرطبہ کی ثقافتی شان و شوکہ کا منظر اس طرح کھینچا ہے۔

”یہ ایک فوج و مہر و چشم تصور کے سامنے اس عظیم الشان دار الخلافہ کے باشندوں کے روزانہ کا دیار اور گفتار و رفتار آگئے جو محنت سے نکلنا نہ جانتے تھے جو صنعت و حرفت تہذیب و تمدن کمالات و تہذبات لطافت و نفاست احسن و اخلاق میں عیش پرست و مغرور و زوال پذیر و دم بست بڑھے ہوئے تھے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ تمام شہر طبعی نشیب و سربا ہے اور اونچی اونچی میزروں پر علم و علم ہست بروج آسمانی کے نقشے لے رہے ہیں اجسام فلکی و اجرام سماوی کے مناظر و مظاہر کا مطالعہ کر رہے ہیں کو اکب کی حرکت کو دیکھ رہے ہیں سیاروں کے درمیانی فاصلوں کو ناپ رہے ہیں اعداد کو فخرت کا حباب لگا رہے ہیں بی بی آئینیں ان کتب خانوں کو دیکھ رہی تھیں جن میں ہزاروں کتابیں تھیں ان کتب خانوں میں ہر ایک کے ساتھ ایک فن کی فنون مترجموں کی تھی جو زمانہ قدیم کے بڑے بڑے علماء و فضلاء کی بہترین تصانیف کو عربی میں ترجمہ کر رہے تھے۔ یہ مترجم ہر ایک طالب علم کی ہالچاند اس کی تہمت یا مذہب کے مفت خدمت کرنے کو تیار رہتے تھے ہر ایک شہر کی یہی ممتاز کیفیت ہے دنیا بھر میں کسی جگہ قلب انسانی کے نشوونما کے

یہ ایسے مواقع تھے دنیا بھر میں کہیں کسی جگہ نہ علم ادب کی ایسی خدمت ہوتی تھی نہ اتنی قدر

یہ ہے نمونہ اس ثقافتی زندگی کا جس کا چشمہ کوہ فاناں چھوٹا  
**اسلام اور علم** تھا و حقیقت دنیا کا کوئی غیر مسلم کی اتنی حمایت نہیں کر سکا

جتنی کہ اسلام نے کی۔ اس نے اپنے ظہور کے بعد سب سے پہلے زبانِ وحی سے علم کی عظمت و فضیلت کا اعلان کر دیا تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ اسلام کے اولین دور میں ہی علم کے چرچے پہنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلم مرد اور عورت پر تحصیلِ علم واجب کر کے تعلیم عامہ کی داغ بیل ڈالی اور آپ کے زیرِ اُتوال مثلاً اطلبوا العلم ولو کان بالقیل - اطلبوا العلم من المشرق الی المغرب نے تحصیلِ علم کی اہمیت اور ضرورت کو واضح اور نمایاں کر دیا و حقیقت یہ تسلیم ہو ہی کہ کرشمہ تھا کہ عربی جاہل اور پس ماندہ تو علم دوست اور علم پرور بن گئی ان میں حصولِ علم کا ذوق و شغف اس قدر بڑھا اور انھوں نے طلبِ دانش آنی دور تک پھیلایا کہ بقول عیسائی مورخ جرجی زیدان وہ آشور بابل، مصر، یونان فارس اور ہندوستان کے تمام علوم کے وارث ہو گئے۔

۱۰ سب سے پہلی وحی قرآن کریم کی یہ پانچ آیتیں ہیں و غار حرا میں شب جمعہ ۱۲ رمضان سنہ ۱۰ مطابق ۶۱۰ء اگر گت منشاء کو نزول ہوئی تھیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ - اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ - الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ - ۱۱ اَلطَّلَبُ الْعِلْمُ  
 قرینہ "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" ۱۲ و قد مر مر مر بن عبد البر کہ کتاب جامع بیان العلم و فضله "جس میں علم کی فضیلت اور ادبِ علم کی عظمت کے متعلق احادیث اور اکابرین اسلام کے اقوال مندرج ہیں اور ترجمہ احکم و اطہر کے نام سے ۱۳ انیس صدی ۱۴ انیسویں دہائی سے شائع ہوا یہ علم حال کرتے رہو غاہے نہیں اس کیلئے چین جانا پڑے ہے ان کی نگاہ سے بے کمر قبریں جانے تک علم حاصل کرنے۔

**ذوق مطالعہ** تحصیل علم کے شوق بے پایاں کے ساتھ ذوق مطالعہ اور تصنیف و

نقشہ نگاہوں کے سامنے آجائے جو کتب خانوں کی ترقی کیلئے درکار ہے جہاں تک ذوق مطالعہ کا تعلق ہے اسکی سینکڑوں مثالیں سلم ساج کے ہر طبقہ میں نظر آتی ہیں بادشاہوں میں اندلس کے اموی خلیفہ حکم ثانی کا ذوق مطالعہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس کے کتب خانہ کی چار لاکھ کتابوں میں بہت کم ایسی تھیں جن کو اس نے پڑھا نہ ہو کثرت مطالعہ کے سبب آخر عمر میں خلیفہ کی بنیائی کمزور ہو گئی تھی پھر بھی اس نے مطالعہ جاری رکھا۔ علامہ ابن رشد نے ساری عمر کتب بینی میں گزاری اسکی عمر میں صرف دو راتیں ایسی گذریں ہیں کہ جب وہ مطالعہ نہ کر سکا ایک شادی کی اور دوسری والد کی وفات کی رات۔ منعم ابو معشر کے ہناک مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اس نے خراسان سے مکہ جاتے ہوئے بغداد کا ایک کتب خانہ خزانہ اکملت دیکھنے کا قصد کیا مگر وہاں پہنچ کر مطالعہ میں اتنا محو ہوا کہ مکہ جانا بھول گیا بصرہ کے ایک مشہور عالم جاحظ نے تو اپنی جان ہی ذوق مطالعہ کی نذر کر دی وہ آخر عمر میں مفلوج ہو گیا تھا لیکن اس حال میں بھی کتابیں اس کے چاروں طرف لگی رہتی تھیں اور وہ مطالعہ میں ہنمک رہتا تھا ایلد کتابیں جاحظ پر گر پڑیں اور وہ ان کے نیچے دب کر مر گیا فتح ابن خاقان کو کتابوں کے مطالعہ کا ایسا شوق تھا کہ اس کی آستین میں ہرقت ایک نہ ایک کتاب رہتی تھی یہاں تک کہ وہ بیت الخلا میں بھی کتاب کا مطالعہ کر لیا کرتا تھا۔

حضرت امام زہری کے متعلق ایک نہایت دلچسپ بات حبیب الرحمن خا شیر والی نے اپنی کتاب طوائف سلف میں لکھی ہے کہ وہ مطالعہ میں اتنے ہنمک رہتے

کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی ان کی بی بی کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کے سوا کسی اور کی  
استعدائش شوہر کے لوہے ہو چنانچہ ایک روز اس نے بچکا کر کہا قسم ہے رب کی  
یہ کتابیں مجھ پر تین سو کنون سے زیادہ بھاری ہیں۔

**تصانیف کی کثرت** | تعلیف و تالیف کے میدان میں مسلمانوں نے  
جو کارنامے سر کئے ہیں ان کا ایک روشن  
پہلو یہ ہے کہ غیر قوموں کے علوم کو بھی سر بلند کرنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ نہیں  
اٹھا رکھا حکمائے یونان و مصر و ہند کے سرمایہ علم و حکمت کو عربی کا جامہ پہنا کر  
حیات جاوید بخشدی۔ جرجی زیدان لکھتا ہے۔

مسلمانوں نے اس وقت کے تمام علوم و فنون فلسفہ طب نجوم ریاضی ادب  
تاریخ وغیرہ وغیرہ کو جو تمام اقوام عالم میں رائج تھے اپنی زبان میں لے لیا اور اہم ستمند  
میں سے کسی کو نہ چھوڑا جس کی زبان سے عربی میں کتابیں ترجمہ کی ہوں۔ یہ تمام علمی جزیرے  
صرف صدی ڈیڑھ صدی میں جمع کر لیا تھا اور اہل روم و پوری چار صدی تک بھی یونانی  
علوم کو نقل نہ کر سکے تھے یہ مسلمانوں کی عجیب خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی اور قوم میں  
نہیں۔ انھوں نے اپنے بدن کے تمام اسباب حیرت انگیز عجلت کے ساتھ ہتیا کر کر  
اہل نظر جاتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت علم کہیں عام نہ تھا عرب میں بھی  
سوائے چند افراد کے نہ کوئی لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور نہ عربی زبان میں کوئی کتاب  
۱۔ علوم و طب ترجمہ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم مصنف علامہ جرجی زیدان اڈیٹر امسال مصر ترجمہ  
مولانا اسم جیل جوری مطبوعہ انٹرنیٹ پریس لیٹریچر ۱۹۰۷ء۔ اس میں مسلمانوں کی ہر قسم کی علمی ترقی  
ہدایت بسط اور تفصیل کے ساتھ دکھائی گئی ہے ۲۔ آنحضرت معلّم کی بعثت کے وقت (باقی اگلے صفحہ)

موجود تھی لیکن مسلمانوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں عربی کو اتنا مقبول بنا دیا کہ بقول  
 موسیو لیبان یورپ کی یونیورسٹیاں چھ سو برس تک بی کتابوں کے تراجم پر زندہ  
 رہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ  
 دیا جاتا تھا جس نے عربی کتب سے استفادہ نہ کیا ہو انہوں نے علم و فن  
 کے تمام شعبوں کی آبیاری کی اور بنیاد پر تحریری سرمایہ فراہم کر دیا صرف ایک  
 مضمون تاریخ میں بقول جرجی زبدان اس قدر کتابیں لکھیں جو حد شمار سے باہر ہیں  
 موجودہ زمانہ سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے فن تاریخ میں وہ درجہ نہیں حاصل کیا جو  
 مسلمانوں نے پایا

اسلامی دنیا میں ایسے مصنفین بھی گزرے ہیں جن کی کثیر ضخیم تصانیف  
 بجائے خود مستقل کتب خانے میں مثلاً مولانا جامی نے ۴۴ خطیب بخدادی نے  
 ۵۶ امام غزالی نے ۷۸ امام فخر الدین رازی نے ۸۰ شیخ ابن جوزی نے  
 ۶۵ ابن حزم نے ۴۰۰ سے زیادہ ابن خطیب قطبی نے ۱۱ سو کتابیں لکھیں بن جی  
 نے اندس کی ایک تاریخ ۱۰ جلدوں اور دوسری ۶۰ جلدوں میں لکھی منظوم الفطر  
 نے المنظومی کی ۵۰ جلدیں لکھیں ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی کی ۲۱  
 جلدیں تصنیف کیں جس میں پچاس برس صرف ہوئے ابن الاعرابی کی نسبت لکھا ہے  
 کہ اس نے محض اپنی یادداشت سے اتنا زیادہ علم لکھایا کہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہو۔  
 (بقیہ صلا) قریش میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت  
 ابو عبیدہؓ طلحہؓ زیدؓ ابو غذیفہؓ ابوسفیانؓ شفاء بنت عبد اللہ شامل ہیں۔ لے جاہی کی  
 تصانیف کی تعداد ان کے تخلص کے اعداد کے مطابق بتائی جاتی ہے اس حساب سے ۵ ہوئی۔



شیخ الاسلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات، توقعات و کلمات کے مجموعہ کا ترجمہ عربی و فارسی میں  
۱۱۴۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام  
والسلام علی من بعدہ  
وآلہٖ الطیبین



بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام  
والسلام علی من بعدہ  
وآلہٖ الطیبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام  
والسلام علی من بعدہ  
وآلہٖ الطیبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام  
والسلام علی من بعدہ  
وآلہٖ الطیبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام  
والسلام علی من بعدہ  
وآلہٖ الطیبین

ہی طرح مختلف علوم و فنون پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں مثلاً امام مالک بن انس،  
 ابن شہاب زہری، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، امام یوسف  
 امام شافعی اور امام بخاری جیسے بزرگوں کی تصانیف علم حدیث وفقہ کو تجدید و  
 بخشی۔ تاریخ و جغرافیہ اور سیرت کی دنیا میں محمد بن اسحاق ابن ہشام ابن خلکان  
 ابن خلکان، ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر، بلاذری، طبری، مقرئ، اور سی قزوینی  
 اور یاقوت کی تصانیف کی روشنی آج تک پھیلی ہوئی ہے۔ طب، طبیعیات،  
 کیمیا، ہیئت وغیرہ میں فارابی، ابوبکر رازی، بوعلی سینا، ابن سینا، ابن بیطار  
 کے تجربات و مشاہدات اور ان کی تصانیف مشعل راہ کا کام دیر ہی ہیں ان کے  
 علاوہ ابن باجر، ابن طفیل اور ابن رشد کی تصانیف نے مشرق اور مغرب کے علم و نظر  
 میں جو انقلاب پیدا کیا وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اس فہرست میں خلیل بن احمد (متوفی ۱۰۱ھ) کا نام بھی شامل کر دینا  
 مناسب معلوم ہوتا ہے یہ عربی لغت و ادب کے امام اور فن عروض کے  
 موجد تھے ان کی تصنیف کتاب العین اور ان کے شاگرد سیبویہ کی "الکتاب"  
 فن عروض اور قواعد کی سب سے پہلی کتابیں ہیں اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر  
 ہے کہ خلیل بن احمد نے کعبہ کا یہ ردہ پکڑ کر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا مجھے  
 ایسا علم عطا کر جو اب تک کسی کو نصیب نہ ہوا ہو اللہ نے دعا قبول کی اور  
 یہ علم ان کو عطا کیا جس کا نام خلیل نے عروض اس لئے رکھا کہ کعبہ کا ایک نام  
 عروض بھی ہے۔

اس موقع پر ایک کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ کا ذکر

بے محل نہ ہو گا اسماء الرجال پر جو کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں ان میں یہ بہترین کتاب کہی جاتی ہے اس کے انگریزی مقدمہ میں ڈاکٹر اشپرنگر نے لکھا ہے ”کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے“

**قید اور تصنیف و تالیف** اسلامی تاریخ میں ایسے محبانِ علوم کے نام بھی ملتے ہیں جو دورِ ابتلاء و ادایامِ محن میں کتبِ لبنی اور تصنیف و تالیف میں مہمک رہتے تھے ادجن کے قلم کی روانی قید خانوں کی چہار دیواری بھی نہیں روک سکی تھی امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے قید خانوں میں دس کی مجلسیں گرم کھیں امام ابن تیمیہؒ نے قید و بند کے دوران میں متعدد کتابیں تصنیف کیں شمس الاسماء سرخی نے مبسوط کی پسند رہ جلدیں قید خانہ میں پھیکر لکھیں ہندوستان کے مفتی عنایت احمد نے عربی صرف و نحو کی کتاب اور مولانا فضل حق خیر آبادی نے قصائد حبسیات ایامِ جلاوطنی میں بے مقام اٹڈ من لکھے۔

**ذوقِ کتابت** کتابت کا بھی کتب خانوں سے گہرا تعلق ہے اس زمانہ میں طباعت کا رواج نہ ہونے کے سبب اُن کی ترقی کا تمام تر انحصار کتابوں کے دست و قلم پر تھا۔ فنِ کتابت پر بحث تو اچھے صفحات میں کی گئی ہے یہاں صرف اُن چند کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے

لے ماحدہ خطبات مدراس“ از مولانا سید سلیمان ندوی مطبوعہ عظیم گڑھ (۱۹۵۸ء) ص ۲۲

جن کے ذوق کتابت نے کتب خانوں کو مالال کر دیا تھا اور قلم کے ایسے دھنی تھے کہ ہزار ہا صفحات کی نقل بلا تکلف کر دیا کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ کے استاد جن عبداللہ عالم نے مختلف علوم کے دو ہزار مجلدات لکھے تھے حضرت عیسیٰ بن مہین نے چھ لاکھ حدیثیں اور شیخ ابن الجوزی نے دو ہزار جلدیں لکھیں۔ شیخ جن قلموں سے حدیث کی کتابیں لکھتے ان کے تراشے نہایت احتیاط سے اس ہدایت کیساتھ جمع کرتے جاتے تھے کہ وفات پر ان تراشوں سے غسل میت کا پانی گرم کیا جائے لیکن یہ اتنے تھے کہ پانی گرم کرنے کے بعد بھی بچ گئے۔ امام ابو حنیفہ کی لکھی ہوئی کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے قلم صاف کرنے کی خدمت آپ کے شاگرد امام محمد کے سپرد تھی وہ اپنے استاد کے قلم پر لگی ہوئی روشنائی جمع کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ اسی سے امام محمد نے تفسیر کی ایک ضخیم کتاب لکھی۔

ان باتوں کا ذکر کہاں تک کیا جائے اس کے لئے بھی ایک مستقل کتاب درکار ہے لیکن اس کا تفصیلی مطالعہ کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہئے کہ کتاب کا رشتہ پیغمبر اسلام کی ذات اقدس سے جا کر ملتا ہے اس فن کے ماہرین میں دہقانہ ذوق پیدا کرنے کے محرک وہ اقوال ہیں جو اشاعت علم کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ چنانچہ جب مشہور محدث ترمذی اور نسائی کے استاد یعقوب القسوی کی بنیادی ریادتی کتابت کے باعث جاتی رہی اور وہ اس غم میں رات کو روتے روتے سو گئے تو انہیں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی القسوی خود کہتے ہیں کہ حضور نے اپنا دست مبارک

میری آنکھوں پر پھیرا اور اسی وقت میری بیانی بحال ہو گئی

یہ ہیں علمی کمالات اور ثقافتی سرگرمیوں کے وہ نمونے جو بیگانوں سے بھی آج تک خراج عقیدت لے رہے ہیں چنانچہ ایک ہندو فاضل نے کہا ہے کہ "اگرچہ میں خود مسلمان نہیں ہوں لیکن اسلام نے علوم و فنون کے میدان میں جو بازی جیتی ہے اس کو سوچتا ہوں تو میرا ایشائی دل فخر و مسرت سے پھول جاتا ہے۔ یہ ہی شخص اسلام کی ملی نعمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"جب یورپ کی دنیا بربریوں کے حلوں سے زوال پذیر ہو کر ناگفتنی تاریخی کے گڑھے میں جا پڑی تھی مگر اس وقت اسلام ملک کو نہ سنبھاتا اور اعلیٰ علم کی تخم ریزی کر کے اس کی پوری پرداخت نہ کرتا اور حق و حریت کی جان آب دم ہوا میں ان کی تربیت کر کے انھیں پھولنے پھلنے نہ دیتا تو میں اچھتا ہوں کہ آج دنیا کہاں ہوتی اور تہذیب جدید کا نشان کہاں ملتا؟"

لے ملاحظہ ہو ڈاکٹر سری۔ سی رائے کا خطبہ "اسلامی تہذیب اور قومی تعلیم" جو اس نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے دوسرے جلسہ تقسیم اسناد منعقدہ سمرندری ۱۹۲۶ء بمقام علی گڑھ پڑھا۔ ہماری کتاب میں جہاں سری۔ سی رائے کا نام آیا ہے اس سے یہی خطبہ مراد ہے۔

# اسلامی کتب خانوں کی ابتداء توسیع اور ترقی

انفرض مسلمانوں کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں کتب خانوں کے حق میں عظیم الشان محرکات بن ہوئیں جیسے جیسے تعمیل علم اور تصنیف و تالیف کا ذوق عام ہوا اسی طرح کتب خانوں کی توسیع و ترقی ہوتی رہی اور بالآخر کتابیں جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھا کہ جلا اسونی مالک کتب خانوں سے معمور ہو گئے۔

گو اسلامی دنیا میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں جمع ہونا شروع ہو گیا تھا مگر کتب خانوں کی شکل میں کتابیں رکھنے اور غیر عربی کتابوں کے عربی میں ترجمے کی ابتداء عہد عباسی سے ہوتی ہے تاہم کئی کئی صدی پہلے کتابت کتاب الملوک و اخبار الدائین عبد بن شریح نے امیر معاویہ کے عہد میں لکھی۔ ان کے پوتے خالد بن یزید بن عیسیٰ بن ہشام نے لکھی کہا جاتا ہے کہ خالد ہی پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں کتب خانوں کی بنیاد ڈالی۔

لیکن یہ بھولنا چاہئے کہ بنو امیہ کی حکومت قائم ہونے کے چوبیس برس بعد عبدالملک بن مروان کے عہد میں شاہی کتب خانہ نے اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ جب سعید بن جبیر نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تو اسے شاہی کتب خانہ میں رکھا گیا عبدالملک نے ہر فن پر کتابیں لکھوائیں جس نے کتب خانوں کی ترقی کے

لسہ بنو امیہ کی سلطنت ۴۱ھ (۶۶۱ء) سے ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) تک رہی

۱) ابن رسلان نام یہی کتاب الحوت۔ نکت العیض۔ المبیر کتاب العیض۔ الصغیر

لے زمین ہموار کر دی اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں تصنیف و تالیف کی ترقی ہونے سے کتب خانوں کی بھی ترقی ہوئی اس نیاک بخت خلیفہ نے احادیث اور مغازی کی طرف خاص توجہ دی احادیث کے مجموعے تیار کر کے تمام مملکت میں بھیجے امام زہری کے استاد ابو بکر بن جزم انصاری کو احادیث جمع کرنے کا حکم دیا اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری کو مغازی اور مناقب کا درس دینے کے لئے متعین کیا اس خلیفہ نے کتب خانہ (خزانة الكتب) کی ایک کتاب جو حکیم ماسرجویہ کی تھی سریانی زبان میں ترجمہ کرائی اور اس کتاب کو شائع کیا حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات (۱۰۱ھ) کے بعد خلیفہ دلید بن یزید کے کتب خانہ میں کتابوں کی جو کثرت بیان کی گئی ہے اس سے کتب خانوں کی رفتار ترقی کا اندازہ ہو سکتا ہے علامہ شبلی نے سیرۃ النبی (حصہ اول) میں لکھا ہے کہ دلید بن یزید کے قتل ہو جانے کے بعد جب احادیث و روایت کا فرائض کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

امویوں کے بعد عباسیوں کا عہد آیا جس میں علوم و فنون کی غیر معمولی ترقی ہوئی خلیفہ ہارون رشید نے نہایت وسیع پیمانہ پر ایک کتب خانہ بیت الحکمت بمقام بغداد قائم کیا اب کتابیں جمع کرنے کا شوق بادشاہوں تک محدود نہ رہا بلکہ عوام میں بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا تھا یہاں تک کہ کتب خانے اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو و لاینفک بن گئے۔ ایک مصری فاضل کے

۱۰ سالہ شبلی ص ۲۸ ۱۱۰۰ ہماروں مصنفہ عمر ابو العزیز اور ترجمہ از شیخ محمد اچچائی ص ۲۲۱ (مکتبہ جدید لاہور)

قول کے مطابق بغداد کا کوئی گھرا یا نہ تھا جس میں ایک کتب خانہ نہ ہو اور  
کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے کتابیں جمع کرنے کا شوق نہ ہو۔ مولف اسکاٹ کے  
الفاظ میں اندلس میں کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں تشنگانِ علوم کو سیراب  
کرنے کے لئے کم از کم ایک چشمہ (کتب خانہ) نہ ہو۔ کتب خانوں میں کتابوں  
کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ بیت الحکمت کے کتب خانہ (بغداد) میں ۱۰ لاکھ  
کتابیں تھیں خلیفہ عزیز باللہ فاطمی کا کتب خانہ خزانہ انصور (قاہرہ) ۱۶ لاکھ  
کتابوں پر مشتمل تھا۔ اندلس کے اموی خلیفہ حکم ثانی کے کتب خانہ (قرطبہ)  
میں ۴ لاکھ کتابیں تھیں ان تینوں کتب خانوں کو مورخین نے خصوصی طور پر  
عظیم الشان بتایا ہے و حقیقت یہ مشرق اور مغرب میں علم کے وہ سرچشمے تھے  
جنہوں نے لوگوں میں علم کی طلب اور تحصیل کا شوق پیدا کرنا تھا ان کے علاوہ  
شرقی طرابلس کے کتب خانہ میں ۲۰ لاکھ اور مراغہ کے کتب خانہ میں ۴ لاکھ  
کتابیں تھیں تبعم باللہ کے وزیر ابن العلقمی کا کتب خانہ ۱۰ ہزار کتابوں  
پر مشتمل تھا۔ بہار الدین دہلی کے وزیر شاپور بن ابو شیر کے پاس ۱۵ ہزار  
کتابیں تھیں صلاح الدین ایوبی کے وزیر القاصی الغافل کا کتب خانہ  
۶۸ ہزار کتابوں سے معمور تھا وزیر ابو جعفر احمد بن عباس کے کتب خانے  
میں ۴ لاکھ کتابیں تھیں۔ ابراہیم طبری نے ۲۰ ہزار موفق الدین نے ۱۰ ہزار  
امین الدولہ نے ۲۰ ہزار کتابیں جمع کی تھیں حکیم بلنظف مصری کے کتب خانہ

لے العجم الاغشی فی صناعة الاستواء از قلعشندی متوفی ۱۱۲ھ

مفتاح السعادة ومصابیح السیادة از مولی احمد بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ متوفی ۹۶۲ھ



میں ہزاروں کتابیں ہر فن کی تصنیف حافظ ابن فرات بغدادی نے کتابوں  
 کے اٹھارہ صندوق اور علامہ واقدی نے چھ سو قلم کتابیں اپنی یادگار  
 چھوڑیں شیراز میں خضد الدولہ نے جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں ستر  
 کتابیں موجود تھیں جو ابتدائے اسلام سے اس کے عہد تک تصنیف ہوئی  
 تھیں بکھارا کے بادشاہ نوح بن منصور کے عظیم المثال کتب خانہ میں ہر  
 علم و فن کی کتابیں تھیں۔ حلب کے فرماں روا سیف الدولہ کے کتب خانہ میں  
 فن ادب کی نہایت قیمتی کتابیں جمع تھیں۔ فاس و شمالی افریقہ کا ایک کتب خانہ  
 بیش بہا یونانی اور لاطینی کتابوں سے پُر تھا بللیطہ (اندلس) کی مسجد میں  
 ایک عظیم الشان عربی کتب خانہ تھا جس کی شہرت علمی مرکز کی حیثیت سے  
 دور دور تک پھیل گئی تھی۔ غرناہ میں ایک بہت بڑا کتب خانہ سلطان محمود غزنوی  
 نے قائم کیا تھا سلطان نور الدین زنگی شہید اور سلطان صلاح الدین ایوبی  
 نے دمشق، حلب، بیت المقدس اور مصر وغیرہ میں متعدد کتب خانے قائم  
 کئے تھے ترکی سلطین میں سلیمان اعظم کے ذاتی کتب خانہ میں کئی ہزار کتابیں  
 تھیں محمود اول نے قسطنطنیہ میں چار عظیم الشان کتب خانے قائم کئے تھے۔  
 سلیم ثالث کے عہد میں مدرسہ توپچیہ کا کتب خانہ فنون جنگ اور ریاضی  
 کی بہترین کتابوں سے معمور تھا دوزراہ میں محیی بن خالد برہکی کا کتب خانہ بھی  
 نہایت عظیم الشان تھا اس میں جس قدر کتابیں جمع تھیں اتنی کسی بادشاہ  
 کے پاس بھی نہ ہوں گی متوکل باللہ کے وزیر فتح بن خاقان کا بے نظیر کتب خانہ  
 اہل علم کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا بغداد میں علی بن محیی بنجم کے کتب خانہ

خزانہ الحکمت میں کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے تمام ممالک سے  
لوگ آتے تھے محمد بن الحسن بغدادی کا کتب خانہ ایک علمی عجائب خانہ  
تھا وزیر ابن العمید کے کتب خانہ میں ہر علم و فن کی سو اونٹوں کا بوجھ  
کتابیں تھیں صاحب بن عباد کو اپنے کتب خانہ سے اتنی محنت تھی کہ  
اس کے ساتھ ہر سفر میں صرف ادب کی کتابوں کے تین سو اونٹ لے جاتے  
تھے نیشاپور کے ایک امیر ابو نصر سہل بن مرزبان نے اپنی تمام دولت  
کتابیں جمع کرنے میں صرف کر دی تھی۔ قرطبہ کے قاضی فطیس کی پاس  
نہایت قیمتی کتب خانہ تھا ایک غریب مدرس محمد بن حزم نے قرطبہ میں ایسا  
نایاب کتب خانہ قائم کیا تھا کہ اکثر اہل علم اس پر رشک کیا کرتے تھے۔  
کتابوں کی اس تعداد کو دیکھتے وقت دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں  
ایک تو یہ کہ اسلامی کتب خانوں میں ایک کتاب کے بہت سے نسخے رکھنے کا  
رواج تھا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی۔ یہ نسخے مختلف اعتباراً  
سے اہم ہوتے کوئی کتاب کی قدامت کوئی کتاب کے حسن اور کوئی جلد بندی  
میں ممتاز ہوتا تھا دوسرے یہ کہ زمانہ کے تعین کے بغیر کسی شے کی  
قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں اتنی کثیر تعداد  
میں کتابیں جمع کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا اس زمانہ میں ایک کتاب  
حاصل کرنے میں جو قسطنطنیہ یا پڑتی تھیں ان کا آج قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا  
مگر مسلمانوں کے شوق علم نے اپنے کتب خانوں کو دنیا بھر کے علوم کا مخزن بنا دیا  
تھا ان میں قرآن و حدیث کے مخطوطات و نسخوں کے علاوہ ادب، فلسفہ، طب اور ہر شعبہ

دیگرہ کی کتابیں جمع تھیں۔ یہاں قدیم کتابوں کے نایاب و کمیاب نسخے اور یونانی، رومی اور ہندی حکماء کی تصانیف کے عربی ترجمے موجود تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ اسلامی کتب خانے صرف مسلمانوں ہی کی ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز نہ تھے بلکہ غیر مسلموں کے علمی سرمایہ کے بھی امین تھے چنانچہ ان کے طفیل سیکڑوں قدیم کتابیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔

## کتب خانوں کے اقسام

مسلمانوں کے قومی مزاج میں علم دوستی ایسی سرایت کر گئی تھی کہ سماج کے ہر طبقہ نے کتب خانوں کے قیام میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ سلاطین اور امراء نے انھیں اپنی سلطنت اور امارت کا لازمی جز و قرار دیا۔ شہنشاہ اور علماء نے ان کو اپنی ریاضت و عبادت کا حصہ بنایا اور عام شائقین علم نے کتابیں جمع کرنا اپنا فرض سمجھا اس طرح جو کتب خانے وجود میں آئے وہ سات قسم کے تھے۔ سلاطین کے کتب خانے، مسیحیوں کے کتب خانے، خانقاہی کتب خانے، تعلیمی کتب خانے، عام کتب خانے، ذراستی کتب خانے، گشتی کتب خانے

مسلمانوں سے پہلے گشتی کتب خانوں کا کوئی نشان نظر نہیں آتا ان کے اولین نقوش

گشتی کتب خانے

عہد اسلامی میں ملتے ہیں یہی کتاب میں آپ کو ایسے عاشقانِ کتب ملیں گے جو کتابیں دل و جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور سفر ہو یا حضر، مصیبت ہو یا راحت کسی حال میں بھی انھیں کتابوں کی جدائی گوارا نہ تھی بعض بادشاہوں کے ساتھ تو دورانِ جنگ میں بھی ایک کتب خانہ رہتا تھا مگر کتابوں کے اس طرح گردش کرنے کا اس زمانہ میں کوئی نام نہ رکھا گیا تھا یہ شکل جب اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی انیسویں صدی عیسوی میں پہنچی تو اس کا نام گمشدہ کتب خانے (Mobile Libraries) ہوا۔

**عام کتب خانے** | عام کتب خانے (پبلک لائبریریاں) مسلمانوں کا بہت بڑا کارنامہ ہیں انھوں نے یہ اہتمام میں قائم کئے تھے جب دنیا میں کتابوں کے استعمال پر کڑی پابندیاں عائد تھیں اور انھیں کتب خانوں میں مقید کر کے رکھا جاتا تھا قرونِ وسطیٰ میں یہ خصوصیت صرف اسلامی ممالک کو حاصل تھی کہ وہاں بڑے بڑے شہروں میں عام کتب خانے قائم ہوئے اور جو اسلامی تعلیم و تمدن کے اثر سے وجود میں آئے تھے، اسلام نے مسلمانوں کو علم کی اشاعت اور اُس کے حصول کی تاکید کرتے ہوئے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ علم ہر انسان کی ملکیت ہے اور کتابیں استعمال کرنے اور پڑھنے کا حق ہر شخص کو ملنا چاہئے اس کی تعمیل میں جب مسلمانوں نے مد سے اور کتب خانے قائم کئے تو ان کے اخراجات کے لئے جائدادیں اور وہاں پڑھنے کے لئے کتابیں

بھی وقف کر دیں کیونکہ یہ عقیدہ رائج ہو گیا تھا کہ موقوفہ کتابوں کو جتنا پڑھا جائیگا اسی قدر واقف کو ثواب ملے گا شروع میں یہ عمل صرف دینی کتابوں تک محدود رہا جب اسلام کے حلقہ میں طرح طرح کے علوم داخل ہو گئے تو اس عمل کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ اس طرح کتابیں جمع کرنا اور ان کے استعمال کی سہولتیں بہیا کرنا اسلامی تمدن میں شامل ہو گیا اور موقوفہ کتب خانے (عام کتب خانے) دجہ میں آ گئے

عام کتب خانوں کے قیام کی ابتدا مسجدوں سے ہوئی جو اسلام کے ابتدائی دور میں تعلیم کا ہوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں اور ان میں موقوفہ کتابوں کے ذخیرے بھی رہتے تھے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لکھا ہے کہ کوفہ کے ایک ماہر سائنات ابو عمر و ایشبانی نے اپنی تصنیف کے نسخے مسجد میں رکھے تھے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم مصنفین اپنی تصانیف کے نسخے عوام کے استفادہ کیلئے اپنے محل یا شہر کی مسجد میں رکھا کرتے تھے جب اسلامی کتب خانوں کا دائرہ وسیع ہوا تو یہ مسجدوں تک محدود نہ رہے بلکہ ان کے لئے علیحدہ عمارتیں تعمیر کی گئیں ہارون رشید کا بیت الحکمت پہلا عام کتب خانہ تھا جو باقاعدہ وسیع پیمانہ پر بغداد میں قائم ہوا تھا اس کے بعد قاہرہ، شیراز، دمشق، عزنی، بخارا، اندلس اور ہندوستان میں صد ہا عام کتب خانے کھل گئے، تنہا اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔

ان کتب خانوں میں مطالعہ کی سہولتوں کے علاوہ قارئین کو ہر قسم

کی آسانیاں تھیں ان کے لئے کاغذ اور قلم دوات بھی فراہم کئے جاتے تھے اور ان میں وہ بہت سی خصوصیات موجود ہوتی تھیں جو ڈاکٹر گاناہن نے اپنے اصول غصے میں آجکل کی لائبریریوں کے لئے ضروری قرار دی ہیں اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی کتب خانے دورِ حاضر کی لائبریریوں کے پیشرو تھے۔

لے ڈاکٹر گاناہن (رہنما پروفیسر آف لائبریری سائنس دہلی یونیورسٹی) نے اپنی کتاب *Five laws of Library Science* میں مندرجہ ذیل پانچ اصول پر لائبریری سائنس کی بنیاد رکھی ہے۔

1. Books are for use      ۱۔ کتابیں برائے استعمال ہیں
2. Every reader his book.      ۲۔ ہر پڑھنے والے کے لئے کتاب یعنی لائبریری میں ہر فرد کو اس کے مطلب کی کتاب ملنی چاہئے
3. Every book its reader      ۳۔ ہر کتاب کے لئے پڑھنے والا ایسی کتابیں لائبریری میں بند کر کے رکھی جائیں بلکہ ان کا استعمال ہوتا رہے۔
4. Save the time of the reader.      ۴۔ (پڑھنے والے کا وقت بچائے) یعنی لائبریری میں کتابوں کا ترتیب و تنظیم ایسی ہو کہ کتاب حاصل کرنے میں ریڈر کا وقت ضائع نہ ہو۔
5. Library is a growing organism      ۵۔ (لائبریری ایک نامیاتی (پڑھنے والا) ادارہ ہے) یعنی لائبریری جامع ادارہ نہ ہونا بلکہ اس میں بار بار اضافے ہوتے ہیں اور وہ ترقی کرتی رہتی ہے

## تعلیمی کتب خانے

تعلیمی نظام میں کتب خانوں کی ہمیشہ بنیادی حیثیت رہی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ قرون وسطیٰ کی اسلامی سلطنتوں میں ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ہوتا تھا۔ مسجد کے علاوہ مشائخ کی خانقاہوں، علماء کے گھروں اور امراء کی ڈیوڑھیوں میں بھی مدرسے اور کتابوں کے ذخیرے ہوتے تھے۔

اسلام میں تعلیم و تدریس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابکت ہاتھوں سے پڑی اسلامی یونیورسٹی کے پہلے معلم آپ ہی تھے۔ آپ نے مکی زندگی کے آلام و مصائب کے باوجود مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی توجہ فرمائی اور مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر مکہ سے مدینہ بھیجا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔ ہجرت کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو وہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اس کے بعد سلسلہ میں جنگ بدم کے موقع پر جو قیدی گرفتار ہو کر آئے ان کی رہائی کا ایک خط آپ نے یہ مقرر کیا کہ ہر قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ کاتب جی حضرت زید بن ثابتؓ انہی قیدیوں سے لکھنا سکھاتا غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور مختلف شہروں میں محصلین کی جماعتیں بھی جاتی تھیں اس کے بعد جو امیہ نے اپنی سلطنت میں درس کے بہت سے حلقے جا بجا قائم کئے پھر بغداد کی عباسی مصر کی فاطمی اور اندلس کی اموی سلطنتوں میں مدارس کی اتنی کثرت ہوئی کہ صرف ایک شہر قرطبہ میں آٹھ سو مدرسے تھے اب تعلیم کا چرچہ اتنا عام ہو گیا تھا کہ بغداد

میں امام حنبل کے استاد یزید بن ہارون کے درس حدیث میں ستر ستر ہزار شاہل  
شریک آتے تھے اور یحیٰ بن ابی حنیفہ کے اگلے حدیث میں حاضرین کی تعداد  
چالیس ہزار تھی جس میں خلیفہ ماموں خود بھی شریک تھا۔

اسی قسم کی بے نظیر مثالیں خواتین کے ہاں بھی نظر آتی ہیں حضرت  
عائشہ صدیقہؓ کا پایہ دینی علوم میں اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑے اکابرین حدیث  
دفعہ مدوحہ کی طرف رجوع کرتے تھے تقریباً ۲۷۱۰ احادیث آپ سے  
مردی ہیں حضرت رابعہ بصری کے علم و فضل اور زہد کا یہ عالم تھا کہ امام  
سفیان ثوریؒ جیسے اعلیٰ پایہ کے محدث ان سے فیض حاصل کرتے تھے سیدہ نقیہؓ  
حضرت امام سننؒ کے بیٹے یزید کی پتی کا علم تفسیر اور فقہ میں اتنا بڑا درجہ  
تھا کہ امام شافعی ان کی خدمت میں آکر حدیث سنتے تھے علامہ شعب بن ولید  
صحیح بخاری کو درس کریمہ بنت احمد سے لیا کرتے تھے۔

اسلامی مدارس کی تاریخ میں چوتھی اور پانچویں ہجری بہت اہم ہے  
چوتھی صدی ہجری میں جامعہ الزہرہ قائم بمقام قاہرہ عمل میں آیا پانچویں  
صدی ہجری میں نیش پور میں بڑے بڑے مدرسے تھے اسی زمانہ میں خواجہ نظام الملک  
خوسی نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم کیا اس علم و دولت و وزیر کا نام اسلامی  
مدارس کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا اس نے تعلیم کی مد پر بے دریغ و پیچیدہ  
کیا طلباء کے لئے دنیا و آخرت مقرر کئے اور یہ حکم جاری کیا کہ تمام اسلامی  
ممالک میں جہاں بس جگہ کوئی ممتاز عالم ہو اس کے لئے ایک مدرسہ اور ہر مدرسہ  
لئے علامہ بنی ہو۔ راکھ بستی میں سو ہی مدرسہ مفضل حال دکھایا وہ نئی فہرست بھی دی ہے۔



کے ساتھ ایک کتب خانہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ اس زمانے میں سیکڑوں مدرسے اور کتب خانے قائم ہو گئے۔ جن میں مدرسہ نظامیہ بغداد، مدرسہ نظامیہ بیلاؤ، مدرسہ نظامیہ اصفہان، مدرسہ نظامیہ موصل، مدرسہ نظامیہ بصرہ بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح محمود غزنوی، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور دوسرے حکمرانوں نے بھی اپنی اپنی قلمروں میں مدرسے قائم کئے۔ اور ان کے لئے بہت سی جاگیریں وقف کیں۔ غرض پچھٹی صدی ہجری تک غزنی سے لے کر قرطبہ تک مدرسے اور تعلیمی کتب خانے پھیل گئے تھے۔ مورتیخ ایچ جی دلیزے <sup>۱</sup> میں اس وقت بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں علم و حکمت کے مرکز تھیں اور تمام جہان میں نور پھیلا رہی تھیں۔“

---

# کتاب خانوں کا نظام

اسلامی کتب خانوں کا نظام دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے۔ آج سے ایک ہزار برس پہلے مسلمانوں نے اپنے کتب خانوں کے لئے جو نظام قائم کیا تھا موجودہ عہد کم و بیش اسی نظام پر گامزن ہے کتب خانوں کے نظم و نسق کے لئے مخصوص محکمے قائم تھے جن کے اخراجات کیواسطے باقاعدہ بجٹ بنایا جاتا تھا۔ اس کی تنظیم کے ہر شعبہ مثلاً کتابوں کی فراہمی کتابوں کی فہرست سازی کتابوں کا اجراء کتابوں کی ترتیب و نگہداشت کتابوں کی جلد بندی کتب خانہ کی عمارت کی حفاظت و آراستگی وغیرہ پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

جو تھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں خلیفہ  
**بجٹ کا ایک نمونہ** حکم ثانی (اندلس) کے کتب خانے کے لئے جو بجٹ  
 تیار کیا گیا تھا اس کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ کتب خانوں کے نظام اور  
 ان کی طرف توجہ کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

۴۸ دینار  
 ۹۰ دینار  
 ۱۵ دینار  
 ۱۲ دینار

۱۰۰ دینار  
 ۱۵ دینار  
 ۱۲ دینار

۱۰۰ دینار  
 ۱۵ دینار  
 ۱۲ دینار

کاغذ قلم اور سیاہی کے لئے ۱۲ دینار  
 پانی بھروانے کی اجرت کے لئے ۱۰ دینار  
 چٹائی (جدائی) وغیرہ کے لئے ۱۰ دینار  
 نمے کا فرش ایام سرما کے لئے ۵ دینار  
 دریاں ایام سرما کے لئے ۴ دینار  
 پردوں کی مرمت اور درست کیلئے ۱ دینار  
 کل ۲۰۷ دینار

**کتابوں کی فراہمی** | کتب خانے کے کاموں میں پہلا اہم کام کتابوں کی فراہمی ہے اور ہی پر ان کی توسیع و ترقی کا دار و مدار ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کاغذ کی صنعت اور چھپائی کے فن کو ترقی نہ ہوئی تھی طباعت و اشاعت اور رسل و رسائل کی آسانیاں میسر نہ تھیں کتابیں کیاب اور نایاب تھیں اور ان کے حصول کے لئے بڑی جھڑک کرنی پڑتی تھی ابن المقری نے ابن فضال کے ایک نسخہ کی خاطر ستر منزل یعنی ۴۰۰ میل کا سفر کیا تھا اور سفر بھی کیسا جو سفر کا نمونہ تھا لیکن اپنی شوق کی دھن میں ان لوگوں کو سفر کی صعوبتیں گراں نہ گذرتی تھیں اور ان مشکلات کے باوجود کتابیں جس ذریعہ سے بھی ممکن ہوتا حاصل کی جاتی تھیں۔ عام طور پر کتابوں کی فراہمی کے وسائل حسب ذیل تھے

۱۔ غلامان و عہدہ داران: یہ گذشتہ عہد کے اسلام کے حالات میں وہ تاریخی کتابیں جو مولوی عہدہ حبیب الرحمن خاشر وانی نے ندوۃ العلماء کے چوتھے ساؤتھ جسے ۱۹۱۱ء میں مقام میرٹھ میں پیش کی تھی

- ۱۔ بادشاہوں کے پائس ہدیوں اور تحفوں میں کتابیں آتی تھیں۔
- ۲۔ تاجروں سے کتابیں خریدی جاتی تھیں۔
- ۳۔ کتابیں سٹولے کر کتابوں سے نقل کرائی جاتی تھیں۔
- ۴۔ فتوحات کے موقع پر کتابیں بطور مال غنیمت دستیاب ہوتی تھیں۔
- ۵۔ سفیر و سیاح اپنے ملک کی کتابیں لاتے اور تبادلہ میں کتابیں لے جاتے تھے۔
- ۶۔ حاجیوں کے ذریعہ کتابیں سنگائی جاتی تھیں۔

کتابوں کی فراہمی کا سب سے بڑا ذریعہ حج تھا اسلام نے حج کے دوران میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی ہے اس لئے اس میں اسلامی اجتماع کے موقع پر کتابوں کی تجارت کی راہیں بہت زیادہ وسیع ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ زمانہ حج کے لئے تاجر اور دلال الکتب (کتابوں کے ایجنٹ) کتابوں کے ذخیرے مخصوص طور پر فراہم کر کے رکھتے اور شافعی کتب ان دنوں کا بیقراری کے ساتھ انتظار کرتے رہتے تھے خاص طور پر یہی وہ زمانہ ہوتا تھا جس میں کتابیں حریب مذاق و انتخاب آسانی سے میسر آ جاتی تھیں۔

بہر حال کتابوں کی فراہمی کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم تھا اور اس سلسلہ میں بے انتہار دبیہ صرف کیا جاتا تھا کتابوں کی تلاش و جستجو کے لئے بادشاہوں اور اُمراء کی طرف گماشتے مقرر کئے جاتے تھے جنہیں یہ حکم تھا کہ جس قیمت پر جہاں کوئی کتاب ملے فوراً خرید لی جائے یہ گماشتے مقرر نہیں تھے ناقابلِ حصول کتابوں کی نقلیں کراتے اور زیر تصنیف کتابوں کے بارے میں اطلاعات دیتے رہتے تھے اس زمانہ میں کتابوں کی کوئی قیمت مقرر نہ تھی

کتاب کی نوعیت اور خریدار کے شوق پر قیمت کا انحصار تھا کتابوں کے شیدائی تاجروں کو منہ مانگے دام دیتے اور تحفہ کے طور پر کتابیں دینے والوں کو انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے اس زمانہ میں کتابوں کی گرائی کا یہ حال تھا کہ خلیل ابن احمد کی کتاب العین کا ایک نسخہ بیابان میں کھاپڑی کی تاریخ کا نسخہ سو دینار میں فروخت ہوا اندلس کے خلیفہ حکم ثانی نے کتاب الاغانی کے مصنف ابوالعرج اصفہانی کو ایک ہزار دینار عطا کئے تھے اس خلیفہ کی طرف سے یہ عہد کر دیا گیا تھا کہ جو مصنف کو نئی کتاب تصنیف امیر المومنین کے حضور میں پیش کرے گا وہ پیش قرار انعام پائے گا۔

اسلامی ممالک میں کتابوں کا جو احترام کیا جاتا تھا اس کا ثبوت اس زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جنگ کی خوسریزیاں اور فتح و نصرت کی شادمانیاں بھی اس احترام پر غالب نہ آتی تھیں۔ مسلم فتوحات کتابوں کے حق میں رحمت ثابت ہوتی جب مال غنیمت میں کتابیں ملتیں تو انھیں بصد احترام کتب خانوں میں

۱۔ کتاب الفہرست ص ۴۲  
۲۔ بحوالہ اولگا پیٹو ص ۶۰۔ اعلیٰ خاتون مس اوگلا پیٹو نے  
۳۔ مقررہ ص ۱۰۸

اسلامی کتب خانوں پر ایک مضمون اعلیٰ زبان میں لکھا تھا۔ اس ترجمہ ڈاکٹر کریم کوٹہ انگریزی میں کیا۔ اس کے بعد قاضی احمد میاں جونا گڑھی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو اسلامی کتب خانے (عہد عباسیہ) کے نام سے دارالناظرین کمپنی سے ۱۳۲۷ء میں شائع ہوا۔ یہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ حوالہ میں جہاں کہیں اولگا پیٹو کا نام آیا ہے اس پر یہ کتاب گراؤ ہے۔ ۱۔ ایک دینار دس شلنگ کے برابر ہے۔

محفوظ کر دیا جاتا اور ترجیح کر کے ان کی قدر و قیمت بڑھائی جاتی تھی اس طرح ہر علم  
فن کی بہترین کتابیں اسلامی کتب خانوں میں پونج جاتی تھیں۔

**فہرست سازی** کتب خانوں میں کتابیں استعمال کرنے کی سہولت بہم  
پہنچانے کے لئے کتابوں کی فہرست (Cataloguing)

کی جاتی تھی تقریباً ہر کتب خانہ میں کنگاں (فہرست کتب) جلد جبر کی شکل میں لپکتے تھے۔  
مثلاً اندلس کے خلیفہ اعظم ثانی کے کتب خانہ کی فہرست ۴۴ جلدوں پر مشتمل تھی اور  
صاحب بن عباد کے کتب خانہ کی فہرست کی دس جلدیں تھیں کتب خانہ مدرسہ  
محمودیہ (مصر) کی فہرستوں میں ایک حرف تہجی کے اعتبار سے اور دوسری مضنون  
مرتب کی گئی تھی۔ فہرست مرتب کرنے کے لئے اعلیٰ تقسیم یافتہ آدمی مقرر کئے جاتے  
تھے بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرست سازی کا کام ماہرین علوم کے سپرد ہوتا  
تھا چنانچہ قاہرہ کے شاہی کتب خانہ کی ہیئت ادب نجوم کی کتابوں کی فہرست مرتب  
کرنے کے لئے مصر کے ایک مشہور ہیئت داں ابن البندی کو مود کیا گیا تھا اور  
کتب خانہ مدرسہ محمودیہ کی فہرست ابن حجر عسقلانی نے مرتب کی تھی جو ایک بلند  
مصنف تھے فہرست میں جامع اور شرح ذراجات کئے جاتے تھے اور اکثر ذرا  
فن دار مرتب کی جاتی تھیں مولف اسکاٹ اسلامی اندلس کے کتب خانوں کی ذکر  
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فہرست کتب میں صرف کتابوں ہی کے نام نہ ہوتے تھے  
بلکہ مصنف کا نام دلالت اور تاریخ ولادت و وفات بھی لکھی جاتی تھی اکثر  
ایسا بھی ہوتا تھا کہ اور پچپ باؤں کے ساتھ مصنف کی مختصر سوانح عمری  
بھی درج کر دی جاتی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ فہرست سازی ہنر پر کتب خانوں کی افادیت کا انحصار ہے کتاب کی ندرت اور اہمیت شرح فہرست ہی کے ذریعہ واضح کی جاسکتی ہے مگر قلمی کتابوں کی فہرست سازی مطبوعہ کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ وضاحت چاہتی ہے قلمی کتاب کی قدامت اور ضخامت مصنف کی شخصیت اور مضمون کی نوعیت کا تب کی فنی حیثیت تحریر کی قدامت اور سن و قلم کتاب کی نقاشی، مصوری اور جلد بندی کی خوبیاں اور کاغذ کی حالت بھی درج کر دینی چاہئیں تاکہ کتاب کا ہر رخ فہرست میں نمایاں ہو جائے فہرست کے اس افادی پلوتیک سلاخوں کی رسائی آج سے ایک ہزار سال پہلے ہو چکی تھی اور ان کی بنائی ہوئی فہرستوں کے بعض اندراجات تو بالکل وہی ہیں جو آجکل رائج ہیں مثلاً مصنف کی تاریخ ولادت و وفات لکھنا یا فہرست کو حروف تہجی اور فن دار مرتب کرنا غرض اسلامی کتب خانوں میں جس قسم کی ترتیب فہرست کا آغاز ہوا اسی کی ترقی یافتہ شکل آج کل ایچی کیٹلاگ اور عددی کیٹلاگ سے نامزد کی جاتی ہے۔ یہ دونوں اب دنیا کے ہر کتب خانہ کی مبان سمجھے جاتے ہیں۔

کتابوں کے اجراء و اشاعت کی بھی اہل محرک تعلیم محمدی کتابوں کا اجراء ہے علم کو عام کرنے والوں اور شاہان علوم کو سیراب کرنے والوں کو جن بکتوں اور سعادتوں کی بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں یہ اسلامی کتب خانوں میں روح کی طرح کام کر رہی ہیں اور ان ہی کا یہ اثر تھا کہ

بعد اذ قاہرہ قرطبہ اور دوسرے بڑے بڑے کتب خانوں میں شائقین علم کو  
 ہر کسی کو کتابخانہ کی اجازت تھی۔ اکثر ذاتی کتب خانوں کے مالک بھی اسے  
 فراموش تھے کہ انھوں نے اپنے کتب خانوں سے مستفید ہونے کی اجازت سے کبھی  
 تھی۔ کتب خانوں میں کتابیں مطالعہ کے لئے دی جاتی تھیں اور صرف یہ ہی نہیں  
 بلکہ انھیں اسو بھی کر دیا جاتا تھا بقول ادنیٰ پڑھو علماء اور طلباء کی بہت سے  
 لئے پبلک کتب خانوں سے دور دور از مقامات تک کتابیں بھیجی جاتی تھیں  
 اس کے سوا کبھی کبھی کوئی رقم ضمانت کے طور پر جمع کرانی جاتی تھی مگر شہرہ  
 معروف اہل قلم کو اس وعدے سے مستثنیٰ بھی کر دیا جاتا تھا چنانچہ باقوت  
 مصنف محمد اسلم ان کو مرد کے ایک کتب خانے سے دو سو کتابیں بلا ضمانت  
 معمار دی گئی تھیں۔ ایک اندکی مورخ ابن حیان (متوفی ۴۵۰ھ) کا بیان ہے کہ  
 جس کتاب کو مجھے ضرورت ہوتی تھی میں کسی کتب خانہ سے منگوایا کرتا تھا  
 اجرائی کے متعلق احمد شلبی نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے کہ جب کسی کتاب کے ایک  
 زیادہ طلبہ ہوتے تھے تو ان میں جو لایب ہوتا اسے ترجیح دی جاتی تھی۔

جزء کتب کے لئے قاضی اور قانون مقرر تھے جو لوگ ان کی خلاف ورزی  
 کرتے ان پر اخلاقی دباؤ بھی لگے جتے تھے ایسے عربی اشارے ہیں جن میں کتاب

*History of Muslim Education by Ahmad Shalaby*  
*Lecturer in History of Islamic Civilization*  
*University of Cairo (Darul Uloom Haqq Beirut*  
*Lebanon - 1964.)*



دائیں نہ کرنے والوں پر لعنت و طامت کی گئی ہے اور طنز کے باریک شروں نے ان کے  
دلوں کو زخمی کیا گیا ہے چنانچہ دسویں صدی ہجری کا ایک شاعر ابن الصلاح  
اپنے اشعار میں کہتا ہے۔

”ہر شخص میری کتاب لیکھو اپنی نہیں کرتا وہ شریف نہیں بلکہ ایک ذلیل اور غاباز آدمی ہے“

کتاب خانوں کی عمارت کی طرف بھی توجہ کی گئی اور قاہرہ شیراز  
**عمارت** | و قرطبہ کے کتاب خانوں کے لئے علیحدہ عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔

جو نہایت وسیع اور شاندار تھیں۔ قاہرہ میں خلیفہ العزیز کا کتاب خانہ  
چائینا کمروں پر مشتمل تھا۔ شیراز میں عہد الدولہ کے کتاب خانہ کی عمارت  
بقول ملازمہ بشاری بہشت کے نمونے کے موافق بنائی گئی تھی اور اندلس کے  
خلیفہ حکم کے کتاب خانہ کی عمارت شان و شوکت میں کسی طرح قصر شاہی  
کا نہ تھی۔ کتاب خانوں کے کمروں کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی۔ کتابیں رکھنے کی  
کمرے جنہیں آجکل اسٹیک روم (Stack Room) کہتے ہیں۔ دارالکتب  
جہاں کتاب کتابوں کی نقلیں کیا کرتے تھے۔ دارالمطالعہ جہاں شائقین  
فہرست پر مشرقی طرز سے چار زاو بیٹھ کر لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے  
بعض کمرے مجاس علیہ کے لئے مخصوص تھے۔ گیلریاں کتابیں رکھنے کے کام  
آتی تھیں۔ ان میں الماریوں کے اندر کتابیں تلے اوپر رکھی جاتی تھیں ان  
کی ترتیب فن و در ہوتی تھی۔ ہر الماری پر فن کا پرچہ چسپاں رہتا تھا جس  
پر مسمون کا نام اور مکمل و ناقص کتابوں کا حال بھی درج ہوتا تھا۔ کتاب خانے  
کے کمرے قارئین اور درویوں سے آراستہ ہوتے تھے۔ دروازوں اور

کھڑکیوں پر چھپیں اور پڑے پڑے رہتے تھے۔

**تجارت کتب** | جب کتابی ذوق عام ہوا اور کتابوں کی مانگ بڑھنے لگی تو تجارت کتب کی طرف بھی لوگوں کا میلان ہوا۔ بڑے بڑے شہروں میں کتابوں کے تجارتی مراکز قائم ہوئے اور کتابوں کی دلالی کا پیشہ رائج ہو گیا۔ اسلامی تمدن میں یہ پیشہ محترم سمجھا جاتا تھا اور کتب فروشوں کی فہرست میں ابو حاتم سجستانی اور یا قوت حموی جیسے اہل علم کے نام بھی شامل ہیں۔ کتابیں تجارتی مراکز میں نیلام کے ذریعہ فروخت کی جاتی تھیں اور کتب فروشوں اور دلالوں کے پاس زرضمانت رکھ کر بھی انھیں حاصل کیا جاسکتا تھا کتب خانوں کی ترقی کے ساتھ کتابوں کی تباہی بڑھتی رہی چنانچہ تیسری صدی ہجری میں بغداد کے اندر کتب فروشوں کی سو دو گانیں تھیں اور چوتھی صدی ہجری میں قرطبہ میں بیس ہزار سے زیادہ تاجر کتابیں لکھتے تھے۔

**کتاب خانوں کی توسیع میں کاغذ سازی کی ترقی نے بڑی مدد دی۔**  
**کاغذ سازی** | اسلام کے اوّلین دور میں کتان چڑے پر لکھتے تھے انھنے تھم نے کسری کے نام خط چڑے پر لکھ کر ارسال کیا تھا۔ مدینہ منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں

۱۔ دکان نمبر ۵۵۲ (خبر اولیٰ جلد سوم ص ۶۹۰) - ۲۔ ایس۔ پ۔ سکاٹ (ص ۱۵۵)۔  
 ۳۔ کپٹن آف دی سوتس ایمپائر ان یورپ - *History of the Moorish Empire in Europe* کا اردو ترجمہ منشی غلیل الرحمن -

قرآن شریف کا ایک نسخہ شتر مرغ کی کھال پر اور تفسیر ابن عباس کے اوراق ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے ہیں ان کھالوں کو اتنا پتلا اور چمکنا کیا گیا ہے کہ کاغذ معلوم ہوتا ہے۔

کاغذ چین میں سائی لون لہ (Ts'ang Lun) نے ۶۱۰۵ء میں ایجاد کیا تھا مگر کاغذ کی قسمت مسلمانوں کے ہاتھ میں آکر جاگی انھوں نے اس صنعت کو ترقی دی اس پر کتابیں لکھیں کاغذ کے کارخانے قائم کئے روئی سے کاغذ بنایا اور کاغذ کی صنعت کو یورپ وغیرہ میں پھیلایا۔ اسلامی دنیا میں کاغذ کی صنعت کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں سمرقند میں رکھی گئی تھی جہاں سے یہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ ہارون رشید کے عہد میں کاغذ سازی کا کارخانہ بغداد میں قائم ہوا تھا جس نے صناعت الورقہ کہتے تھے مغرب میں قرطبہ اور شاطبہ کاغذ کی صنعت کے بہت بڑے مراکز تھے اور وہیں سے تمام یورپ میں کاغذ جاتا تھا۔

Encyclopedia Americana 1954

Edition V. 21 P. 258

Edwin Sutermeister, Story of Papermaking.

۱۔ ایک عربی نیز زیادہ صحیح نے ترکہ اور ان کے حلیف چینوں کی متفقہ افواج کو ہزار کھانے بھائی ۵۰۰ میں شکست دی تھی۔ اس ٹرائیں بہت سے چینی قیدی آئے جن میں کچھ کاغذ بنانا جانتے تھے۔ ان کی مدد سے عربوں نے سمرقند میں کاغذ کی صنعت کی بنیاد رکھی تھی۔ اس زمانہ میں اسلامی ملکوں سے جو کاغذ یورپ جانا تھا وہی شالی اسکوریاں کے کتب خانہ میں ایک کتاب دہی کے کاغذ پر گیارھویں صدی عیسوی کی بھی ہوئی ہے۔

## کتاب خانوں کا عملہ

کتاب خانوں کے عمل میں سب سے اہم عہدہ مہتمم کا تھا اسے نظم یا خازن بھی کہتے تھے موجودہ زمانہ میں لائبریرین کے جو فرائض میں تقریباً وہی کام اُس زمانہ میں مہتمم کے ذمہ تھے۔ کتاب خانے کے تمام عملے کی نگرانی کتابوں کی فراہمی کتابوں کی ترتیب و منجملہ اشتادہ ان کی فہرست مرتب کرنا غرض جملہ امور کا انتظام، مہتمم کے سپرد تھا علمی کاموں میں لوگوں کی رہنمائی کرنا بھی اسی کے فرائض میں شامل تھا۔ ان سارے کاموں کی تکمیل کے لئے مہتمم کے ایک یا اس سے زیادہ مددگار ہوتے تھے جن کی تعداد کتاب خانوں کی وسعت پر منحصر تھی چونکہ مہتمم کا عہدہ بنیاد پر تھا اس لئے اُس عہدہ پر ان ہی اشخاص کو مقرر کیا جاتا تھا جو علمی و انتظامی قابلیت رکھنے کے ساتھ صحیح کتابی ذوق بھی رکھتے تھے اکثر کتاب خانوں کے مہتمم بڑے صاحبِ علم و فضل تھے مثلاً بزرگے کتاب خانہ مستصریہ کا ناظم مورخ ابن الساعی، فاطمی خلیفہ العزیز کے کتاب خانہ کا مہتمم مشہور مصنف علی بن محمد الشاشی، قاہرہ میں مدرسہ محمودیہ کے کتاب خانہ کا مہتمم ابن حجر عسقلانی بخارا میں نیرج بن منصور کے کتاب خانہ کا مہتمم یحییٰ بن علی سینا، وزیر ابو الفضل بن عبد کے کتاب خانہ کا مہتمم مورخ ابن مسکویہ اور اندلس کے خلیفہ حکم ثانی کے کتاب خانہ کا مہتمم اس کا بھائی عبد العزیز تھا۔

**کاتب** | ہر کتاب خانہ میں کاتب کا ہونا بھی لازمی تھا، بغداد، قاہرہ،

شیراز اور قطبہ کے کتب خانوں میں بے شمار کاتب کام کرتے تھے صرف طرابلس کے کتب خانہ میں ایک سو اسی کاتب تھے جن میں سے تیس رات و دن لکھنے میں مشغول رہتے تھے کتابوں کی نقل کے سلسلہ میں صحت کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا چنانچہ کاتبوں کے تیار کئے ہوئے نسخوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مقابلہ نویس اور مصحح مقرر تھے جو نقل کردہ کتابوں کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطے کی پوری تصحیح کرتے تھے۔

فن کتابت کی ترویج و ترقی کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے سلاطین امراء کی سرپرستی اور قدردانی کی بدولت اسلامی دنیا میں بے شمار کاتب خطاط پیدا ہو گئے تھے انہیں نسخہ اوروراق بھی کہتے تھے سین لفظ و راق کو کتب فروشوں کا غنیمت اور بیچنے والوں اور کتابوں کی ورق گردانی کرنے والوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ بغداد میں کتب فروشوں کے بازار کو سوقی لوراقین اور کاغذ کے کارخانہ کا نام صناعتہ الوراقہ تھا۔

اس زمانہ میں دراقیت اور نسخیت کا نظام ایسا پھیلا ہوا تھا کہ کتب خانوں کے علاوہ اکثر شائقین علم کے پاس بھی کاتب رہتے تھے کتابت اور خطاطی کا کام کچھ لو اپنے ذاتی ذوق کی بناء پر اعزازی طبع کرتے بعض مذہبی کتابوں کی کتابت کا رخیر سمجھ کر کرتے تھے اور بہت لمگے سے روزی کمانے کا ذریعہ بھی بنالیا تھا ابو سعید سیرانی (متوفی ۳۶۸ھ) کی نسبت لکھا ہے کہ وہ میں صفحات کی اجرت میں ہم یعنی چار روپے لیتے تھے یہ حوالی بغداد میں قاضی تھے کتابت پیشہ پر زندگی

بسر کیا کرتے اور قضاۃ کی خدمات اعزازی طور پر انجام دیتے تھے۔

خوشنویسی اکاتبوں کے ذکر کے ساتھ خوشنویسی پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے یہ فن مسلمانوں کے کتابی اور جالیاتی ذوق کی وجہ سے خوبھی پھولا اور مسلم تہذیب کا جزو بن گیا۔ کتابوں کے علاوہ شاہی ہروں، فرامین، مسجدوں، مقبروں اور دوسری عمارتوں پر کتابت کے لئے خوشنویسی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ تمام اسلامی ممالک میں یہ فن رائج ہو گیا مورخ اسکاٹ کا بیان کہ خوشنویسی نے مسلمانوں میں اس قدر عام ہوئی کہ ہر شخص خط کی خوبی و مسافت پر اہل اور اہل سجد کی تھی کہ آج کل کے نہایت لائق کسوزیر بھی وہ لطافت پیدا نہیں کر سکتے۔ خوشنویسی کو تمام اسلامی ملک میں ایسا ہی عروج حاصل ہوا جو اس دعوام میں کر سکتی تھی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیا۔

خط کی قسمیں | خلد اسلام کے وقت عرب میں خط کو فی رائج تھا۔ بن مقلہ بن مقلہ نے ۲۲۸ھ / ۸۴۹ء نے چھ عربی خط زحمت، نسخ، محقق، ریحان، رقاع، و قیغ ایجاد کئے پھر خط تعلیق ایجاد ہوا جو بیحد زیب تحریر کیا جاتا تھا اس کے بعد خواجہ غوثی تبریزی نے نسخ اور تعلیق کو مزید مستقیم بنایا اور کیا جو اپنی خوبصورتی اور نفائست میں تمام خطوں پر سبقت لے گیا مگر اس کے نگہ میں کوئی وقت لگتا تھا اور خط محنت کرنی پڑتی تھی چنانچہ روزمرہ کے کاموں کے لئے خط شفیعا ایجاد ہوا۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں خط شکست رائج ہوا تھا۔ یہ دونوں خط

۱۔ خواجہ میر علی تبریزی میر تیمور زستانی، ۱۰۰۰ھ / ۱۶۰۰ء کا ہم عصر تھا۔

۲۔ تذکرہ خوشنویسان، مولانا غلام محمد ہفت کلم، ص ۲۲ (مطبوعہ مجلس شمس واقعہ کلکتہ ۱۹۱۰ء)

دائراً عدالتوں اور ذاتی خط و کتابت کے لئے استعمال کئے جانے لگے۔ فن خوشنویسی میں اکثر کاموں کا جذب و شوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ قلم سے بھی بے نیاز ہو گئے تھے اور ناخن سے قلم کا کام لینے لگے تھے اس طرح ایک خط ایجاد ہوا جو خط ناخن کہلاتا تھا۔ نقاشی و مصوری | مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق نے کتابت کے فن پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان سرحدوں سے گذر کر کتابت میں حسن و زیبائش پیدا کرنے کے طریقے بھی اختیار کئے جانے لگے بقول مولانا عبد الحکیم شراب کتابت خط کی حد سے نکل کر نقاشی کی قلمرو میں داخل ہو گئی اور اس میں مصورانہ کیفیتیں شامل ہو گئیں اس طرح ایک دبستان ظہور میں آیا جس میں خوشنویسی، نقاشی اور مصوری نے ساتھ ساتھ ترنی کے مدارج طے کئے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلام نے تصویریں بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لَا تُصَوِّرُونَ وَلَا تَخْلُقُونَ یعنی وہ تصویریں بناتے ہیں اگرچہ چھاتی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کر رہا ہے اسی لئے ایک غرضہ تک مسلمان کتابوں میں تصویریں بنانے کی طرف راغب نہ ہوئے اسلام کے ابتدائی دور میں خطاطی اور کتابت مصوری کا کام لیا جاتا تھا حسن اتفاق سے عربی حروف کی ساخت مصورانہ صنعتیں ظاہر کرنے کے لئے نہایت موزوں ثابت ہوئی چنانچہ ان حروف کو سجا کر لکھنے کے وہ اسلوب اختیار کئے گئے جن سے کتابوں اور عمارتوں وغیرہ کی تزئین میں چار چاند لگ گئے خوشنما پھول بوٹوں کے درمیان اللہ محمد اور قرآنی آیات وغیرہ کو مختلف رنگوں میں اس طرح آراستہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق کا دنیا بھر

سکھائیے گھیا عربی حروف کی خوبصورتی اور دلکشی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے عیسائی مھنائو کو بھی اتنا مسحور کر لیا کہ وہ اپنی مذہبی چیزوں اور عمارتوں کی تزئین کے لئے انھیں استعمال کرنے لگے اور بقول مولف اسکاٹ آیات قرآنی کھسکاو میں داخل ہوئیں۔ اے۔ ایچ کریسٹی نے نویں صدی کی ایک آرمینی صلیب کی نسبت لکھا ہے کہ اس پر خط کوئی میں بسم اللہ تحریر تھا

اسلامی دنیہ میں کتابی تصویر کشی کا فن ساتویں صدی ہجری (تیسری صدی عیسوی) سے شروع ہوتا ہے اس کا قدیم ترین نمونہ عربی ادب کی کتاب مقامات حریری کا وہ مصور نسخہ ہے جو پیرس کے بلیو تعلک نیشنل میں محفوظ ہے یہ ۱۲۵۴ء میں سی بی بن محمود واسطی نے تیار کیا تھا اور شیفر حریری کے نام سے مشہور ہے اس وقت تک سو گھوٹوں صدی عیسوی تک یہ فن اسلامی ممالک میں عروج پاتا رہا تیمور اور اس کی اولاد کے عہد میں اس نے نمایاں ترقی کی اور ہرات بخارا سمرقند وغیرہ اس فن کے خاص مراکز بن گئے۔ ایران کے صفوی خاندان اور ہندوستان کے مغل خاندان کے بادشاہ مسعودی کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے ان کے عہد میں ایرانی منسوری اور مغل منسوری کے مخصوص استا کھلے اور بے شمار مصور پیدا ہوئے جن کی تیار کی ہوئی کتابوں سے کتب خانوں کی زینت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس موقع پر کمال الدین بہزاد کا نام لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تیموری خاندان کے آخری مقتدر بادشاہ سلطان حسین مرزا

ملفوظات پاکستان رتبرہ محمد آرام ص ۱۶۷، ۱۶۸ و مسجومات پاکستان کراچی

Bibliothèque Nationale

Sheffers Hariri



متوفی ۶۱۵۰ھ) کے دربار کا یہ گل سرسید مختصر تصاویر کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔  
 حبیبہ عباسی کو ایک متعلّ صنف کا رتبہ اسی مصوّر نے دیا تھا بہزاد کے فنی کمال  
 کے بہترین نمونوں میں سعودی کی بوستان اور خمسہ نظامی خاص طہر قابل ذکر ہیں یہ  
 دونوں علی الترتیب مصکے شاہی کتب خانہ اور برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہیں۔  
 یہ باب تشنہ رہے گا اگر ابن بواب (متوفی ۱۱۳۰ھ / ۱۰۳۳ء یا ۱۱۳۴ھ)  
 اور یا قوت مستقصی (متوفی ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء) کے نام نہ لئے جائیں جو عربی  
 خوشنویسی کے اساتذہ کہے جاتے ہیں خط نستعلیق کے استادوں میں شاد  
 عباس صفوی بہ درباری خطاط میر علاء الدین اور اس کا شاگرد و بھائی  
 آق عبد الرشید دہلی نہایت ممتاز ہوئے سیاحی تبریزی کے طرز پر لکھنے  
 والوں میں محمد بن اسحاق شہابی نے خاص نام پیدا کیا اس کے قلم کی نفوٹ (نستعلیق)  
 (مولانا جامی) ایران میں اور دیوان شاہزادہ کامران ہندوستان (غالب)  
 لائبریری بانکی پور) میں موجود ہیں۔

فن خوشنویسی کی مسلم ذہاں لوگوں نے بڑی سرپرستی اور قدر دانی  
 کی اکثر بادشاہ خود اچھے خوشنویس تھے اس فن کے ماہرین میں مشائخ اور

---

سیر علاء ۱۰۳۴ھ / ۱۶۱۵ء میں منتقل کیا گیا اس کی لکھی ہوئی جامی کی تحفۃ الاحرار

استنبول میں ہے اس کی تین : صلیاں کتب خانہ ملی گروہ مسلم یونیورسٹی میں ہیں  
 دلاحظہ ہو فہرست نائش نگاہ مخطوطات و زائد کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مرتبہ

فتوالدین احمد - ۱۹۵۳ء

وہیہ سرکاری ایکسپوزیشن رول

VELLUM ROLL

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين

مركز البحوث والبحوث

محمد بن عبد الله بن محمد

الحسن بن محمد

10

سنگ جوہری

4784.55

اور علماء و امراء کے نام بھی ملتے ہیں۔ محدث ابن جوزی اور جوہری مصنف صحاح  
خطاطی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے وزیر ابو جعفر ابن عباس (اندلسی) بڑے پایہ کا خوشنویس  
تھا۔ اشبیلہ (اندلس) کی ایک خاتون صفینہ خطاطی میں کئی ہمسرہ رکھتی تھی۔  
مسلمانوں کا سب سے بڑا ماہر طبعیات ابن البشیم فاس کا مشہور ادیب ابن عبد  
بمکہ بلدان کا مصنف یا قوت نہایت با کمال کا تب تھے چھٹی صدی ہجری میں  
الجونی، ایراب نے ظہیر کا تب گذرا ہے کہ اسے فخر الکتاب کا لقب حاصل تھا ہندو  
کے مسلم عہد میں جو با کمال خطاط ہوئے ہیں ان کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا  
اس فن کو ہند کے مثل بادشاہوں کو جو ذاتی لکھاؤ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا  
کہ شاہجہاں کو ملک خطاطی کا پیغمبر کہا جاتا ہے۔

**روشنائی** | ظاہر ہے کہ خوشنویسی اور اس کا حسن بہت کچھ روشنائی پر  
موقوف ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے مختلف قسم کی روشنائی بنائی جاتی تھی اور اسے  
کیمیاء کی ترکیب سے نہایت چمکدار اور پائدار کر دیا جاتا تھا مسلمانوں نے روشنائی  
کے حوالہ میں بھی بڑا تنوع دکھایا وہ مختلف چیزوں سے روشنائی کا کام لیا کرتے  
تھے کتب خانہ سلم بن خورشید غنی گروہ میں ابو نصر اسماعیل بن حماد ابوہری کی  
مشہور بحث کا نسخہ ۸۴۶ھ کا لکھا ہوا ہے اس کی کتابت شیر خرم کی روشنائی  
سے کی گئی ہے۔

نہ جارج سارٹن (George Sarton) نے اپنی کتاب تاریخ سائنس و جلاوطن  
(Introduction to the history of science) میں لکھا ہے  
کہ مسلمانوں میں ابن البشیم سب سے بڑا ماہر طبعیات تھا۔

کتابخانوں کے غلے میں مستم اور کتابوں کے علاوہ  
**حاشیہ نگار اور جلد ساز** | حاشیہ نگار جلد ساد اور دیگر ملازمین بھی ہوا  
 کرتے تھے حاشیہ نگار کتابوں کے سرورق اور ان کے اندرونی صفحات کے  
 حاشیے طرح طرح کے گل بوٹوں سے سجاتے، ان پر سونے کا کام کرتے اور رنگیلے  
 رنگ کی مینا کاری سے مزین کر کے انھیں نہایت دیدہ زیب بنا دیتے  
 جلد ساز صرف پرانی اور نئی کتابوں کی مرمت اور جلد بندی پر کتفا  
 نہ کرتے بلکہ انہی تزیین بھی کرتے تھے اس مد پر بھی بے دین روپیہ صرف  
 کیا جاتا تھا مذہبی اور ناد کتابوں کی ایک ایک جلد پر ہزاروں روپیہ تک صرف  
 ہو جاتے تھے کتابوں کی آرائش میں موتی، ہاتھی دانت، سیپ، سونے چاندی  
 کے اوراق اور مختلف قسم کے جواہرات کو کام میں لایا جاتا تھا۔

غرض کتابی فنون کی اسلامی ممالک میں ایسی حیرت انگیز ترقی ہوئی کہ  
 جب کبھی اس عہد کی کوئی کتاب نئے سے گذرتی ہے تو اس کی آب و تاب دیکھ کر  
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت نقاشی اور جلد بندی آج ہی کی گئی ہے۔  
 بقول شاعر۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے !  
 کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی !

# ایک کتب خانہ کی قلمی تصویر

مسلمانوں نے اپنے کتب خانہ کی عمارت، کتابوں کی نقاشی، نقش نویسی اور جلد بندی کا جو اہتمام کیا تھا اس کا اندازہ لگانے کے لئے مولف اسکاٹ کا بیان ملاحظہ ہو۔

”اندلس کے خلیفہ حکم ثانی کے کتب خانہ کی عمارت شان و شوکت میں قصر شاہی سے کم نہ تھی اس کا سندس نہایت قیمتی سنگ مرمر کا تھا۔ دیواریں اور مچھتیں بہترین سنگ خام کی جن پر سنگ سبز اور سفید کی بچی کوری تھی۔ دیواریں نہایت قیمتی صاف شفاف مگر عین کی تھیں۔ ان میں کچھ مکتوبوں کو اس لئے انتخاب کیا گیا تھا کہ وہ شکل و صورت میں اور معنیوں میں سے کہ ان سے نہایت لطیف خوشبو نکلتی تھی۔ ہر ایک دیواریں روموں کے پتروں سے لکھا ہوا تھا کہ اس دیواری میں کس مصنف کی کتابیں ہیں جگہ جگہ دیواروں پر مختلف لوگوں کے اقوال شہرے حروف میں لکھے ہوئے تھے تاکہ سن کو دیکھ کر لوگوں میں علم کا شوق اور بڑے بڑے علماء اور شعرا کے قدم بقدم چلنے کا خیال پیدا ہو۔ دارالکتاب میں ایک فوج کی فوج کتابوں اور جلد بندوں کی مقرر تھی۔ بہترین کتابوں پر سونا چڑھایا جاتا تھا اور ان کی نقش و نگار مزین کیا جاتا تھا۔ اس صنعت میں وہ لوگ ایسی کامی گری کھاتے تھے کہ ایک انبی نقل نہ چھوٹی اور نہ بڑے کی“

# کتب خانوں کی بربادی !

لیکن یہ لاثانی کتب خانے زمانہ کی دست برد سے نہ بچ سکے اور رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو گئے، لیکن آج بھی ان کی شان یہ ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر دنیا کے کتب خانوں کی تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی، دہلی اسلامی کتب خانوں کی ترقی اودان کا تنزل مسلمانوں کے عروج و زوال کے ساتھ وابستہ ہے، جن کی بربادی کے خاص اسباب سلطنتوں کا انقلاب، خانہ جنگیاں اور فاقم کی علم دشمنی و تعصب تھے۔

کہا جاتا ہے کہ کتابوں کے چار دشمن ہیں۔ آگ۔ پانی، کیڑے اور انسان۔ ان میں سب سے بڑا دشمن انسان ہے اس نے اسلامی کتب خانوں کے قیمتی ذخیرے جس بے دردی کے ساتھ آگ اور پانی کی نذر کر دیے اس کی المناک داستان آئندہ صفحات میں پیش کی گئی ہے، بہر حال بہت سے اسلامی کتب خانے برباد ہو گئے اور ان کے نوادر اِدھر اُدھر بکھر گئے، مگر ان کے علمی احسانات کی مہر باز گشتِ آج تک آرہی ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ مشرق اور مغرب نے بغداد اور قرطب کے کتب خانوں اور درس گاہوں سے جو خوشہ چینی کی تھی اسی بدولت موجودہ دہلی و تہذیبی ترقیوں کی بنیاد پڑی ہے۔



نقاشی اور جلد سازی کا ایک نمونہ سرورق قرآن مجید مٹلاؤ مذہب



حصہ اول

مالک اسلامیہ

کے

کتب خانے

## مدینہ منورہ

مسلمانوں نے بغداد، مصر، اندلس، ایران اور ہندوستان وغیرہ میں جو مدرسے اور کتب خانے قائم کئے وہ اصلاً مدینہ ہی کے نور علم کی تجلیاں تھیں اس شہر کی آغوش میں نہ صرف اسلامی علوم نے پرورش پائی بلکہ یہاں کی سرزمین سے تعلیمی اور تمدنی تحریک اٹھی جس نے دنیا کے علم و تمدن میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ مدینہ میں مسجد نبوی صرف عبادت خانہ نہ تھی بلکہ ایک یونیورسٹی کا کام بھی انجام دیتی تھی۔ دنیا میں یہ پہلی عوامی درس گاہ ہے جس کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ یہاں عبادت کے ساتھ تعلیم و تدریس کا ہونا مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ بن گیا وہ جہاں گئے انھوں نے مساجد کے جلو میں نہ اس قائم کئے عبادت اور علم کے اس استزاج نے مسلم تہذیب کو نہایت جامع، مفید اور دلآویز بنا دیا۔

مدینہ کے معدن علم سے بڑے بڑے قاضی، مفتی، قاری، فقیہ اور محدث نکلے۔ اگر ان سب کے نام گنائے جائیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے عہد نبوت میں ہی یہ شہر علم کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس زمانہ کے تیس ہزار صحابہ میں سے سوا اڑھائی مسجد نبوی کے صفحہ (چہرہ) پر شب و روز علم میں مصروف رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی علم کا مرکز رہا یہاں جو حلقہ نما

۱۔ حیات مالک از یسلیان ندوی ص ۴۴ (مجموع معارف عالم کتب ۲۰۱۳ء)



شرح بخاری لابن بطلال سمیعہ شرح موطا لابن عبد البر البیاض  
 لاحکام العقائد للموزعی المصنعی۔ مراد المصنف فی علم التفسیر لابن جوزی  
 تفسیر ابن ابی حاتم نزہۃ الحکم شرح صحیح مسلم وغیرہ کتابیں دیکھیں  
 مسلم سلطین و مراۃ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی جو خدمتیں کیں اور  
 جس طرح ان کا خادم کہلانا اپنے لئے باعث فخر سمجھا اسی کی یادگار کتب خانہ مدسہ  
 محمودیہ ہے جسے ترکی سلطان محمود نے قائم کیا تھا۔ آج سے سو برس پہلے ایک  
 ترکی عالم شیخ الاسلام عارف حکمت نے بھی مدینہ میں ایک کتب خانہ کھولا  
 تھا جو اب تک موجود ہے اس کے ذخائر میں ایک ہزار اکسٹ سال پرانی  
 سن تفسیر ابن عباس کے چند اوراق ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے ہیں بن کاسدہ کہتے  
 ہیں ۲۱۹ھ میں علاوہ ابوظہل عسکری کی کتاب الاداۃ المکتوبہ ۳۹۵ھ اور ابن ابی  
 عون اسحاق بغدادی کی کتاب تشبیہات (۲۳۱ھ) کے کتب خانہ مدسہ کے کتبوں میں شمار کیے گئے۔

۱۔ مسکن کا مروجہ زوال سلفہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے صنف ۳۰ پر ترکی سلطانی سیم کی  
 لکھا کہ ایک تہجد کی ناز کا خطہ پڑھتے ہوئے حوطہ بے سیم کہلے ملک حرمین شریفین کے افغان کہہ دو  
 سیم فوراً اپنی جگہ سر اٹھا اور خطیب کا قافیہ جاری حیثیت ہیں کہ میں حرمین شریفین کا مالک ہوں۔  
 میرے یہ بھی فخر کچھ کم نہیں کہ میں حادم الحرمین شریفین ہوں۔ ۱۰ کتاب الاداۃ کے  
 متعدد نسخے ہندوستان میں بھی ملتے ہیں۔ مگر کتب خانہ میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے اس کی جلد  
 نفیس کی طرح اور رامپور میں بھی ہیں اس میں اس کتاب کی ترتیب و تنظیم کی طرف کئی تبدیلیاں  
 تو جنہیں کہ ۱۰ کتاب کی تصحیح و اشاعت کی سہارا ہندوستان کے ایک فرزند ڈاکٹر  
 عبد الباقی خاں اڈیشا اسلامک کالج کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے اسے متعدد نسخوں کی مدد سے مرتب کر کے  
 جامعہ کیمبرج میں ڈاکٹر ٹیٹ کیلے پیش کیا۔ یہ کتاب جب رامپور میں سیر شد تو کئی طرف سے شکر چھڑا۔

## بغداد

دنیا اسلام میں بغداد وہ اولین مرکز ہے جہاں پہلا عظیم الشان کتب خانہ بیت الحکمت خلیفہ ہارون الرشید (متوفی ۱۹۳ھ/۷۸۰ء) قائم کیا تھا جس کا مقصد ہلاکو کے حملہ بغداد تیرھویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ کتب خانوں کی تاریخ میں بیت الحکمت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ کتابچہ تھا بلکہ پہلا پبلک کتب خانہ تھا جو اعلیٰ ایمان پر قائم کیا گیا تھا اس نے نظیر کتب خانہ میں بی فادہ سرایتی، قطعی اور سنسکرت زبانوں کی دس لاکھ کتابیں تھیں۔

ہارون رشید اپنے دادا ابو جعفر منصور کی طرح عالم اور علم و فضل کا مہر لیا تھا اس نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کیلئے بغداد میں بیت الحکمت کی بنیاد ڈالی تھی اس کا ایک حصہ میں لائبریری اور دوسرے میں حجرہ کا شعبہ تھا۔ ہارون نے بلا لحاظ مذہب ملت بڑے بڑے ماہر فاضلوں کو تہجد کے کام پر مقرر کیا تھا ایسی ہی بے نقص اس نے کتب خانہ کے لئے کتابوں کی فراہمی میں بھی دینی کتابوں کے علاوہ کسی ملک اور کسی علم کی کوئی قید روانہ نہ تھی۔ کتابیں جمع کرنے کے لئے اس نے مختلف ممالک میں اپنے قاصد بھیجے ہندوستان سے بھی طب اور ہیت کی کتابیں منگوئیں جو جی زیدان لکھا ہے کہ جو ملک فتح ہوتا تھا وہاں کا کتب خانہ جلایا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ پایہ تخت میں منگوا لیا جاتا تھا اور ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا جاتا تھا

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد دوم ص ۱۰۵ اعلیٰ علوم عرب مصنفہ جرجی زیدان ص ۲۳۶  
۲۔ سب سے پہلے منصور قدیم کتابوں کے ترجمہ کی طرف توجہ کی بقرطاج لینوس اور بلیوس کی کتابیں  
عربی میں منتقل کرائیں اس کے بعد سنسکرت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا منصور نے ۱۲۵ھ/۷۴۲ء میں بغداد کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں تقریباً دو کروڑ دینار صرف کئے گئے بیت الحکمت کے  
(باقی اگلے صفحہ پر)

چنانچہ داروم کے انقرہ اور عموریہ کی فتح کے موقع پر جب کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ما  
غینمت میں ہارون کو دستیاب ہوا تو اس نے کتابوں کو حفاظت کے ساتھ بغداد بھیج دیا  
اور اپنے عیسائی معالج یوحنا کو ان کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔

جس طرح محنت اور توجہ سے ہارون رشید نے کتابیں جمع کی تھیں اسی طرح  
اس نے بقول مصنف الہارون جگہ جگہ رصد خانے، لابریریاں، مدارس علمیہ  
اور سائنٹیفک تحقیقات کے لئے تجربہ گاہیں قائم کیں جن میں دن رات مہندس  
اور سائنسدان کیمیا وغیرہ کے لئے تجربات اور جدید تحقیقات میں ہمت  
مصرف رہتے تھے اور عہد ہارون کا بغداد علم و فضل کا ایسا بیج بن گیا تھا کہ ہر طرف  
سے علم کے پیالے اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے کشاں کشاں بغداد کی طرف کھینچے چلے  
آتے تھے، اس نے علوم دنیوی اور علوم دینی دونوں قسم کے علوم کی ایک زبردست  
یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی تھی یہاں بڑے بڑے محدثین، قرآن فقہاء، لغت، علم العرب  
اور صرف و نحو کے امام موجود تھے جنہوں نے بڑی بڑی مسجدوں میں درس کے سلسلے  
قائم کر رکھے تھے ان مدارس میں ہزاروں لوگ علم حاصل کرتے تھے جب تک کوئی شخص بغداد  
آکر علم حاصل نہ کرتا تھا اور یہاں کے علماء کے سامنے زلفیہ تلمذ نہ کرتا تھا اس وقت  
تک کہ نہ شہرت نصیب ہوتی تھی اور نہ ہی اسے علماء کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔

**ماموں رشید** یعنی خلفائے عباسیہ میں ماموں سے زیادہ صاحب علم و فضل تھا اس نے بیس سالہ عمر  
میں بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے کھلے شمار میں عظیم الشان رصد خانہ قائم ہوا فلسفہ، ہیئت

بقیہ منہ ہذا از ترجمہ جرمی بونٹن ترجمہ کتب خانہ مجلس فرست حاجی خلیفہ نے کتب خانوں اور اس میں  
بہرست میں رکھے ان کے عہد میں بغداد کو کھلم کھلا سے زیادہ ترقی دلائی گئی یہاں بیس سالہ عمر میں

ریاضی اور ادب کی بڑی ترقی ہوئی گو ماموں کا خاص میلان فلسفہ کی طرف تھا لیکن اس نے دوسرے علوم کی طرف بھی توجہ کی۔ فرارخوی سے کتاب الحدو بڑے اہتمام سے لکھوائی اور اس کی بہت سی نقلیں کرا کے کتب خانوں میں بھیجیں کتابوں کے تراجم کے سلسلہ میں اماموں کے عظیم الشان کارنامے کتب خانوں کی ترقی کا بہت بڑا سبب بنے اس نے فارسی، قبطی، یونانی اور شامی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کر لئے، قیصر روم سے ارسطو کی تصانیف منگائیں اور ان کے ترجمے کا کام یعقوب بن اسحق کندی کے سپرد کیا ماموں نے بقول جرجی زیدان ترجمہ کرائے میں اتنی سخاوت دکھائی کہ جس قدر ترجمہ کیا جاتا اس کے ہم وزن وہ سونا دیتا اور ہر ایک کتاب پر جو ترجمہ کی جاتی تھی اپنی ہرودس خط ثبت کر دیتا تھا۔

۱۔ فرارخوی بن زیاد (متوفی ۲۰۷ھ) غوث و نعت اور فنون ادب کا امام تھا، کہا جاتا ہے کہ اگر فرار دہوتا تو نعت عرب بھی نہ ہوتی فرار کے کتاب الحدو دیکھنے کا جو حال علامہ شبلی نے اماموں میں لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے اس کے لئے ایمان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا اور خدام و ملازم مقرر کئے گئے کہ فرار کو کسی ضرورت کے لئے کچھ ہننا نہ پٹے صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ وقت ہو گیا بہت کاتب اور ناقلین اس کام کے لئے مہین ہوتے کہ جو کچھ فرار بتا جاتے لکھتے جائیں دو برس کی محنت میں ایک نہایت سبک کتاب نیا رہتی۔ اور ان کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اس لکھنے کے لئے ہر روز فرار کی خدمت میں حاضر رہتے تھے میں نے ان کا شمار کیا جاہل و نہ کر سکا قاضیوں کو گنا تو انہی تھے ۲۔ یعقوب بن اسحق کندی طب، حساب، منطق، سمیعی، ظلفہ میں اتنا ماہر تھا کہ اسط کا ہم پلہ کہا جاتا ہے اس کی کتابوں اور رسائل کی تعداد دو سو بیاسی کے قریب ہے۔

ماموں کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے لاکھوں روپیہ صرف کئے  
 کتابیں فراہم کیں مصر، شام، ایران اور ہندوستان وغیرہ کتابیں منگوانے کا  
 خاص بند و بست کیا بیت الحکمت ہستم و افسر حجاج بن ابیطریق  
 اور سلا وغیرہ کو خاص طور پر روم بھیجا کہ وہ اپنے پسند کی کتابیں انتخاب کر کے  
 لائیں اس زمانہ میں کتابیں جمع کرنے کا شوق اس قدر زرقی کر گیا تھا کہ ایک  
 عیسائی فلاسفر قطاب بن دنا خود اپنے شوق سے روم گیا اور وہاں سے کتابیں  
 تلاش کر کے لایا حنین بن اسحاق نے کتابوں کی فراہمی میں جو دقتیں اٹھائیں ان  
 کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین، مصر، سکندریہ  
 اور تمام مالک شام میں پھرا لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب  
 ہوا اس طرح ماموں کے عہد میں ہر قسم کی نایاب کتابیں بغداد میں جمع ہو گئیں تھیں  
 اور یہاں کتابوں سے لدے ہوئے ادنیٰ برابر آتے رہتے تھے۔ بقول  
 حالی :-

حرم خلافت میں ادنیٰوں پہ لد کر !

چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

بیت الحکمت کی توسیع | اس جانفشانی سے جو کئی سرمایہ ہیا کیا  
 گیا اس سے بیت الحکمت کی تجدید

توسیع ہوئی لاکھوں کتابیں تو اس میں پہلے سے ہی جمع تھیں اب قدیم علوم  
 کا کوئی سرمایہ ایسا باقی نہ رہا جو اس کتب خانہ میں نہ ہو یا وہ تمام کتابیں جو  
 تھیں جو اس وقت تک اسلامی دنیا میں تصنیف و تالیف ہو چکی تھیں۔ زمانہ  
 قدیم کے نوادر میں آنحضرت صلعم کے دادا عبدالملک ایک رقعہ تھا جو



پر لکھا ہوا تھا بطلموس کی تصنیف مجسطی تھی جس کا ترجمہ عربی میں کرایا گیا تھا اور  
نوشتر دان کے وزیر کی ایک بے مثل تصنیف تھی جو ایران سے سنگائی لگی تھی

**بیت الحکمت کا عملہ** ادبیت الحکمت کی نگہداشت اور  
انگریزی کے لئے مہتمم اور دیگر ملازمین مقرر

تھے کتابوں کی نقلوں اور ترجموں کے لئے کاتب اور مترجمین ملازم تھے  
جلد بندی کے واسطے اس عہد کا مشہور جلد ساز ابن ابی الکروش مامور تھا  
بیت الحکمت کے عملہ میں مسلمانوں کے علاوہ پارسی، عیسائی، یہودی اور  
ہندو بھی شامل تھے ان میں جن بن اسحاق، حکیم دوبان، یوحنا بن ماسویہ،  
قطاب بن لوقا، ہسل بن ہارون اور ابو جعفر ثنی بن عدی بہت مشہور ہیں اکثر عملہ  
کی تنخواہیں آج کل کے حسابے ڈھائی، ڈھائی ہزار روپیہ یا ہوازی تک تھیں  
کہا جاتا ہے کہ بیت الحکمت کے قسیم کی حیثیت سے محمد بن یوسف

۱۵ اس تصنیف کا پتہ امون کو بقول مصنف المامون ہندوستان کے ایک حکیم دوبان  
نے بتایا تھا جیسے ہندوستان کے ایک راجہ نے امون کی خدمت میں بھیجا تھا اس حکیم کو  
کسی طرح معلوم ہو گیا کہ ایوان کسریٰ میں ایک صندوق مدفون ہے جس میں نوشتر دان کے  
کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے چنانچہ یہ صندوق سنگایا گیا اس میں  
دیبا کے ٹکڑے میں پٹا ہوا تقریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا امون نے اس کا ترجمہ  
منا تو نہایت متاثر ہوا۔ ۱۶ المامون از علامہ شمس ص ۱۶۸ (دارالمصنفین علامہ)

۱۷ (۶۱۹۲۶) ۳۵ (مضل حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ برہان دہلی جلد ۵)

خوارزمی نے پیش ہاخذ نامہ انجام دیں یہ علم جبر کا موجد تھا اس نے پہلے اس علم کو علم حساب کے کمال کے عظیمہ صورت میں وضع کیا اور ماموں کی فرمائش پر کتاب الجبر والمقابلہ لکھی جو اس فن پر اسلام میں پہلی کتاب ہے۔

**بغداد میں کتب خانوں کی کثرت** ہارون رشید اور اس کا بیٹا مامون شہد کتب خانوں کی تاریخ میں بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے ان کی علم دوستی کے اثر سے کتابیں جمع کرنے کا شوق تحریک کا جامہ پہن کر عوام میں پھیل گیا تھا بغداد کے ہر گھر میں ایک کتب خانہ موجود تھا۔ امراء و وزراء اور اصحاب ذوق نے بیت الحکمت کے نمونہ پر کتب خانے قائم کر کے اس تحریک کو مزید تقویت پہنچائی تھی۔

امراء میں سب سے بڑا کتب خانہ یحییٰ بن خالد برمکی کا تھا اس میں عربی، یونانی، قبطی، ہندی اور ذریعہ کتب جمع تھیں۔ بو عثمان بن عمر یحییٰ الخطاط کا بیان ہے کہ جس قدر کتابیں یحییٰ کے کتب خانہ میں تھیں کسی بادشاہ کے پاس اس قدر نہ ہوں گی۔ ہر کتاب کے تین تین نسخے موجود تھے نامی خوشنویسوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں اور اس وقت کی یہ مشہور بات ہے کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اول یحییٰ کو دکھلائی جاتی تھی کیونکہ کائے ایک کے ہزار درہم دیے والا صرف یحییٰ برمکی تھا خلیفہ ہارون رشید کا سربراہی میں اکثر مشہور کتابیں جو بعث زریب و زینت تھیں وہ یحییٰ کے کتب خانہ کی تھیں یحییٰ ہارون رشید کا محبوب وزیر تھا اس کے بعد اس کا بیٹا جعفر برمکی وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ یہ دونوں اہمائی فہیم سخی

اور بلند پایہ سیاست داں تھے مگر ان کا انجام یہ ہوا کہ ہارون نے محلی کو قید میں ڈال دیا جہاں وہ ۱۹۰ھ میں مر گیا اور جعفر کو ۸۷ھ میں قتل کر دیا اس وقت اس کی عمر صرف اٹھائیس سال کی تھی اگر جعفر کو اجل مہلت دیتی تو وہ اپنے باپ کے کتب خانہ کو ایسا فروغ دیتا کہ اس کی بھی وہی شہرت ہوتی جو جعفر کے علم و فضل اور دعوہ و نسخا کی آج تک ہے۔

بہاء الدولہ دہلی کے وزیر شاپور بن اردشیر کا کتب خانہ نہایت نفیس تھا جو اس نے ۳۸۱ھ میں بغداد کے محلہ کرخ میں قائم کیا تھا اس میں دس ہزار سے زائد کتابیں تھیں جن میں سے اکثر مشہور علماء کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ شاپور کے کتب خانہ نے اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ ہر ایک مصنف اپنی تصنیف کی ایک نقل اسے ضرور بھیجتا تھا مگر اس نفیس کتب خانہ کی عمر صرف ۶۶ برس کی ہوئی، ۴۴۴ھ میں طغرل بیگ سلجوقی کے سپاہیوں نے اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔

**علی بن محلیٰ منجم کا کتب خانہ** خزانۃ الحکمت تمام بلاد اسلامیہ میں مشہور تھا یا وقت کا بیان ہے کہ منجم ممالک سے لوگ مختلف علوم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے یہاں آتے تھے یہاں تمام کتابیں طالب علموں کی خواہش کے مطابق دیکھنے کو ملتی تھیں صرف یہ نہیں بلکہ علی بن محلیٰ کے خرچ سے ان کی ہماں نوازی بھی کی جاتی تھی۔ ”یہ ہی وہ کتب خانہ ہے جس کی بے ہما

لے جرجی زیدان نے کتابوں کی تعداد ۱۰۰ ہزار بتائی ہے اور اونٹانپوٹے ایک لاکھ۔

کتابوں نے بنیم ابو معشر کو اتنا سخور کر لیا تھا کہ وہ مکہ جانا بھول گیا تھا،  
 جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس نے خراسان سے مکہ جاتے ہوئے بغداد  
 میں قیام کیا اور اس کتب خانہ میں پہنچ کر مطالعہ میں اتنا محو ہوا کہ اپنی  
 منزل تک نہ پہنچ سکا۔ ابو معشر بلخ کا رہنے والا تھا اس نے علم نجوم میں  
 بڑا کمال پیدا کیا اور کئی موضوع پر تقریباً چالیس کتابیں لکھیں ۲۷۲ھ میں انتقال ہوا  
 کتب خانہ محمد بن الحسین بغدادی ایک علمی عجائب خانہ تھا۔

جس میں نایاب کتابیں، نادریں خطوط، پرانی دستاویزات اور تحریروں  
 جمع تھیں۔ اس علمی خزانے میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ علامہ  
 ابن الندیم بغدادی نے لکھا ہے کہ "میں نے بڑی مشکوں سے محمد بن الحسین  
 تک رسائی حاصل کی اور جب اس کو میری طرف اطمینان حاصل ہو گیا تو ایک  
 دن اس نے ایک بڑا اٹھیلانا کلاس میں قدیم عربی اشعار و قصائد اور بہت سی  
 پرانی دستاویزات اور تحریروں تھیں۔ یہ قصائد اور تحریروں جرموں  
 پر اور خراسانی مصری حبشی تھامی کاغذ پر تھیں۔ میں نے ان کو خوب آٹ پٹ کر  
 دیکھا۔ کنگی کی وجہ سے ان کی ہیئت بدل گئی تھی اور جا بجا سے حرف اڑ گئے  
 تھے۔ ان میں جو مجموعے اور اجزاء تھے ان پر اکثر علماء کے دستخط اور مندرج  
 ہیں ان میں ایک قرآن مجید خالد بن ابی الہیاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جو  
 حضرت عثمان کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ و حسینؑ کے ہاتھ  
 کی متعدد تحریروں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط سلطان

سرداران قبائل کے نام لکھوائے تھے بجنہ محفوظ تھے۔ خود لغت میں اصرعی، ابن الاضرابی، سیبویہ، قرآر، کسائی وغیرہ کی ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں اور رسالے تھے۔ اسی طرح حدیث میں سفیان بن عیینہ، وثری، اوزاعی وغیرہ کے ہاتھ کی تحریریں تھیں۔ علامہ ابن النذیم کا بیان ہے کہ اسی کتب خانہ کی بدولت مجھ کو اس بات کا علم ہوا کہ فن نحو ابو الاسود دہولہ کی ایجاد ہے۔

**اسحاق موصلی کا کتب خانہ سنی اور لغت کی علی کتابوں سے**  
معمور تھا لکھا ہے کہ ابو العباس ثعلب نے بغداد کے اس کتب خانہ میں کثیراً رسالے فن لغت میں دیکھے جو اسحاق کے مطالعہ میں آچکے تھے۔ اسحاق کا شمار سنی کے مسلم الثبوت استادوں میں تھا اس کے سوا وہ فن حدیث اور لغت میں بھی استاد تھا ۲۳ھ میں انتقال کیا۔

**خلفا بھی کتب خانوں میں شیخ عبدالقادر جیلانی کا کتب خانہ**  
اہم مانا گیا ہے شیخ عبدالقادر رحمی الدین جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ/۶۱۱ء) سلسلہ قادریہ کے بانی اور عربی کے زبردست عالم تھے آپ کی بکثرت تصانیف کتب خانوں کے لئے ایک مستقل سرمایہ فراہم کر دیا تھا۔ ان میں غنیۃ الطالبین (فقر) اور بہجت الاسرار (تصوف) بہت مشہور ہیں۔

صوفیائے کرام کے روحانی اجداد علی مشاغل نے کتب خانوں کی رتی پر گہرا اثر ڈالا۔ اصل میں ان بزرگوں کا نصب العین تو دنیا پرستوں کو اخلاقی تدریس سے آگاہ کرنا اور انھیں سچائی اور نیکی کی راہ دکھانا ہے مگر اس

نام کے لئے علم کی کوشش اور کتابوں کی مدد و کار ہے چنانچہ مشائخ نے تصوف و معرفت کے موضوع پر کتابیں لکھ کر علم و ادب میں قابل قدر اضافے کئے۔ اہل اشاعتِ علم کی خاطر اپنی خانقاہوں میں کتابیں جمع کیں۔

اگر مشائخ کے خانقاہی کتب خانوں کا مقابلہ قرون وسطیٰ کی کسی خانقاہوں کی لائبریریوں کی جاکے تو دونوں میں آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا۔ کتب خانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قوم کے میلان اور مذاق مطوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ مشائخ نے اخلاقی اور علمی قدروں کو پھیلانا اپنا نصب العین بنالیا تھا بظلتِ اہل کسبی رہنمائی کی پابندی اشاعتِ علم کے خلاف تھی یہی فرق ان دونوں کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ مشائخ کے خانقاہی کتب خانوں کا استفادہ کیا جاسکتا تھا اور کسبی خانقاہوں کے کتب خانوں میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کتابیں بند پڑی رہتی تھیں۔

تعمیمی کتب خانوں میں مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ نہایت عظیم الشان تھا بغداد کے اس مدرسے کی بنیاد سلجوقی بادشاہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کے وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے ۵۵۴ھ میں دہلی ساتھ ہزار دہم میں عمارت تیار ہوئی اس کا افتتاح ذیقعدہ ۵۹۰ھ ستمبر ۱۰۶۷ء میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوا۔ سب سے پہلے صدر مدرس یا پرنسپل شیخ ابوسعحاق شیرازی مقرر ہوئے ہر مضمون کے الگ الگ استاد رکھے گئے جو شیخ کہلاتے تھے ان شیوخ کی فہرست میں امام غزالی

۱۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کے شاہرہ شیوخ و علماء کی فہرست محمد عبد الرزاق کی کتاب نظام الملک کے صفحہ ۵۰۰ تا ۵۰۱ پر درج ہے ۲۔ امام غزالی کی افضل بواعث عمری کیلئے دیکھو غزالی از خطبہ خلیفہ

کا نام بھی درج ہے ان کو اپنے بجر علی کی وجہ سے پونتیس سال کی عمر میں <sup>عظم</sup> کا اعلیٰ عہدہ مل گیا تھا اس مدرسہ نے تین سو اسی برس تک علی فیض پوچھا یا اور بڑے بڑے ذی علم پیدا کئے۔ شیخ سعدی اسی کے مایہ ناز پیوت تھے اس مدرسہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہاں سفت تعلیم دی جاتی تھی یہ سب سے پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے جہاں طلباء کے لئے وظائف مقرر کئے گئے اور ان کے واسطے کتابوں وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ مدرسہ کا سالانہ خرچ چھ یا سات لاکھ دینار تھا۔

مدرسہ نظامیہ سے ملحق ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں خواجہ نظام الملک نے ہزاروں نادر اور بیش قیمت کتابیں جمع کر دی تھیں لکھا ہے کہ ”جب کوئی عالم خواجہ مخفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں اور وہ یہ نادر کتابیں کتب خانہ میں داخل کر دیتا تھا۔“ کتب خانہ کے مہتمم علامہ ابو ذکر یا بسریری تھے جن کو شیخ بہاؤ خواہ ملتی تھی اس کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفرائینی مہتمم مقرر ہوئے خلیفہ ناصر الدین <sup>شاہ</sup> کی ذات سے بھی اس کتب خانہ کو بڑا فائدہ پہونچا اس نے شاہی کتب خانہ کی بہت سی نادر کتابیں اس مدرسہ کے کتب خانہ کو عنایت کر دیں۔ خواجہ نظام الملک اپنے مدرسہ کتب خانہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ جب وہ بغداد آتا تو اس کتب خانہ میں آکر کتب بینی ضرور کرتا تھا خواجہ کا سب سے بڑا کارنامہ تو مدرسوں کا قیام ہے لیکن اس نے کتابیں بھی لکھیں ”سیاست نامہ یا سیر الملوک“ اس کی بہت مشہور تصنیف ہے۔ یہ ایک عرصہ تک لندن میں

مول سروس کے امتحان میں شامل رہی اس علم دوست وزیر کا ایک شخص نے ۱۸۵۲ء تا ۱۹۰۶ء میں کام تمام کر دیا۔

مدرسہ نصریہ کا کتب خانہ جسے خلیفہ المستنصر باللہ عباسی نے قائم کیا تھا علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں وجہ کے کذابوں کی بنیاد کا مبارک سمچہ لکھا گیا جب عمارت تیار ہو گئی تو اس کی رسم افتتاح بڑی شان و شوکت سے منائی گئی بڑے بڑے فقہار اور علماء دربار کے لئے مقرر ہوئے اور عمدہ عمدہ کتابیں ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر کتب خانہ ضاہری سے اس کتب خانہ میں داخل کی گئیں۔

ابن العلقمی کا کتب خانہ بنو عباس کے آخری خلیفہ المستنصر باللہ کے وزیر موید الدین محمد ابن العلقمی نے قائم کیا تھا۔ یہ کتب خانہ زبانِ حلال سے کھرا رہا ہے کہ عباسی دور کے آخری وقت پر بھی بغدادی کتابوں کے بیش بہا خزانے موجود تھے اس کتب خانہ کی مورخین نے بڑی تحریف کی ہے۔ اور اس میں کتابوں کی تعداد دس ہزار بتائی ہے۔ فظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس کتب خانہ کی عمارت نہایت خوبصورت ہے اور اس میں نہایت مفید و نفیس کتابیں جمع ہیں۔ ابن العلقمی کا سیاسی کردار و بلند نام تھا کہا جاتا ہے کہ اسی کے اشارے پر ہلاکونے بغداد پر حملہ کیا تھا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عالم تھا اور اشاعتِ علم کی خاطر اس نے



اپنے کتب خانہ کے دروازے شائقین علم کے لئے کھول دیئے تھے لکھا ہے کہ "م ۶۴۴ھ اس نے افادہ عام کے خیال سے یہ پیش بہ ذخیرہ اپنے محل سے دارالوزارت میں منتقل کر دیا تھا" یہ کتب خانہ بھی اب موجود نہیں ہے مگر اس کی کچھ کتابیں استنبول اور قاہرہ کے کتب خانوں میں محفوظ بتائی جاتی ہیں ابن العلقمی کے کتب خانہ کا ایک مخطوطہ "کتاب الموشح" مصنف ابو عبد اللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی متوفی ۴۴۴ھ استنبول کے کتب خانہ سلیمانہ میں ہے۔ یہ خوبصورت نسخہ محمد بن علی النقاش کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کے سرورق پر ابن العلقمی کے دستخط موجود ہیں۔

غرض بغداد میں کتب خانوں اور مدرسوں کی کثرت عباسی دور شروع سے آخر تک رہی بارہویں صدی عیسوی میں ابن جبیر اندلسی بغداد آیا تھا اُس نے لکھا ہے کہ بغداد میں ۳۰ مدرسے ہیں ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نادر محلات سے بہتر ہے سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے تیرہویں صدی عیسوی میں بغداد کے کتب خانوں کی تعداد ۶۳ بتائی جاتی ہے ان میں سے ایک مخطوطہ "کتب خانہ ابن العلقمی کا ایک مخطوطہ" از ڈاکٹر مختار الدین احمد (مجلہ علوم اسلامیہ) علی گڑھ جون ۱۹۶۰ء شائع کردہ مدارہ علوم اسلامیہ ریونیوٹی علی گڑھ) نے عباسی دور ۱۳۲ھ / ۶۷۵-۶۷۶ھ / ۱۲۸۵ء تک اس خاندان میں ۳۷ حکمران ہوئے ۱۲۵ھ اور ترجمہ سفرنامہ محمد ابن جبیر اندلسی ص ۲۰۵ (مترجم احمد علی خاں شوق) مطبعہ جی رام پور ۱۹۰۶ء) لکھا اور لکھا پٹھو ص ۱۸۔

میں کتابوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ جب ہلاکونے تیرھویں صدی عیسوی  
 میں بغداد کو تاحنت و تاراج کرتے وقت ان کتابوں کو دریائے دجلہ  
 میں ڈالا تو ان سے دریا پر ایک پل بندھ گیا اور اس کا پانی سات  
 دن تک سیاہ رہا شیخ سعدی نے بغداد کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ اسی تباہی  
 سے متعلق ہے اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے۔

آسمان را حق بود ریخوں بسیار در بر زمین  
 بر زوال ملک مستعصم اسیر المومنین

---

## قاہرہ

مصر کا دار الخلافہ قاہرہ کتب خانوں کی دنیا میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے جب فاطمی خلیفہ عزیمین بدین اللہ ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے یہاں ایک بہت بڑا کتب خانہ خزانہ القصور کے نام سے قائم کیا جو اپنے زمانہ کا بے نظیر کتب خانہ تھا۔ اس میں چالیس کمرے تھے جن میں فقہ، نحو، لغت، حدیث، تاریخ، ہیئت اور کیمیا وغیرہ کی سولہ لاکھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں اس آئینہ دار میں کتابوں کے سارے مکمل رات بھی شامل ہیں جو ہر روز ان لکھتا ہے کہ رات مکمل کرنے کے بعد بھی کتابوں کی تعداد دس لاکھ سے کم نہ ہوتی رات میں چھ ہزار کتابیں صرف ریاضی اور جبر کے تھیں۔ یہاں فطیل بن احمد کی کتاب التمن کے تیس نسخے تھے جن میں ایک خود مانت کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ تاریخ طبری کے بارہ نسخے اور قرآن مجید کے دو ہزار چار سو نسخے مشہور و معروف خطاطوں کے لکھے ہوئے تھے۔ کتب خانہ کی پیشتر کتابوں کا خط نہایت پاکیزہ اور ان کی جلدیں سونے جاندی کے نقش و نگار سے مزین تھیں۔ کتابوں کے علاوہ یہاں زمین کے ادھر بھی محفوظ تھے۔ ایک چاندی کا تھا جس پر تین ہزار دینار صرف ہوئے تھے

۱۸۶۹ء یعنی خلیفہ ثانی کے عہد میں قاہرہ ہوا اور دو سال کے اندر مصر اس کے ساتھ طرابلس فتح ہو گیا فاتح مصر عمر بن عباس نے شہر کے حکم سے شہر فسطاط آباد کیا اور ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی جو مسجد عمرو بن عباس کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرا پیل کا جو پلیمس کے ہاتھ کا بنایا ہوا تھا۔

خزانہ القصور قرون وسطی کے کتب خانوں میں اس لحاظ سے بھاری رکھتا تھا کہ اسے استفادہ کرنے کی عام اجازت تھی بالخصوص قاہرہ کے مدرسوں کے طالب علم یہاں کتابیں سٹارے سکتے تھے۔ یہ کتب خانہ خلیفہ عزیز کے بعد اس کے جانشین حاکم کے کتب خانہ میں منتقل ہو گیا۔

حالانکہ بالمر اللہ نے قاہرہ میں ایک عام کتب خانہ دارالعلم بنا دیا تھا اس میں ہر علم و فن کی ایک لاکھ کتابیں جمع تھیں اس وقت کی اسلامی دنیا میں کتابوں کا استعمال عام کرنے کا رجحان کس سرے بڑھ رہا تھا اس کا ایک ٹھوس مثال حکم کا یہ کتب خانہ بھی ہے جس میں انہوں نے مہتمم کتابوں کے معائنہ و نقل و کتابت کی عام اجازت تھی اور ان میں سے کچھ کاغذی اوقات قلم وغیرہ بھی کتب خانہ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ فقہاء، اہل علم اور ریاضی دانوں کی خواہش میں مقرر کی گئی کہ ہمیشہ کتب خانہ میں حاضر رہیں اور اپنی محکومات و ترقی دہانہ

نظامی خط و کتابت صراحتاً درجہ دوم کے قدر دان تھے انھوں نے بے شمار کتابیں جمع کیں اور بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے قائم کئے ان میں جامع ازہر کا کتب خانہ اس اعتبار سے ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے کہ یہ اس وقت سے لے کر آج تک طابان علم کو سیراب کرتا ہے جامع ازہر کی تعمیر خلیفہ محمد بن المنصور نے [۳۵۸-۳۶۵ھ] ۹۶۸-۹۷۵ھ تک اپنی قیادت میں ۳۵۹ عریں مصروف رہے اور قیادتی بہرہ تعمیر ہوا۔

میں ہوئی تھی اس کے بعد عزیز بدین الشریعے زمانہ میں اس کی اتنی ترقی ہوئی کہ کتب خانہ میں جملہ علوم و فنون کی تقریباً دو لاکھ کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ فاطمہ کی علم دوستی کی یہ عظیم یادگار آج تک موجود ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب مدرسے اور کتب خانے نیست و نابود ہو گئے تھے۔ صدی ہجری میں گردو نے بڑی بے دردی کے ساتھ فاطمین کی علمی دولت تباہ کر ڈالی ان خطوں نے کتابوں کی جلدوں کے چمڑوں سے اپنے جوتے بنوائے اور کتابوں کے اوراق جلادے۔ ہزاروں کتابیں دریائے نیل میں پھینک دیں۔ کھلمیہ میں کس میری کے عالم میں بڑی رہیں جن پر جمجی زید ان کے افلاک میں ہواؤں نے ترس کھا کر خاک ڈال دی اور ایک حصہ تک کتابوں کے ٹیلوں کے نام سے مشہور رہیں۔

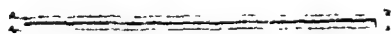
اس تباہی و بربادی کے باوجود فاطمی کتب خانوں کی کئی لاکھ کتابیں صلاح الدین ایوبی کی فتح مصر (۵۶۷ھ / ۱۱۷۱ء) تک باقی تھیں ان میں سے ایک لاکھ بیس ہزار سلطان نے اپنے وزیر الفاضل کو عنایت کر دی تھیں جن نے ان کو کتب خانہ مدرسہ فاضلیہ میں داخل کر کے اس کی رونق بڑھا دی۔

قاہرہ میں مختلف زمانوں میں جو کتب خانے قائم ہوئے ان میں کتب خانہ محمودیہ نہایت قیمتی تھا اس میں کتابوں کی تعداد نو سو و پچاس ہزار تھی مگر ان میں بہت سی نامور آثار مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں قاضی تاریخ الامت مصنف مولانا محمد اسلم حیرت پور۔ ج ۱۰ ص ۱۰۴ طبع جامعہ ملیہ دہلی ۱۳۲۲ء

برہان الدین ابن جامع کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ بھی اسی میں شامل ہو گیا۔  
 نویں صدی ہجری تک کتب خانہ محمودیہ محفوظ رہا اس کے بعد برباد و منتشر ہونا شروع  
 ہو گیا تا کہ سلطان سلیم عثمانی کی فتح مصر کے بعد اس کی بہت سی کتابیں مملکت  
 منتقل کر دی گئیں اس کا اور کچھ حصہ ضائع بھی ہو گیا کچھ کتابوں میں سے اٹھاون  
 کتابیں کتب خانہ قیو مصر میں اور چھ کتابیں کتب خانہ خلافتش بانکی وریں  
 محفوظ ہیں۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب الحادی الکبیر کی تیسری جلد جو بھی  
 کتب خانہ محمودیہ میں تھی اب لیگزیم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔  
 اس کتب خانہ کے ناظموں میں سراج الدین اور فخر الدین الطائی  
 کے بعد ابن حجر عسقلانی جیسے عظیم مصنف کا نام آیا ہے ابن حجر نے کتب خانہ  
 کی دو فہرستیں بنائی تھیں ایک کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے تھی  
 اور دوسری فن کے حساب سے مرتب کی گئی تھی۔ اگرچہ یہ کتب خانہ مدرسہ  
 محمودیہ کے لئے وقف تھا اور واقف کی شرائط کی رو سے اس  
 کی کتابیں کتب خانہ سے باہر نہیں جاسکتی تھیں اس کے باوجود ہر اہل علم  
 اس سے استفادہ کر سکتا تھا

اس عظیم الشان کتب خانہ کا بانی ایک مصری مدبر اور سیاست دان  
 جمال الدین محمود بن علی الاستاد از النظار ہی تھا جو اپنے قائم کئے ہوئے مدرسہ  
 نہ لغزیم کے لئے دیکھے ہوئے کٹر فخر الدین حمد کا مضمون محمود بن علی الاستاد از النظار  
 (مجموع علوم اسلامیہ ج ۱ ص ۱۷۷) اس مضمون میں اس کتب خانہ اور اس کے بانی کی  
 زندگی کے متعلق بہت قیمتی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ ان چند کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اب تک  
 مصر اور ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں ہیں۔

محمود یہ کے ایک گوشے میں آرام کی نیند سوراہا ہے محمود نے اپنی طباطبائی اور  
 ذہانت سے سلطان ملک ظاہر برقوق کے عہد میں اتنا اعزاز پایا کہ  
 سلطان کا مشیر خاص بن گیا۔ آخر عمر میں اس نے بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔  
 سلطان برقوق کے حکم سے اسے قید کر دیا گیا۔ اور زندگی کے آخری  
 لمحوں میں ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء تک وہ قاہرہ میں قید رہا۔ اسی طرح  
 راحت اور مصیبت کے دن لوگوں کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔  
 رَدَاكَ الْاَيَّامُ نَدَا وَلَهَا بَيْنَ النَّاسِ



## کوفہ اور بصرہ

کوفہ اور بصرہ کو حضرت عمرؓ نے آباد کیا تھا آپ ہی کی بابرکت شخصیت کا اثر تھا کہ یہ دونوں شہر جو ابتداء میں فوجی چھاؤنیاں تھیں علم کے مراکز بن گئے بیشتر ائمہ حدیث و فقہ اور صرف و نحو ان ہی مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ ان اکابر کے کتب خانوں کا موضوعین نے صریح طور پر ذکر نہیں کیا تاہم ان کے دعوے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کوفہ و بصرہ کے ساتھ دمشق، حلب، ہرات، بخارا، نیشاپور، اور شیراز کو بھی یاد رکھنا چاہئے جہاں کے ارباب علم اسلامی کتب خانوں کے اولین معمار تھے اشاعتِ علم کے سلسلہ میں ان بزرگوں کی ساعی جمید کتابیں جمع کرنے اور ان کے مطالعہ کو عام کرنے کی اہم محرک ہیں۔

**کوفہ حضرت علیؓ کے عہد (۳۵ھ - ۴۰ھ) میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت ہو جانے کی وجہ سے علم و فضل کا گہوارہ بن گیا تھا خود حضرت علیؓ کی حیثیت ایک درس گاہ اور ایک کتب خانہ سے بڑھ کر تھی آپ ہی کی رہنمائی میں ابوالاسود دؤلی نے فنِ نحو کی بنیاد رکھی تھی حضرت علیؓ ہی کی مدد سے علم و فقہ**

امام ابوحنیفہ کے دادا دؤلی ابنِ ماہِ مشرف بہرام جو کہ کوفہ میں آباد ہو گئے تھے دؤلی کے فرزند ثابت جب پہلے ہوئے و تھمہ علیؓ نے انہیں سوگند دینا حال کرنے کی مدد دیتے ہوئے فرمایا کہ خدا کرے تیری نسل سے اسلام کے زبردست مددگار اٹھیں چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور ۸۰ھ میں ثابت کے فرزند امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے جنہوں نے وہ مرتبہ پایا کہ بقول امام شافعیؒ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہ کے دستِ نگر ہیں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی مکمل سوانح عمری کے لئے دیکھو سیرۃ المنعمان از علامہ شری



کے امام ابو حنیفہ کو ذہنی سرزمین سے اٹھتے تھے ان کے شاگرد رشید قاضی  
 ابویوسف (متوفی ۱۸۲ھ) کا مولد و منشا یہ ہی شہر ہے۔ جامع علم و تقویٰ  
 سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے حدیث و تفسیر کی کتابیں کو ذہن میں لکھی تھیں۔  
 حدیث، لغت، اور تاریخ کا عالم ابن قتیبہ دینوری ۲۱۲ھ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔  
 لغت اور ادب کے فاضل ابو عمر ابن العلاء نے ۱۵۴ھ میں اسی جگہ وفات پائی  
 لکھا ہے کہ انھوں نے ادیبوں اور شاعروں کے اتنے اقوال جمع کئے تھے کہ ان  
 مجموعوں سے ان کا مکان چھت تک بھر گیا تھا اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہا کرتے  
 تھے کہ جو کچھ میں نے جمع کیا ہے وہ کلام عرب کا ایک ادنیٰ حصہ ہے اگر ان  
 کے تمام اقوال ملتے تو علم و شعر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بنتا۔  
 بصرہ کے صرف دو کتب خانوں کا ڈاکٹر اولگا نیٹونے ذکر کیا ہے  
 ان میں سے ایک کتب خانہ ابن السوار کا تھا جو اس نے عوام کے لئے  
 قائم کیا تھا یہ پانچویں صدی ہجری تک باقی رہا مگر یہاں اور بھی کتب خانے  
 تھے مثلاً کتب خانہ مدرسہ نظامیہ اور اباب علم کے کتب خانے  
 جن کی تعداد کا اندازہ تین ہزار تک لگایا جاتا ہے بصرہ میں مشائخ اور  
 علماء و فضلاء کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ جب امام ادب نصر بن شیبہ بصرہ سے  
 خراسان کو جانے لگے تو تین ہزار آدمی شہر سے ان کی مشایعت کو ایسے  
 امام یوسف علم فقہ کے علاوہ تفسیر مخاضی اور پیام العرب کے علما تھے ہارون رشید  
 کے زمانہ میں تمام ممالک اسلامیہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں  
 پہلے ان ہی کو قاضی القضاۃ کہا گیا تھا ان کی تصنیفیں کتاب الخراج بہت مشہور ہے

پہلے جو یاغی تھے یا لغوی غرضی تھے یا محدث یا اخباری۔ بصرہ کے مشائخ  
 میں امام حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) وہ ممتاز تابعی تھے جن کے متعلق  
 لکھا ہے کہ حجاج جیسے ظالم حاکم سے بھی کبھی مرعوب نہیں ہوئے قتادہ بن دعام  
 (متوفی ۱۱۸ھ) بقول امام حنبل بصرہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔  
 علامہ صمعی بصری (متوفی ۲۱۳ھ) لغت و ادب عربی کے امام تھے اور  
 حافظہ کا یہ حال تھا کہ صرف رجز کے بارہ ہزار اشعار یاد تھے۔ بصری  
 علماء میں جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) اتنا بڑا عالم اور ادیب تھا کہ اس کی  
 تصانیف البیان والبتین اور کتاب الحیوان پر بصرہ والے فخر کیا کرتے  
 تھے اسی شہر میں علوم ریاضی و طبیعیات کا بے نظیر عالم ابن الہشیم ۹۶۵ء  
 میں پیدا ہوا تھا اس کی کتاب المناظر طبیعیات میں بڑی اہم کتاب ہے  
 کہتے ہیں کہ بصرہ کو ابن الہشیم پر ہی طرح ناز ہے جس طرح کہ خالکھنڈ  
 کو بلیلموس پر اور انگلستان کو بکریٹ اور نیوٹن پر۔

## دمشق

دمشق اسلامی سلطنت میں شامل ہونے کے بعد سیکڑوں برس علم و ادب کا مرکز اور علماء و فضلاء کا منبع رہا یہ شہر حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوا تھا فتوحاتِ شام میں یہ اتنی بڑی فتح تھی کہ جب اس کی اطلاع رومی شہنشاہ ہرقل کو ملی تو وہ چلا اٹھا "الدواع۔ لے شام الدواع" دمشق بنی امیہ کے عہد میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت رہا اس زمانہ میں تصنیف و تالیف اور اشاعتِ علم کی طرف جو توجہ کی گئی اس کے اثر سے یہاں کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے قائم ہو گئے مولانا اسلم جیسراچوری کے الفاظ میں "اسلامی علوم کا وہ چمن جو خلافتِ عباسیہ میں برگ و بار لایا عہدِ بنی امیہ میں لگایا جا چکا تھا خلفائے بنو امیہ میں عبد الملک بن مروان، حضرت عمر بن عبد العزیز اور ولید بن یزید کے کتب خانوں کا ذکر پہلے آچکا ہے ان کے علاوہ کتب خانہ جامع دمشق بھی ہر اعتبار سے نایاب خیال کیا جاتا ہے یہ مسجد ولید اول (متوفی ۹۶ھ/ ۶۷۵ء) نے گرانقدر مصارف کے اتنی خوبصورت اور عظیم الشان بنوائی تھی کہ بقول یا قوت حموی "اگر انسان سو سال زندہ رہے اور ہر روز اس کی بناوٹ و سجاوٹ کو غور سے دیکھے تو یقیناً وہ روز ایسی چیزیں دیکھے گا جو تمام دنوں میں نہیں دیکھی جھیں"

۱۔ تین عربی جبریل بلگرامی ص ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴

خیال ہے کہ اس کا مدرسہ اور کتب خانہ مسجد کی شان کے مطابق ہوگا  
اس میں عہد بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۱ھ) کا درس دینا اور  
یہاں کے کتب خانہ میں مصحف عثمانی کا موجود ہونا ہمارے خیال کی تائید  
ہے۔ اموی عہد کے بعد بھی جامع دمشق کی علمی مرکزیت مدتوں قائم رہی آٹھویں صدی  
ہجری میں ابن بطوطہ نے یہاں تدریس کے بہت سے حلقے دیکھے تھے اور مسجد میں  
قرآن کے اس نسخہ کی بھی زیارت کی تھی جو حضرت عثمانؓ نے شام کو بھیجا تھا۔ اسی  
مسجد کے غریب مینارہ اندر امام غزالی نے ایک صد تک مراقبہ و مجاہدہ کیا اور  
عبادت و ریاضت کرتے رہے مسجد کے ایک مینارہ عیسیٰ کی نسبت کہا جاتا ہے  
کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ اسی سے نازل ہوں گے۔

دمشق میں مدرسوں و کتب خانوں کی کثرت دسویں صدی ہجری تک  
پائی جاتی ہے۔ ۹۲۷ھ میں ہمارے مین سو میں کتب خانے تھے اس سرزمین  
کو سلطان نور الدین محمود زنگی (متوفی ۵۶۰ھ / ۷۴۳ھ) اور سلطان حسن بن  
رستمی (متوفی ۵۷۹ھ / ۶۱۹ھ) نے بھی علم کا گہوارہ بنادیا تھا۔ ابن جریر اندلسی اپنے سفرنامہ  
میں لکھتا ہے کہ دمشق کے مدرسوں میں سب سے خوش قطع و نفیس عمارت نور الدین زنگی  
کے مدرسہ ہے اسی مدرسہ میں کتب خانہ عمارت قصر کی طرح نہایت خوش منظر  
اور بارونق ہے۔ غرض ہر زمانہ میں یہاں مدرسوں کی تعداد بڑھتی رہی یہ

لے دیکھو عجائب ان سفارہ (سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ کا اردو ترجمہ) جلد اول ص ۱۲۶۔

۲۶۲۲

کہ ۵۹۲۷ / ۱۵۲۰ء میں ان کی تعداد تین سو بیس تھی کتاب المدارس میں المدارس میں ہے۔  
 ”ان مدرسوں میں علوم دینیہ کے ساتھ طبیعیات، ریاضیات، علم ہیت، ادب و خبرہ کی تعلیم  
 دی جاتی تھی ان کے علاوہ چار مدرسے ایسے تھے جن میں خاص فن طب کی تعلیم دی جاتی تھی اور ایک  
 مدرسہ فنِ تعمیر کی تعلیم کے لئے مخصوص تھا یہ وہ مدارس ہیں جن میں طلبہ کو اعلیٰ تعلیم عیائی  
 کھتی درنہ چھوٹے چھوٹے بہت ابتدائی مدرسے ان میں ہر ایک مدرسے کی ماتحتی میں قائم تھے اور  
 ان مدارس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ہر ایک کے پاس اس کا ذاتی کتابخانہ موجود تھا  
 جس سے طلبہ ہر وقت مستفید ہوتے رہتے تھے۔“

## طرابلس

شام کا شہر طرابلس بنو عمار کے عہد میں علم و فضل کا گہر بن گیا تھا جہاں  
 دور و دراز ممالک سے اہل علم آتے تھے اسی زمانہ میں یہاں ایک عظیم الشان  
 کتب خانہ قائم ہوا جس میں بیس لاکھ کتابیں تھیں ان میں پچاس ہزار نسخے  
 قرآن شریف کے اور بیس ہزار جلدیں تفاسیر کی تھیں۔ اس کتب خانہ میں  
 کتابت کے کام پر ۱۰۰ کاتب مامور تھے جن میں سے ۳۰ شب و روز کام میں  
 مشغول رہتے تھے۔ بنو عمار کے عہد میں طرابلس کے اندر تمام علوم و فنون کی  
 بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے کتابیں جمع کرنے میں بھی بڑے شغف کا کام لیا اپنے  
 گشتہ بھیج کر بڑے بڑے شہروں سے کتابیں فراہم کیں اور کتب خانہ کو اتنی  
 ترقی دی کہ وہ اس زمانہ کے عجائبات میں سے شمار کیا جانے لگا۔

عظیم الشان کتب خانہ جلیبی جنگ کے موقع پر عیسائی سپاہیوں کے ہاتھ سے برباد ہو گیا۔ جب انھوں نے طرابلس کو فتح کیا تو اس کتب خانہ کو بھی آگ لگا دی طرابلس کے ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ ”میں فخر الملک ابن عمار والی طرابلس کے ساتھ قلعہ شیر میں تھا جب کہ اسے فرنگیوں کے ہاتھ سے فتح ہو جانے کی اطلاع ملی تو اس پر غشی طاری ہو گئی اور جب افاقہ ہوا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس نے مجھ سے کہا بخدا مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا کہ اس دارالعلم (کتب خانہ) کی تباہی کا۔“

## حلب

مکہ شام کے شہر حلب میں بھی کتب خانے اور مدرسے بکثرت تھے مگر ان کے قیام سے سیکڑوں برس پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنا مسکن بنا لیا تھا آپ کے پاس بہت سی بکریاں تھیں جن کا دودھ آپ لوگوں کو مفت پلایا کرتے تھے اہل عرب دودھ دینے کو حلب کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس کا نام حلب ہوا یہ شہر مختلف حکمران خاندانوں کے قبضہ میں رہا جن میں خاندان بنو حمدان کا فرمان روا سیف الدولہ (۶۳۳ھ - ۶۵۶ھ) اس وجہ سے قابل ذکر ہے کہ حلب میں سیف الدولہ کا کتب خانہ ادبی دنیا میں بڑی اہمیت رکھتا تھا علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ فن ادب کا ذخیرہ جس قدر اس کتب خانہ

میں مہیا ہوا اور کہیں نہ ہوگا۔ اس کتب خانہ کے متہم و افسردہ ممتاز شاعر محمد بن ہاشم اور اس کا بھائی تھے۔

ابو یحیٰ خانہ ان کے عہد میں ہوا اور اسے یہاں قائم ہوئے ان میں قاضی اکرم کا کتب خانہ بہت قیمتی تھا اس کے ذخیرے کی قیمت پچاس ہزار دینار بتائی جاتی ہے ابو الحسن علی بن القفطی مشہور بہ قاضی اکرم تاریخ الحکماء کا مصنف تھا۔

ان کے علاوہ تقریباً اتنی ہی کتب خانے حلب میں تھے مثلاً مدرسہ خلیفہ کا کتب خانہ جس کے متعلق ابن جبر اندلی نے لکھا ہے کہ اس مدرسہ کی عمارت بنام مسجد حلب کے مانند خوب صورت اور شاندار تھی بلکہ اسے گلستان کا ایک نمونہ کہنا چاہئے اس لئے کہ مدرسہ میں ہر طرف انگور کی سبز و شاداب بیلین ملی ہوئی تھیں مدرسہ کی گھر کیوں میں انگور کے دروازہ خوشے اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ طالب علم اپنی جگہ پر بیٹھ ہوئے انھیں توڑ سکتے تھے۔ حلب میں ایک مدرسہ زجاجیہ تھا جس کی صدر معلمہ فاطمہ بنت قریظ الہندی یہاں کے مدارس کی مجموعی تعداد اتنی تھی کہ لگ بھگ تھی ان میں سے چارے نام یہ ہیں مدرسۃ الفردوس، مدرسہ نوریہ، عصر دنیہ، صاحبیہ، ظاہریہ، اسدیہ، شعیبیہ، شرفیہ، بدریہ، زیدیہ، قواسمیہ، رواجیہ، اور شادنجیہ۔

حلب کی اس علمی فضا میں بڑی نایاب کتابیں جمع ہو گئی تھیں ان میں محل اللغة لابن فارس بھی شامل تھی جس کا تعارف ڈاکٹر فتح آرا الدین احمد نے اپنے ایک مضمون میں کر دیا ہے ان کی تحقیق کے مطابق اس زائد نسخہ کی کتابت ابن میمون البغدادی نے ۵۴۶ھ میں بمقام بغداد کی تھی وہاں سے یہ نسخہ عز الاسلام ابو علی الحسن عادی کے پاس حلب پہنچا پھر شیرز کے مشہور شاعر اسامہ بن منقذ کے بیٹے مرہف کو لا اس کے بعد یمن کے مشہور ربوئی فرہاں روا اللک الوید داؤد بن یوسف دمونی اس کے ۶۳۲ء کے پاس آیا اس بادشاہ نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں۔

غرض حلب کی طرح ملک شام کے ہر حصے میں مدرسے اور کتب خانے پھیلے ہوئے تھے یہ ملک سات سو برس تک رومیوں کے قبضے میں رہا مگر مسلم عہد میں یہاں جو علمی و تمدنی ترقیاں ہوئیں وہ اس وقت تک اسے نصیب نہ ہوئی تھیں اس زمانہ میں علوم اور صنعت و حرفت کی غیر معمولی ترقیوں کے ساتھ اس نے اتنی زرخیزی و شادابی حاصل کر لی اور یہاں اس قدر عجائبا جمع ہوئے کہ یہ خطہ جنت کا نمونہ بن گیا بقول موسیٰ لیبیاں خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا تھا جی زیادہ لکھا ہے :-

• اہل شام کا اشاعت علوم میں بہت زیادہ حصہ ہے انہیں لوگوں

لغة محل اللغة لابن فارس کا ایک قیمتی نسخہ ملاحظہ ہو مجلہ علوم اسلامیہ جلد ۱۱ (شائع کردہ ادارہ علوم اسلامیہ بیورو سٹی علی گڑھ)



نے قدیمی علوم کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کیا اور دنیا کی تمام  
 قوموں میں پھیلا یا کیونکہ یہ لوگ ذکاوت اور ذہانت میں بے مثل ہیں اور  
 ملک کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے ان کی طبیعتیں ہمیشہ پر نشاط رہتی  
 ہیں۔

---

## سمرقند

کتب خانوں کی توسیع و ترقی کے سلسلہ میں سمرقند کو خاص اہمیت حاصل ہے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے یہاں دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) میں کاغذ کی صنعت کی بنیاد رکھی گئی تھی جس نے عالم اسلامی میں تحریری سرمایہ کی ترقی اور کتب خانوں کی توسیع کے لئے دروازے کھول دیے اور سمرقند کا نام تمام دیار و مہار میں کاغذ کے لئے مشہور ہو گیا یہ شہر بھی مدتوں علم و فضل کا گہوارہ رہا۔ سامانیوں اور خوارزم شاہیوں کے عہد میں اس نے علم و ادب کی خاص شہرت حاصل کی اس شہر میں بہت سے اربابِ علم پیدا ہوئے مثلاً چہار مقالہ کا مصنف نظامی، دکنی اور تذکرۃ الشعراء کا مصنف ذکاۃ جنہوں نے یہ کتابیں علی الترتیب ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) اور ۸۹۲ھ (۱۴۸۷ء) میں لکھی تھیں۔

سمرقند علم ہیئت کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس کا نام ہیئت کے بڑے بڑے مراکز بغداد، دمشق، قرطبہ، طلیطلہ اور فاس کے ساتھ آتا ہے تیمور نے سمرقند میں ایک رصد گاہ تعمیر کی تھی اور اسے اپنی عظیم الشان سلطنت کا پایہ تخت بنایا تھا اس کے پوتے الخ بیگ نے یہاں ۸۲۳ھ / ۱۴۲۰ء میں ایک رصد گاہ بنوائی اور چار علماء، صلاح الدین موسیٰ المعروف بہ قاضی اللہ لدینی، علاؤ الدین علی قوشچی، عیاض الدین حبشید اور معین الدین کاشانی کی مدد سے زیچ الخ بیگ تیار کی اور ایسے آلات رصد بنوائے جو اس وقت

تک نہیں بنے تھے ان رصد گاہوں کے ملحقہ کتب خانوں کا ذکر نہیں ملتا مگر  
 مراغہ کا کتب خانہ بتاتا ہے کہ اس زمانہ میں رصد گاہوں کے ساتھ بھی کتب خانے  
 ہوا کرتے تھے جنہیں علم ہدایت کے مخصوص کتب خانے کہہ سکتے ہیں  
 مراغہ کا کتب خانہ تیمور کے انتقال سے ایک سو پچاس سال پہلے  
 قائم ہوا تھا جب ہلاکو نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی تحریک پر ۶۵۰ھ /  
 ۱۲۵۸ء میں ایک رصد گاہ مراغہ میں تعمیر کی تو اس کے ساتھ کتب خانہ  
 بھی قائم کیا جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں اس میں بغداد شام وغیرہ کے تباہ شدہ  
 کتب خانوں کی بھی کچھی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ شامل تھا کہا جاتا ہے کہ ہلاکو کو بغداد  
 کی تباہی پر نصیر الدین طوسی نے آمادہ کیا تھا اور یہ ان کی گہری علمیت اور  
 دانش کا اثر تھا کہ ہلاکو رصد گاہ بنوانے پر راضی ہو گیا اس رصد گاہ کی تعمیر کے  
 لئے علوم عرب (جرجی زیہ ان) ص ۲۲۷ نصیر الدین نے جس طرح ہلاکو کو رصد گاہ بنوانے  
 پر راضی کیا تھا اس کے متعلق صاحب ذوات الونیات کا بیان ہے کہ جب ہلاکو رصد گاہ بنوانے  
 پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا تو طوسی نے عرض کیا کہ کسی کو چھت پر ایک طشت لے کر بھیجے اور  
 اسے یہ ہدایت کر دیجئے کہ جب آپ صحن میں اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھے ہوں اس وقت  
 وہ طشت زور سے نیچے پھینکے جائے جب ایسا کیا گیا تو طشت کے اچانک گر لے سے سارے  
 دربار میں ہل چل مچ گئی لوگ خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے لیکن ہلاکو اور طوسی اپنی  
 جگہ اطمینان سے بیٹھے رہے اس پر طوسی نے کہا یہ سچ ہے کہ نجوم سے آئندہ پیش آنے والے  
 واقعات تو نہیں ٹل سکتے مگر واقعات کا پہلے سے علم ہو جانے کے باعث مصیبت کے وقت  
 سرسبکی پیدا نہیں ہوتی اور وہ سکون رہ اطمینان قائم رہتا ہے جو طشت گرتے وقت ہم دونوں  
 کو حاصل تھا یہ بات ہلاکو کی سمجھ میں آئی اور اس نے رصد گاہ بنوانے کی منظوری دیدی۔

علاوہ ہلا کرنے اہل علم کی بھی سرپرستی کی اس نے نصیر الدین طوسی اور علاء الدین علی ملک جوینی جیسے ذی علم حضرات کو اپنا وزیر و مشیر بنایا اور اس کے پڑ پوتے غازی نے رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کو عہدہ وزارت پر سرفراز کیا تھا چنانچہ اس دور کی فتنہ سامانی اور قتل و غارت گری کے باوجود فارسی میں تصنیف و تالیف کا بہت کام ہوا خواجہ نصیر الدین طوسی نے تذکرہ نصیری (مہدیت) رسالہ اوصاف الاشراف (تصوف) سی فصل (نجوم) جیسی کتابیں لکھیں اور ابن مسکویہ کی طہارۃ الاعراق فی تہذیب الاخلاق کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اخلاق نامہ کے نام سے مشہور ہے علاء الدین عطاء اللہ جوینی کی یادگار تالیف جہاں گشا کی تین جلدیں ہیں رشید الدین فضل اللہ نے جو اربع التواریخ بھی اس کے ہم عصر شہاب الدین عبد اللہ شیرازی ملقب بہ وصال نے تالیف وصال تصنیف کی اس عہد کا ایک مصنف قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی ہے جس کی شرح قانون ابن سینا، شرح حکمت الاشراف اور درج الساج اہم کتابیں شمار کی جاتی ہیں قطب الدین کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے خواجہ نصیر الدین کی مجالس درس سے استفادہ کیا اور مراغہ کی رصد گاہ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔

---

۱۔ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کی ایک کتاب اصول و جوبہ رشیدی بھی ہے جس کا قلمی نسخہ دیکھو باب ۹۰ ج ۱ ہر مؤرخ ناموہ میں ہے۔ تذکرہ جوہر زودا ہر کے مرتبے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کتاب کا نسخہ اور کسی کتب خانہ میں نہیں ہے۔

## بخارا

اسلام کے ابتدائی دور کی علمی بستیوں میں بخارا کو بڑی فضیلت حاصل تھی اس زمانہ میں یہاں کتب خانے تھے اس کا اندازہ علمائے بخارا کے مزارات کی زیارت کرنے کے بعد ہو سکتا ہے ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ تمام علمائے بخارا کے مزارات پر ان کے نام اور ان کی تصنیفات کے نام لکھے ہوئے ہیں ان ہی میں ایک مزار محمد بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ / ۸۶۹ء) کا بھی ہے جو ایک حلیل القدر محدث تھے انھیں چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد احادیث کا ایک مجموعہ انھوں نے تیار کیا جو ضمیمہ بخاری کے نام سے مشہور ہے۔

بخارا سامانیوں کا پایہ تخت اور بڑے بڑے علماء و مصنفین کا مرکز تھا اس زمانہ میں یہاں کی علمی رونقیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ شیخ بوعلی ابن سینا نے بلخ چھوڑ کر بخارا میں بود و باش اختیار کر لی تھی جہاں نوح بن منصور کا کتب خانہ اہل علم کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا خاندان سامانی کے اس فرماں روا نے ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) سے ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی اور کتابیں جمع کرنے میں غیر معمولی ہنماک دکھایا اس کے کتب خانہ کو علامہ بن خلکان نے عدیم المثال بناتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں ہر علم و فن کی کتابیں تھیں اور ان میں بہت سی ایسی تھیں جن کا پتہ اس کتب خانہ کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا تھا اس بے نظیر کتب خانہ سے

شیخ بوعلی سینا نے استفادہ کیا تھا اور وہ اس کا ہضم بھی رہا تھا اس کا بیان  
 ہے کہ فلسفہ کی جو کتابیں میں نے یہاں دیکھیں کہیں نہیں دیکھی تھیں اور نہ او  
 نے ان کو دیکھا ہو گا کاجرج بن منصور کے کتب خانہ کی عمارت حسب بیان بوعلی  
 بہت سے کروں پر مشتمل تھی ہر فن کے لئے جدا کرہ تھا اور ہر کمرے میں صند و  
 کے اندر کتابیں اوپر تلے رکھی ہوئی تھیں

سامانی حکمران فارسی اور عربی ادبیات کی سرپرستی کے لئے مشہور  
 ہیں ان کے عہد میں فارسی ادبیات کی خالص طور پر ترقی ہوئی متعدد کتابوں  
 کے فارسی میں ترجمے ہوئے جن میں تفسیر طبری اور تباہی طبری کے ترجمے قابل ذکر  
 ہیں موصلاً الذکر کا مترجم سامانیوں کا مشہور وزیر ابوعلی محمد طبعی ہے اس دور کے  
 شعرا میں رودکی سمرقندی (متوفی ۳۲۹ھ / ۹۴۱ء) کو ایران کا سب سے  
 پہلا بڑا شاعر کہا جاتا ہے۔

# غزنی

سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۳ھ / ۱۰۳۱ء) کے عہد میں غزنی کا کتب خانہ دنیا کے نفیس کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا اس بادشاہ کی حارث پروری اور علمی قدردانی کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ مورخ ایشوری پرشاد نے اسے بہت بڑا فاتح اور متفین کا فیاض سرپرست کہا ہے اس کی قدردانی یہ نتیجہ تھا کہ علم و ادب کے مختلف شعبوں میں کمال رکھنے والے اسیروں، فارسیوں، ہندوؤں، عربوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے دربار میں جمع ہو گئے تھے محمود کے عہد میں غزنی کی کیا حالت تھی یہ بھی ایشوری پرشاد کو زبان سے سنئے۔

محمود نے غزنی میں ایک یونیورسٹی قائم کی ایک کتب خانہ قائم کیا اور ایک عجائب خانہ کور جس میں جنگ کے ہر بے ادب و تحائف جمع کئے یہ اس کی درباری دل کو نتیجہ تھا کہ غزنی میں ایسی خوبصورت عمارت بنائی گئی جس کی وجہ سے یہ شہر مشرق کے بہترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔ لیکن محمود غزنوی سے کوئی دو سو سال قبل غزنی میرا ایک متہی کتب خانہ تھا جس میں دوسری اہم کتابوں کے علاوہ عیسائیوں کی مقدس کتاب صلیب بھی تھی۔ ابو الفضل بیہقی کی تصنیف تاریخ مسیحی غزنی خاندان کی تاریخ اور فارسی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ ابو نصر عینی نے عربی میں تاریخ عیسوی نگہ جس میں سلطان محمود اور اس کے بانی سلطنت کے حالات درج ہیں اس کا ترجمہ ابو شرف راجہ سکایا نے کیا۔ علامہ لاہور پختون کتب خانہ غزنویہ در عصر اسلامی (دہلی: سروش کراچی جلد ۳ شمارہ ۲۱) ۲۱

کے بھی، ۲ مجلدات محفوظ تھے لکھا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں کنسٹربری کا  
 پادری فیکس ایسیس الکوین کتاب حبشیر کی تلاش میں نکلا اور سفر کی مصروفیت بھلا  
 ہوا انگلستان سے غزنی پہنچا جو اس وقت اسلامی سلطنت میں شامل ہو چکا  
 تھا اس سفر کی پوری کیفیت گذارش سفر الکوین بہ کتب خانہ غزنہ میں بیان  
 کی گئی جو فاضل مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق یہ کتب خانہ ایک پبلک لائبریری  
 کی حیثیت رکھتا تھا جس کی نگرانی اور حفاظت کے لئے ناظم یا کتاب دار مقرر  
 تھا۔ کتب خانہ کا ایک کیڈگ (فہرست کتب) بھی تھا جس میں کتابیں اپنے  
 عنوانات کے تحت درج کی جاتی تھیں یہاں کتاب حبشیر جیسی قدیم اور اہم کتابیں  
 مفصل انٹرایوں میں رکھی ہوئی تھیں جس کی چابیاں احتیاط کے خیال سے ناظم  
 کتب خانہ کے بجائے شہر کے حاکم علی گے پاس رہتی تھیں اور ان کے مطاب لو کی  
 اجازت ہی سے واپس کرنی پڑتی تھی پادری الکوین کو کتاب حبشیر کے مطالعہ  
 اور ترجمہ کی اجازت لینے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا بالآخر  
 اس کا جذبہ شوق کام آ ہی گیا اور اسے ترجمہ کرنے کی اجازت مل  
 گئی جس کو اس نے دو سال میں مکمل کر دیا اس علم دوست پادری کے بیان  
 کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزنی بویہ کتب خانہ ایک قدیم ترین  
 کتب خانہ تھا۔



## ہرات

ہرات کے آثار قدیمہ بیاں کے کتب خانوں اور مدرسوں کی نشان دہی کر رہے ہیں یہ شہر بڑے بڑے مشائخ علماء اور بادشاہوں کا ابدی مسکن ہے جن کی بدولت یہ علم و فضل کا گہوارہ بن گیا تھا بیاں خواجہ عبداللہ انصاری، خواجہ ابوالولید احمد اور مولانا نور الدین جامی جیسے بزرگوں کے مزارات دیکھ کر علمی روح بیدار ہو جاتی ہے۔

ہرات (۱۳۷۷ھ - ۱۶۵۱ء) میں مسلمانوں کی حکومت میں مشال ہوا اس وقت سے یہ مختلف بادشاہوں کے قبضہ میں رہا سلاطین سلجوقیہ اور سلاطین گھزنویہ بیاں حکمران رہے۔ ۱۳۷۷ھ - ۱۶۵۱ء میں تیمور نے اسے فتح کیا اگرچہ اس نے ہرات کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ خود اس کے بیٹے شاہ رخ مرزا اور اس کے پوتے بالغ بیگ نے اسے علم و ہنر کا مرکز بنادیا تھا تیموری سلاطین میں یہ دونوں اور بایسنقر و سلطان حسین مرزا بالقرہ کتا بن جمع کرنے کا بڑا شوق رکھتے تھے اور اس معاملہ میں یہ حضرات بقول براؤن

لے عبد سلجوقی کے صوفیاء بعد محمد ثلثین میں عبداللہ انصاری (متوفی ۱۴۸۸ھ - ۱۰۸۸ھ) نہایت ممتاز ہیں۔ آپ کی تصانیف میں منازل السائرین (عربی) اور زاد المعادین (فارسی) بہت مشہور ہیں لے خواجہ ابوالولید (متوفی ۲۳۶ھ - ۶۸۴ھ) اپنے زمانہ کے بڑے صاحبِ علم بزرگ تھے: ظاہری و باطنی علوم امام احمد بن حنبل سے حاصل کئے یہ نہایت امیر آدمی تھے مگر اپنی تمام دولت تحصیلِ علم میں صرف کر دی تھی۔

سولھویں اور سترھویں صدی کے فرانسیسی اور اطالوی شائقین کتب  
 کہیں زیادہ بڑے ہوئے تھے شاہ رخ کے دوسرے بیٹے بالینفر کا تو یہ  
 حال تھا کہ اس کی سرپرستی میں چالیس خطاط زیر نگرانی مولانا جعفر  
 تبریزی کتابیں نقل کرنے پر مقرر تھے اس سے اُن کتب خانوں کا سراغ  
 ملتا ہے جو ان سلاطین نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں ہرات اور  
 سمرقند وغیرہ میں قائم کئے تھے اسی زمانہ کی یادگار کتب خانہ مدرسہ  
 گوہر شاد بیگم ہے یہ سلطان شاہ رخ کی ملکہ گوہر شاہ بیگم نے قائم  
 کیا تھا اور اسی کے قریب وہ ابدی نیند سو رہی ہے ایک کتب خانہ  
 مدرسہ مرزا کا تھا جس کے عظیم الشان ہونے کا پتہ مدرسہ کی شان و  
 شوکت سے چلتا ہے لگتے ہیں کہ اس زمانہ میں تمام ایران و توران میں  
 اس کی شان و شوکت کا کوئی مدرسہ موجود نہ تھا اسی کے ایک گوشہ میں  
 پانی مدرسہ سلطان حسین مرزا بالیقہ کی قبر ہے۔

ہرات میں جو اباب کمال جمع تھے ان میں زبدۃ التواریخ کا  
 مصنف نور الدین لطف اللہ معروف بہ حافظ آبرو بھی شامل ہے  
 جس نے یہ کتاب ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) میں لکھی تھی اس عہد کا  
 نامور ترین خوش نویس میر علی حسینی سلطان حسین مرزا کے دربار سے  
 منسلک تھا اس کی لکھی ہوئی کتابیں مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں  
 ان میں کی ایک کتاب طاعارنی کی مثنوی گوئے چوکان کتب خانہ مسلم و نیور

علی گڑھ میں ہے جسے میر علی نے ۱۵۱۹/۶۹۲۶ء میں بمقام ہرات لکھا تھا اس میں بہزاد کے ہاتھ کی بنائی ہوئی نقادیر ہیں جو ایشیا کا بہترین کلاسیکی مصور مانا گیا ہے اس کے قدر دانوں اور مربیوں میں سلطان حسین مرزا اور اس کے وزیر میر علی شیر نوائی کے نام آئے ہیں براؤن نے تو یہ کہا ہے کہ بہزاد کی شہرت بڑی حد تک علی شیر نوائی کی ہمت افزائی کا نتیجہ تھی یہ ذریعہ علم و ہنر کا بہت بڑا امر ہے تھا اس کے علی کاموں کی یادگار کتب خانہ جامع علی شیر اور کتب خانہ مدرسہ اخلاصیہ میں ان علی مراکز کی نسبت لکھا ہے کہ یہاں بڑے بڑے فضلاء مذہبی مسائل اور علمی علوم کی تحقیق و تفتیش میں مصروف رہتے تھے خود میر علی شیر کا کتب خانہ تاریخ کی علمی کتابوں سے معمور تھا اور ان سے استفادہ کرنے کی اجازت اس نے اہل علم کو دیکھی تھی انہیں کتابوں کے مطالعہ کے بعد شیخ غیاث الدین ابن ہمام الدین خواند میر کو تاریخ اسلام کا ایک مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ انھوں نے ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۹ء میں خلاصۃ الاخبار فی بیان احوال الاخیار لکھی اس کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں۔

”تا در سال ہنصد و چار از ہجرت نبی فوار صلی اللہ علیہ وسلم  
..... ہر کتابے کہ مشتمل بر فن تاریخ و اخبار در

۱۔ میر علی شیر نوائی کا ۱۰۹۶ھ/۱۵۰۱ء میں انتقال ہوا علیہ خواند میر کی ایک اہم تصنیف حبیب السیر بھی ہے جو اس نے ۹۶۹ھ میں لکھی اس کا ایک قلمی نسخہ مرطلا مذتب اور بہت اچھا لکھا ہوا مشہد مقدس کے کتب خانہ میں ہے علیہ اس کا ایک قلمی نسخہ جو امر سوزم آباد میں ہے جس کی فہرست ص ۱۰۴ و ۱۰۵ پر درج ہے کہ اسے صنعت کی زندگی میں لکھا گیا تھا اور اس سے قدیم مکتوبہ نسخہ کسی کتب خانہ میں نہیں ہے۔

کتاب خانہ معمرہ آں بزرگوار موجود و تسلیم این بے بضاعت

نمودند و بمطالعہ آنہا ترغیب و تحریریں فرمودند

ہرات میں بھی بہت سے مدارس تھے۔ ان میں مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ نہایت عمدہ تھا۔ یہ ہی وہ مدرسہ ہے جس سے مولانا عبدالرحمن جامی (متوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) نے فیض حاصل کیا تھا۔ لکھا ہے کہ جامی اپنے والد نظامی کے ساتھ ہرات میں وارد ہو کر مدرسہ نظامیہ میں سکونت پذیر ہوئے اور فضائل زمانہ مثلاً جنید مولیٰ اور مولانا خواجہ علی سمرقندی وغیرہ سے تحصیل علوم کی اور بلند پایہ علامہ بن گئے جامی لڑکپن میں ذہین اور محنتی جوانی میں عالم باعمل اور پیری میں مولانا اور پیر تھے پچاس سے زائد کتابیں انھیں جن میں شرح طاجی بہارستان، نفوس الانس، مثنوی یوسف زلیخا، ایللی مجنوں اور لائح جان بہت مشہور ہیں۔

جامع مسجد ہرات کے مدرسہ جامعہ عثمانیہ کا کتب خانہ جامع مسجد کی طرح عظیم الشان تھا اس مسجد کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں ہم عظیم الشان ایوان دروازے، گنبد، ۱۸۰ اوراق اور ۸۰ مہستون تھے اس سے ملحق ایک مدرسہ اور کتب خانہ تھا۔ یہ مسجد سلطان غیاث الدین غوری نے ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء میں نئے سبے سے تعمیر کرائی تھی اسی وقت یہ مدرسہ بھی بنوایا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ امام فخر الدین رازی کے درس و تدریس کی غرض سے بنوائی گئی تھی اور آپ ہی کی وجہ سے اس مسجد نے ایک جامعہ کی شکل اختیار کر لی تھی دنیا

کے ہر گوشہ سے طالبان علم آپ سے استفادہ کرنے آتے تھے آخر فلسفہ و حکمت کا یہ جمید عالم اور انہی کتابوں کا مصنف ۶۰۶ء میں سیکھتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ہرگز دل میں ذلم محسوس نہ شد کم مانند اسرار کہ مفہوم نہ شد  
ہفتاد و دو سال درس گفتم شب و روز معلوم شد کہ بیچ معلوم نہ شد

---

## نیشاپور

قرون وسطیٰ میں اسلامی علوم کے اہل کمال زیادہ تر صوبہ خراسان کے شہروں نیشاپور، مرو، بلخ، اور طوس وغیرہ میں پیدا ہوئے۔ عمر خیام، شیخ فرید الدین عطار جیسے عالم اور صوفی نیشاپور کی خاک سے اٹھے نواح طوس کا ایک قصبہ طاہران امام غزالی کا مولد ہے انھوں نے ابتدائی تعلیم طوس میں پائی اور یہیں علمی تعلیم حاصل کرنے کے لئے نیشاپور گئے جو اس وقت علمی درجہ کے مدرسوں اور کتب خانوں سے معمور تھا۔ یہاں پہلا مدرسہ امام ابو محمد بن حسن بن فورک (متوفی ۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء) کے لئے تعمیر ہوا تھا دوسرا مدرسہ بیہقیہ تھا جس میں امام غزالی کے استاد امام الحرمین نے تعلیم پائی تھی اس وقت امام ابو القاسم اسکافی اس کے صدر مدرس تھے ان مدرسوں کے سوا مدرسہ مسجد یہ اور نصریہ بھی تھے اسی شہر میں امام موفقی جیسے جید عالم کی درس گاہ تھی جس میں عمر خیام نظام الملک طوسی اور جن بن صباح نے تعلیم حاصل کی۔ امام موفقی کے یہ تینوں شاگرد بڑے مرتبہ پر پونچے نظام الملک طوسی

نے عمر خیام نیشاپور میں ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء میں پیدا ہوا اور سیب ۵۲۶ھ میں وفات پائی اسکی مفصل سوانح کے لئے ملاحظہ ہو خیام از سید لیسان ندوی (مطبوعہ سوارق عظمیٰ گڑھ ۱۳۲۳ھ) نے عطار (متوفی ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء) صوفی شعرا میں آناجی درجہ کہتے تھے کہ جلال الدین نے ان کو اپنا پیشوا اور بزرگ کہا ہے ان کی معرفت اور تصوف میں بہت سی تصانیف ہیں شذیوں میں مصیبت نامہ، الٰہی نامہ، خزانہ، پنہ نامہ، اسرار نامہ، جوہر نامہ، مختار نامہ، منظوم الطیر، شہر میں غزلیات اور تصانیف کا ایک دیوان بھی ہے۔

نہایت نامور وزیر اور مدارس نظامیہ کا بانی ہوا عمر خیام ایک بلند پایہ حکیم شاعر اور  
 زبردست ماہر نجوم تھا لیکن ان میں حسن بن صباح وہ گمراہ عالم ہوا جس کی تحریری  
 سرگرمیاں امت اسلامیہ کے لئے ایک مصیبت بن گئی تھیں وہ فرقہ باطنیہ کا  
 بانی تھا اس نے نہایت چالاکی اور ہمت سے خراسان کے پیرامی قلعہ الموت پر  
 قبضہ کر لیا یہ قلعہ جہاں بادشاہوں، وزیروں اور علماء کو قتل کرنے کے لئے منصوبہ  
 بنائے جاتے تھے کتابوں کے ذخیرے بھی رکھتا تھا قلعہ الموت کا کتب خانہ  
 حسن بن صباح کی موت کے ایک سو پچھتیس برس بعد ۶۵۵ھ/۱۲۵۶ء میں ہلاکو  
 نے جلوا دیا تھا لیکن ایک کتاب "سرگزشت سیدنا" جلعے سے بچ گئی یہ حسن بن صباح  
 کی وہ سوانح ہے جسے فرقہ اسماعیلیہ کی تاریخ کا اصلی سرمایہ کہا جاتا ہے اس کا  
 مصنف حسن بن صباح کا شیخ استاد عبد الملک ابن عطاش تھا۔

نیشاپور میں شاہی تعلیمی اور ذاتی کتب خانے موجود تھے آل برہہ کے ایک حکمران  
 عضد الدولہ کا کتب خانہ یہاں تھا اس بادشاہ نے شیراز میں بھی ایک  
 کتب خانہ قائم کیا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس شہر میں ابونصر سہیل بن مرزبان  
 کا کتب خانہ بھی نہایت مشہور تھا۔ ابونصر کی نسبت شبلی نے لکھا ہے کہ  
 اس نے اپنی تمام دولت کتابیں جمع کرنے میں صرف کر دی اور صرف کتابوں کی

---

نے حسن بن صباح کی سوانح نظام الملک لوسی (عبدالرزاق) کے ص ۵۰۹ پر دیکھے اسی کتاب کے صفحہ  
 ۵۰۱ پر پیمان شاہیر اسلام کی فہرست درج ہے جو حسن صباح اور اس کے جانشینوں کے عہد میں انہوں  
 کے ہاتھ سے نقل ہوئے تھے یہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے از یہ سلیمان ندوی ص ۱۰

تلاش و جستجو میں اکثر بغداد کا سفر کیا اور نادر کتابیں ہم اپنی بنائیں۔

تعلیمی کتب خانوں میں مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ بہت بڑھتا رہا۔ یہ مدرسہ نظام الملک طوسی نے ۵۶۲ھ (۱۱۶۳ء) میں امام الحرمین کے لئے بنوایا تھا جن کے درس میں روزانہ تین سو طلباء اور علماء شریک ہوتے تھے۔ امام عزالی بھی اسی مدرسہ کے طالب علم تھے سلجوقیوں کے عہد میں نیشاپور کی سیاسی اور علمی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اس لئے کہ یہ طغرل بیگ اور ابی ارسلان سلجوقی کا پایہ تخت تھا اور یہ سلاطین بڑے علم و دست تھے ان کے عہد میں بہت سے مدرسے اور کتب خانے قائم ہوئے ان میں طغرل کے وزیر عبد الملک کندری کا کتب خانہ اس لئے مشہور ہے کہ یہ شخص علم و فضل میں بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ کندری کی حرح اور بہت اہل علم بالخصوص مشائخ و صوفی شعراء سلجوقی دور میں پیدا ہوئے اور تصوف و تاریخ پر کتابیں لکھی گئیں جن میں فرید الدین عطار کی تذکرہ، دیار اہل البکر و حجاز کی راحت الصدور (سلجوقیوں کی تاریخ) اہم کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

غرض نیشاپور میں عہد بہ عہد جو کتب خانے اور مدرسے قائم ہوئے ان کی تعداد کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ ۵۵۶ھ (۱۱۶۰ء) میں یہاں کے فسادات کے موقع پر یکسپس مدرسے اور بارہ کتب خانے برباد ہوئے۔



## مرو

یہ شہر بھی بے نظیر اہل علم اور کتابوں سے بھرا ہوا تھا ایک مشہور صوفی بزرگ ابو سعید ابوالخیر (متوفی ۴۲۰ھ / ۱۰۲۸ء) فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں ابو عبد اللہ المحصری کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جو اس زمانہ کے مشہور فقیہ اور علم طریقت کے علم تھے یا قوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان مرتب کئے وقت مرو کے کتب خانوں سے استفادہ کیا تھا اس کتاب میں اس نے ان دس عظیم الشان کتب خانوں کا ذکر کیا ہے جو مرو کی جامع مسجد اور مدرسوں میں موجود تھے ان میں یہ تین خاص اہمیت کے حامل تھے ۔

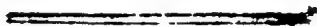
کتب خانہ نظامیہ کتب خانہ عزیز یہ اور کتب خانہ الدمریہ ۔

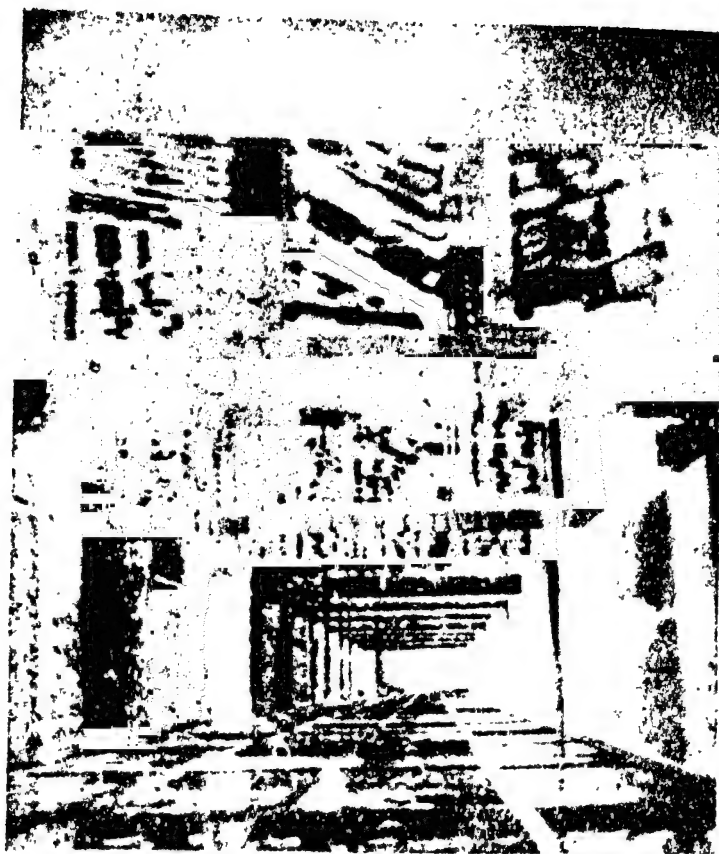
مرو کے کتب خانوں سے اہل علم بہ آسانی استفادہ کر سکتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یا قوت حموی کو الدمریہ کے کتب خانہ سے تقریباً دو سو کتابیں بلا ضمانت اسٹیکر دی گئی تھیں یا قوت ۵۷۵ھ / ۱۱۸۱ء میں بمقام بغداد پیدا ہوا اور ۶۲۶ھ میں حلب میں انتقال کیا اس نے تاجیکانہ ساح اور جغرافیہ داں کی حیثیت سے بڑا نام پایا جغرافیہ پر عربی میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں یا قوت کی معجم البلدان نہایت جامع اور مستند کتاب ہے اس کے علاوہ اس نے اور بھی کتابیں لکھی ہیں جن میں معجم الادبا مشہور ہے ۔

ملخ اسلام سے پہلے اپنے آتشکدہ نو بہا کی وجہ سے مشہور تھا جس کے متعلق براہ کھ  
 جب شہر اسلامی سلطنت میں شامل ہوا تو اس وقت اس کا آتشکدہ سرد ہو گیا اور ملخ کی  
 شخصیں روشن ہو گئیں مد سے اور کتب خانے قائم ہوئے جن میں درود نظامیہ کا کتب خانہ صدیوں  
 باقی رہا اس دور سے میں رشید الدین و طوالمی نے کچھ عرصہ تعلیم پائی تھی اس نے حقائق اسحر فی  
 وقائق اشعر لکھی جو فائز مینا نے شعری پر قدیم ترین کتاب کی جاتی ہے رشید کے علاوہ ملخ  
 میں اور بھی ممتاز شاعر اور ابو حشر مخم جیسے اہل کمال پیدا ہوئے مولیٰ ملخ میں ایک مقام قیادیا  
 حکیم ناضر و کا مولد ہے اس ۸۴ھ میں وفات پائی اور بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں  
 جن میں زاد الملک فریق سفر نامہ و دشائی نامہ سعادت نامہ مشہور ہیں۔ ملخ کے ایک قصبہ  
 فار یاب بن ظہیر فار یابی پیدا ہوا جو چھٹی صدی ہجری کا مشہور شاعر ہے۔ مقامات حمید  
 کا مصنف حمید الدین ابوبکر بن محمود (متوفی ۵۵۹ھ) ملخ سکانت صنی تھا مگر یہ  
 سرزمین مولانا جلال الدین رومی جیسے خسر روزگار و صوفی شاعر اور  
 عالم پیہ میثہ ناز کرے گی جن کی تصانیف آج تک مشرق و مغرب  
 کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں مولانا ۶۰۴ھ میں بمقام ملخ پیدا  
 ہوئے سلطان علاء الدین کیعتباد کی دعوت پر اس کے پایہ تختیت  
 قونہ گئے اور وہیں ۶۷۲ھ / ۱۲۷۲ء میں انتقال ہوا مولانا کی تصانیف  
 میں ایک ضخیم مجموعہ غزلیات ہے جو دیوان شمس تبریز کے  
 نام سے جمع کیا گیا ہے نثر میں ان کے طنوکیات (منہ مانہ)

شائع ہو چکے ہیں لیکن مولانا کا شاہکار مثنوی معنوی ہے اس کی  
جس قدر شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں اتنی عنایا کسی  
دوسری فارسی کتاب کی نہیں لکھی گئیں مثنوی معنوی فارسی زبان  
میں صوفیانہ شاعری کی بے بہا کتاب ہے جن میں اشعار  
کی تعداد ۲۶۷ ہے۔ ہزار سے زائد ہے اور جو سوز عشق، عرفانی  
افکار اور صوفیانہ نکات سے لبریز ہیں اس میں توکل کے متعلق مولانا  
فرماتے ہیں۔

ما توکل ز انوی اشتربند	گفت پیغمبر باد ز بلند
از توکل در سبب گل مشو	میزانک سبب حبیب اللہ شنو
کسب کن لیس تکیہ بر جبار کن	گز توکل کنی دو کار کن





کتاب خانہ مشہدِ قدس کا شعبہ مخطوطات

# طوس

طوس ایک نہایت قدیم شہر ہے جو خلیفہ سوم کے عہد میں  
اسوی سلطنت میں شام ہوا اور پھر اہل علم کا مسکن بن گیا۔ یہ شہر شیخ ابو جعفر  
طاؤس الفقرا ابو نصر سراج دوزیر نظام الملک نصیر الدین حوی فردوسی اور  
کابلین اور امام غزالی و خلیفہ ہارون رشید کا دفن ہے لہذا ہے کہ خواجہ  
نظام الملک طوسی نے مدارس کے قیام کا جو سلسلہ جاری کیا تھا اس کی ابتداء  
طوس ہی سے ہوئی تھی اس نے سب سے پہلے یہیں ایک مدرسہ قائم کیا اس کے بعد  
دوسرے نظامیہ بغداد قائم ہوا تھا۔

طوس میں عہد بہ عہد جو کتب خانے قائم ہوئے ان سب کا سردار  
کتب خانہ مشہد مقدس ہے جو امام غسلی رضائے مزار سے وابستہ  
ہے آپ ۱۲۸ھ میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ/۸۱۸ء میں  
طوس میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے اس وقت سے یہ شہر مشہد مقدس  
کہلایا جانے لگا۔ امام مدوح فرقہ امامیہ کے مروجی امام ہیں آپ کے دادا امام  
جعفر صادق علیہ السلام رضی اللہ عنہ ۱۴۸ھ میں بغداد تالیفی اور بہت بڑے  
عالم تھے آپ کی سند امامت پر امام موسی کاظم ممکن ہوئے اور ۸۳۲ھ میں رحلت  
فرمائی آپ کے بیٹے امام غسلی رضائے علم اور زہد و تقویٰ جمع تھے صحیفہ  
طب الرضا اور سند امام رضا آپ کی مشہور تصنیف ہیں سند امام رضا کا  
نشاہیر موسیٰ کی فہرست نظام الملک موسیٰ از عبد الرزاقی کے ص ۲۵ پر دیکھیے۔

ایک تلمی نسخہ کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ جیب گنج لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ ۱۱۱۲ھ کا لکھا ہوا نسخہ ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۹۵ حوثیں ہیں۔

ابطوس کی ساری عظمت و شان مزار امام علی رضی اللہ عنہ اور اس کے کتب خانہ کی وجہ سے ہے یہ کتب خانہ صرف ایران ہی میں نہیں بلکہ تمام علمی دنیا میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اب تک دنیا کی نوے محفوظ رہا اور تقریباً ایک ہزار برس سے اس کا علمی فیض جاری ہے اس کے قیام کی صحیح تاریخ تو نہیں ملتی لیکن ایک بزرگ ابوالبرکات علی ابن حسین نے اپنی جو کتابیں اس کو وقف کی ہیں ان پر وقف کرنے کی تاریخ ۴۲۱ھ بمطابق ۱۰۳۱ء سے اس حساب سے اس کتب خانہ کی عمر ۹۶۱ سال سے زیادہ ہوئی۔

مشہور عدد کتب خانہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک مذہبی کتب خانہ ہے جس کا آغاز مذہبی کتابوں سے ہوا تھا مگر اب اس میں قرآن اور حدیث کے علاوہ حکمت و فلسفہ منطق اور فقه وغیرہ کی بھی کئی ہزار کتابیں موجود ہیں جن کا کٹلاگ "فہرست کتب خانہ آستان قدس رضوی" کے نام سے کئی جلدوں میں ایران سے شائع ہوا ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انیس مخطوطات کا ایسا ذخیرہ موجود ہے جو دنیا کے کسی دوسرے کتب خانہ میں نہیں ہے آئمہ اہلبیتؑ کے مکتوبوں و قرآن مجید کے نسخوں اور کتب خانہ کے بہت قیمتی نوادہ ہیں۔

# شیراز

ایران کے مرکزی شہر شیراز کا علمی وقا زظاہر کرنے کے لئے صرف سعودی اور حافظ کا نام لینا کافی ہے جنہوں نے فارسی ادبیات کا چہرہ روشن اور منور کر دیا ہے مگر ان حضرات سے کیا سو برس پہلے شیراز کی سرزمین غلی جو چوں سے گونج رہی تھی جس کی نشانی **عضد الدولہ کا کتب خانہ** تھا اس بے نظیر کتب خانہ میں عضد الدولہ نے وہ ساری کتابیں فراہم کیں جو ابتدائے اسلام سے اس کے عہد تک تصنیف ہوئی تھیں بادشاہ کے جس محل میں یہ کتب خانہ تھا اس کے متعلق علامہ بشاشی کا بیان ہے کہ میں نے تمام مالک اسلامیہ میں ایسی عمارت نہیں دیکھی اور میں تیار کرتا ہوں کہ وہ بہشت کے نمونے کے موافق بتائی گئی ہے علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ ایک نہایت لمبا مکان ہے اہل اس میں ہر طرف متعدد کمرے ہیں جن میں بہت سی الماریاں دیوار سے لگی کھڑی ہیں یہ الماریاں تین تین گز چوڑی اور قد آدم اونچی ہیں لکڑی عموماً منقش اور مذہب ہے ہر فن کے لئے جدا کمرہ ہے اور اس کی جدا گانہ فہرست ہے کتب خانہ کے اہتمام اور نگرانی کے لئے وکیل اور خزانچی اور محاسب مقرر ہیں اور بجز مقررہ آدمیوں کے کسی شخص کا وہاں گذر نہیں ہو سکتا۔

عضد الدولہ (۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۹ء - ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۲ء) خانہ

لے جس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البشار الشافعی المقدسی المعروف بابشار مصنف "جن التعلیم فی معرفۃ الاقالیم" (مطبوعہ برلین ۱۹۰۶ء) سہ سائل شمل ص ۳۶

بُورہ میں نہایت مقتدر اور تہذیب و بادشاہ گدرا ہے جس کے دربار میں ابن کویہ  
(متوفی ۸۲۱ھ) کو بڑا تقرب حاصل تھا اس بلند پایہ عالم اور مورخ نے  
کئی کتابیں لکھیں جن میں ”تجارب الامم و تعاقب الہمم“ نہایت مشہور ہے یہ  
حسب بیان ادکار پوٹو کتب خانہ ابن الحمید کا بہت تم بھی تھا ابو الفضل  
ابن الحمید (متوفی ۸۳۶ھ/۶۹۷ء) بڑا صاحب علم و فضل تھا اس کے  
کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں سو اونٹوں کے بوجھ کی برابر تھیں  
جنہیں وہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ابن مسکویہ نے لکھا  
ہے۔

”اس وزیر کے مکان کو ڈاکوؤں نے اس قدر لوٹا تھا کہ پانی سینے  
کا ایک پیالہ اور سٹینچ کو چٹائی تک باقی نہ رہنے دی سین اے اسکی  
کچھ پرواہ نہ تھی اس کا دل تو اپنے کتب خانہ میں لگا ہوا تھا اس  
نے مجھ دیکھتے ہی کتب خانہ کی نسبت دریافت کیا میں نے عرض کی  
کتابیں سب کی سب بچ گئی ہیں اور ایک بھی گم نہیں ہوئی اس پر اس  
نے کہا واقعی تم بڑے نیاں شکوے ہو میں ہر چیز مل سکتی ہے مگر  
یہ کتابیں کہاں سے ملتیں میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر بشارت  
نمودار ہوئی۔“

خاندان یوریہ کے دربار میں صاحب ابن عباد کا کتب خانہ  
بھی اتنا بڑا تھا کہ اس میں صرف دنیا کی کتابیں چار سو اونٹوں کا بوجھ تھیں  
لکھ ادکار پوٹو ص ۱۰



اس وزیر کا نام ابوالقاسم اسماعیل بن ابوالحسن عباد اور لقب صاحب تھا۔ وزیر میں یہ پہلا شخص ہے جسے صاحب لقب ملا یہ عضدالدولہ کے بھائی مویدالدولہ کا وزیر تھا اس کے انتقال کے بعد فخرالدولہ کا وزیر ہوا صاحب ابن عباد دمشق میں ۳۸۵ھ/۷۹۵ء اپنے زمانہ کا علامہ تھا۔ اس کی تصنیف میں محیط (لغت مشہور) ہے۔ اس وزیر کو اپنے کتب خانہ سے اتنی محبت تھی کہ جب سامانی خاندان کے فرمانروا روح بن منصور نے اسے وزارت کے لئے بجایا تو اس نے یہ عہدہ قبول کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اسے اپنا کتب خانہ لے جانے میں بڑی دشواری ہوگی۔ ابن عباد کتب بینی کا بھی اتنا شائق تھا کہ سفر میں تیس اونٹوں پر کتابیں ساتھ رہتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ایرانی ممالک عراق، شام، ایران، خراسان، ترکستان اور افغانستان اسلام کے زیرِ نگیں آ کر علم و فن کے محزون بن گئے تھے ان علاقوں پر مختلف حکمران خانہ دان اموی، عباسی، سامانی، غزنوی، بویہ، سلجوقی، زنگی، ایوبی، خوارزمشاہی، تیموری، صفوی اور تاجپوری وغیرہ اپنے اپنے زمانوں میں حکومت کرتے رہے مگر اس دور کی تاریخ کا روشن پہلو یہ ہے کہ ہر عہد میں بحیثیت کتب خانے اہل علم و ادب کی موجودگی تھی آئے بے شمار محدث، فقیہ، صوفیاء، اولیاء، شاعر، ادیب، مولف، فلاسفہ، منجم و خطاط پیدا ہوئے جن کے نام رہتی دنیا تک تاریخ میں باقی رہیں گے۔

۱۔ تمام مسلم حکومتوں کی مختصر و سادہ تاریخ ۱۹۵۷ء (۱۳۷۷ھ) روایات اسلام نمبر ۱ میں دیکھیے

صرف ایران کو لیجے جہاں ظہور اسلام کے وقت ساسانی حکومت کر رہے تھے اگرچہ انھوں نے یہاں چار سو برس تک حکمرانی کی اور ان کو اپنی دولت و شہرت اور تہذیب و تمدن پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے آپ کو خداؤں کا خدا سمجھتے تھے مگر ان کی خدائی میں علم کا کچھ بھی بھلا نہ ہوا اور وہ بقول مؤرخین صرف دربارین اور مذہبی پیشواؤں تک محدود رہا جب عرب ایمان آئے اور انہوں نے ہندو کی جنگ میں ساسانی سلطنت کا چراغ گل کر دیا اس وقت ایران میں علم و ادب کی ترقی کا آفتاب طلوع ہوا اسلامی ایران میں وہاں کے قدیم علوم کو جو عروج و افراط میں عربی قالب میں ڈھال کر جس طرح سر بلند کیا گیا اس کی تفصیلات براؤن اور ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی کتابیں واضح اور جامع طور پر پیش کر رہی ہیں مثال کے طور پر بینا قاتانی کے صرف ایک شعر پر اتنا کیا جاتا ہے یہ اگرچہ شیراز کے متعلق ہے مگر حقیقت میں ایران کے دوسرے شہروں اصفہان اور تبریز وغیرہ بلکہ اس زمانہ کی اسلامی دنیا کے ہر شہر کی تصویر اس میں نظر آتی ہے۔

ہزار محفل و درہر یکے ہزار ادب و ہزار مدرس و ہر یکے ہزار اسفل

لے ہاوند کی جنگ حضرت عمرؓ کے عہد میں کی اس میں تقریباً تیس ہزار ایرانی مارے گئے اسی زمانہ میں کئی بڑے گیارہ چوبہاوند کی فتح سے پڑے و اق عجم مسلمانوں کے قبضہ میں گئے تھے اسی لئے اس طرح کو فتح انفتوح کہتے ہیں۔

Brown History of Persian literature. 4 vol

۱۵ تاریخ ادبیات ایرانی از ڈاکٹر رضا زادہ شفق مترجم سید مہدیزادین دہشت  
(دہدقا لصفین دہلی ۱۹۵۵ء) ۱۵ اسفار صحنی کتابیں۔

# قسطنطنیہ

علاؤ الدین نے لکھا ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سے زیادہ قابل فخر ہے وہ کتب خانے ہیں عیسائی مؤرخین کرمیزی اور سٹے اور لارینٹ وغیرہ نے بھی ترکی کی علم دوستی کی بہت تعریف کی ہے مصنف "دولت عثمانیہ" کا بیان ہے کہ سلطان احمد نے ازنیق میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو سلطنت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا چونکہ کتب خانے مدرسوں کا جزو لازم ہے اس لئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا سلطنت عثمانیہ میں کتب خانوں کے قیام کی ابتداء ترکی حکومت کے دوسرے بادشاہ احمد خان متونی (۱۳۵۹ء) کے عہد میں ہوئی تھی اس بعد دوسرے ترکی سلاطین اور دیگر اصحاب ذوق نے کتب خانے قائم کئے اور مدرسے کھولے کہا جاتا ہے کہ ترکی میں کوئی سلطان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے پیچھے ایک کالج نہ چھوڑا ہو اس طرح ہر دور میں تعلیمی کتب خانے موجود تھے خصوصاً سلطان محمد خاں ثانی (متونی ۸۱۴ھ) فاتح قسطنطنیہ کے عہد میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اس سلطان کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے تعلیم میں بڑی مالی حوصلگی سے کام لیا اپنی مملکت کے ہر قصبہ اور ہر شہر میں مدارس

(۱) History of the Ottoman Turks by Sir Edward S. Creasy. (۲) Turkish Empire by Everseley

(۳) Turkey by Sir George Larpent

یہ تفصیل کے لئے دیکھیے "علاؤ الدین" کا رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" اور ڈاکٹر محمد عزیز کی "دولت عثمانیہ" جلد دوم ص ۳۹۰ (مطبوعہ مزارت پریس عظیم گروہ ۱۹۴۳ء)

کھولے قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت آٹھ کالج تھے اور  
 سب کے ساتھ جداگانہ بورڈنگ ہاؤس تھے مصنف دولت عثمانیہ کے اس بیان میں  
 اتنا اضافہ کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ ان سارے مدرسوں کے ساتھ کتب خانے بھی موجود  
 کتب خانوں اور مدرسوں کو ترقی دینے میں سلیمان اعظم (متوفی ۱۰۶۶ھ) نے بھی  
 نمایاں حصہ لیا اس نے تعلیمی نظام کو اتنی وسعت دی کہ مکہ معظمہ میں بھی  
 چار مدرسے قائم کر دئے اس زمانہ کے کتب خانوں میں سلیمان اعظم رستم پاشا کا  
 کتب خانہ بھی تھا جس میں قرآن پاک کے چھ سو نسخے اور پانچ ہزار دوسری  
 کتابیں تھیں سلطان احمد ثالث (متوفی ۱۰۳۰ھ) کے عہد میں مطبع جاری  
 ہو جانے کی وجہ سے کتب خانوں کی ترقی کی راہیں کشادہ ہو گئیں محمود اول  
 متوفی ۱۰۵۴ھ نے قسطنطنیہ میں چارہ عظیم الشان کتب خانے قائم کئے اور  
 جامعہ لود عثمانی کی تعمیر شروع کی مگر اس دور میں کیمیا کی جنگ سے کتب خانوں  
 کی ترقی کی ساری تدبیریں خاک میں مل گئیں روسی فوجوں نے شہروں اور قصبوں  
 میں آگ لگا دی اور باشندوں کو تہ تیغ کیا قدیم یادگاریں بے رحمی کے ساتھ  
 مٹا دیں اور کتب خانے و مدرسے شعلوں کی نذر کر دیئے۔

لیکن ان مسلم انتقادات کی تلافی مصطفیٰ ثالث (متوفی ۱۰۳۰ھ) اور سلیم ثالث (متوفی  
 ۱۰۸۰ھ) کے عہد میں ہو گئی لکھا کہ مصطفیٰ کے زمانہ میں صرف حدود قسطنطنیہ کے اندر ۲۵۰ مدرسے  
 یا یونیورسٹریں تھیں کتب خانے تھے اس بادشاہ کے صدراعظم راغب پاشا بھی اپنی جیب خاص ایک کتب خانہ  
 عام قائم کیا تھا جو کتب خانہ راغب پاشا کے نام سے مشہور ہے سلطان سلیم ثالث کے عہد  
 میں بھی بہت سے نئے مدرسے قائم ہوئے اور ایک جدید بحری مدرسہ کھلا

اس دور کے کتب خانوں میں مدرسہ توحید کا کتب خانہ نہایت اہم تھا اس میں کتابوں کی تعداد تو صرف چار سو تھی مگر یہاں وہ تمام اہم کتابیں جمع تھیں جو یورپ میں جدید فنون جنگ اور ریاضیات پر لکھی گئی تھیں۔

اس موقع پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ترکوں کی عظیم الشان فتوحات سے ترکی کتب خانوں کو بے انتہا نفع پہونچا۔ سلطان محمد خاں ثانی نے ۱۵۲۴ء میں یسعی یورد کے مرکز قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تھا سلطان سلیم اول (متوفی ۱۵۲۰ء) کے عہد میں مصر شام اور حجاز بھی ترکی سلطنت میں شامل ہو گئے ۱۶۳۸ء میں مراد چہارم نے بغداد پر قبضہ کر لیا ظاہر ہے کہ ان فتوحات میں دولت بنی امیہ اور بنی عباس کا علمی اندوختہ ترکوں کے ہاتھ آیا ہو گا اور وہ کئی کئی کتابیں انھیں ملی ہوں گی جو کبھی بغداد، قاہرہ، دشت وغیرہ کے کتب خانوں میں تھیں جس کی تصدیق علامہ شبلی کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ ۱۸۹۲ء میں قسطنطنیہ گئے تھے انھوں نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ ”یہ شہر تمام اسلامی دنیا میں عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے یہاں ۱۵۴۴ کتب خانے ۱۶۴۴ مدارس قدیم ۵۰۰ مدارس جدیدہ اور ۱۲ کالج ہیں قسطنطنیہ کا شاہی کتب خانہ شبلی نے نہایت قدیم بتایا ہے اسی کھیلے سلطان اور امارار وغیرہ کے کتب خانوں کے نام بھی دیدے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

کتب خانہ جامع ایا صوفیہ کتب خانہ جامع بامزید کتب خانہ حمیدیہ  
کتب خانہ جامع محمد فاتح کتب خانہ علی پاشا شہید کتب خانہ لالہ بی

۱۔ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عمرج ص ۱۰۱ م ۱۰۲ سفرنامہ دوم و مصر و شام  
از شبلی نعمانی ص ۸۱، ۸۲ - ۹۱ (مجموعہ سید نامہ ہنگرہ - ۱۸۹۲ء)

کتب خانہ غلی علی پاشا، کتب خانہ ماسٹر آفندی، کتب خانہ سلیمانیہ  
کتب خانہ جامعہ والدہ سلطان، کتب خانہ شہزادہ و اماں ابراہیم پاشا  
کتب خانہ سلیمانیہ، کتب خانہ راغب پاشا۔

ان کتب خانوں میں بقول علامہ شبلی ستاروں کی مجموعی تعداد پچاسی ہزار تھی  
عہد عباسی میں یونانی اور مصری کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے ان میں سے  
کچھ اُس وقت تک یہاں محفوظ تھے عبد القادر جرجانی کی اسرار البلاغہ  
یا قوت حموی کی معجم الا بیاء البلاذری کی کتاب الاشرف اور امام بخاری کی  
تاریخ کبیر کے صحیح اور مستند نسخے یہاں شبلی کی نظر سے گزرے تھے وہ لکھتے ہیں کہ  
تاریخ و ادب کی نایاب تصنیفات اور مشہور حکماء اور آئمہ فن کی کتابیں جس  
کثرت سے یہاں موجود ہیں اور یہیں مل سکتیں امام غزالی، بوعلی سینا، فخر رازی اور  
فاریابی کی وہ کیا تصنیفات جن کے نام صرف ابن مفلحان وغیرہ کے ذریعہ  
سے معلوم ہوئے ہیں اکثر یہاں موجود ہیں۔ کتب خانہ ایاصوفیہ میں ایک  
جرمن شت شرق ہلمٹ رٹر (Helmuth Ritter) کو دیوان حافظ  
کا ایک نسخہ ملا تھا جس کی کتابت ۸۱۳ھ اور ۸۱۴ھ کے درمیان ہوئی  
تھی اور جو اس وقت تک دریافت شدہ نسخوں میں سب سے قدیم  
کہا جاتا ہے۔

یہ ہی وہ کتابیں ہیں جنہیں دیکھ کر بقول علامہ شبلی حیرت ہوتی ہے کہ ان کتابوں  
کے ایسے عجیب و غریب نسخے کہاں سے ہم پہنچائے ہیں۔

## شمالی افریقہ

شمالی افریقہ کے خشک صحراؤں میں مسلمانوں کے قدم سے علم و فضل کے جوتے پھلے تھے وہ کتب خانہ جامع زیتون تونس، کتب خانہ رباط مراکش، کتب خانہ مدرسہ تلمسان کی شکل میں آج تک موجود ہیں۔

افریقہ کو عقبہ بن نافع نے فتح کر کے ۵۵ھ/۶۷۵ء میں شہر قرطاج کی بنیاد ڈالی اور مسجد قیروان تعمیر کی۔ وہ اسلامی فطرو کو پڑھانے کی ایسی ٹرپ اور لگن رکھتے تھے کہ خشکی ختم ہونے کے بعد انھوں نے اپنا گھوڑا بحر اقیانوس میں ڈال دیا اور نعرہ تکبیر بلند کر کے کہا ”اگر مجھے مندر نہ روک لیتا تو میں خدا کا نام اور پیغام سارے مغرب میں پہنچا دیتا“ ان کے اس کارنامہ عجیب کو ڈاکٹر اقبال نے ”شکوہ“ کے ان اشعار میں قلمبند کر دیا ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دے گھوڑے ہم نے

افریقہ میں مسلمانوں کی آمد کے وقت زیادہ تر بربری قوم آباد تھی جو اپنی وحشت اور بربریت کے لئے مشہور ہے لیکن اسلام کے اثر سے یہ لوگ ہند اور شائستہ ہوئے اعدان میں پڑھنے پڑھانے اور کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہو گیا جب دوسری صدی ہجری میں افریقہ کا رشتہ عباسی سلطنت سے منقطع ہو گیا تو بربری خاندانوں (ادریسی، مرابطین، موحدین)

مری (حفصی وغیرہ) کی یکے بعد دیگرے حکومتیں قائم ہوئیں اور سیسی خاندان کے عہد (۶۸۸ھ/۶۷۵-۶۹۵ھ/۶۸۵) میں فاس آباد ہوا اور علم کا مرکز بن گیا تھا اس کے بعد چودھویں صدی عیسوی میں اسے اتنا عروج ملا کہ یہاں پانچ لاکھ باشندے اور آٹھ سو مسجدیں تھیں ان مسجدوں کے ساتھ سیکڑوں مدرسے اور کتب خانے ہوں گے بقول ڈاکٹر گستاوی بان فاس کا ایک کتب خانہ بیش بہا یونانی اور لاطینی قلمی کتابوں سے معمور تھا۔

مرابطین خاندان کے حکمران یوسف بن تاشقین (متوفی ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء) نے مراکش آباد کر کے اسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور وسط مغرب و الجزائر تک کا علاقہ فتح کر لیا اس کے عہد میں مراکش کے کتب خانے کافی ترن کر گئے تھے یوسف کی فتوحات شمالی افریقہ اور اندلس کے درمیان ایسے علمی رابطے پیدا کر دیے کہ اندلسی کتب خانوں کی بہترین کتابیں مراکش پہنچ گئیں جن سے یہاں کے کتب خانوں کے ذخائر میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا یوسف بن تاشقین نے نہ صرف تمام شمالی افریقہ پر حکمرانی کی بلکہ اندلس میں عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو پامال کر کے تمام اندلس پر قبضہ کر لیا تھا۔ یوسف اور اس کا جانشین علی دونوں بڑے عابد و زاہد اور علم پرور تھے مگر افراط و تفریط کی راہیں اختیار کرنے کی وجہ سے ان کی علم دوستی زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی ان کے عہد میں کتب خانے علم کلام اور فلسفہ کی کتابوں سے خالی ہو گئے کیونکہ ان بادشاہوں کا رجحان مالکی فقہ کی طرف حد سے زیادہ



تھا اور وہ فلسفہ و علم کلام کے اتنے شدید مخالف ہو گئے تھے کہ امام غزالی کی تصانیف لکھنے والین کو گردن زدنی قرار دے دیا تھا ان کا یہ طرز عمل بالآخر مرا بطین کی تباہی کا سبب بن گیا مورخ اکبر شاہنشاہ کا بیان ہے کہ ایک روز کسی نے امام غزالی سے کہا کہ علی بن یوسف بن تاشقین نے آپ کی کتابیں جلا ڈالنے کا حکم دیا ہے انھوں نے فرمایا کہ اس کا ملک برباد ہو جائے گا اور ابن تومرت جو اس وقت موجود تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ علی کے ملک و سلطنت کی بربادی اس شخص کے ذریعہ عمل میں آئے گی امام غزالی کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور مرا بطین کی جگہ موحدین آ گئے۔

موحدین کے عہد میں مراکش کے کتب خانے امام غزالی کی تصانیف اور فلسفہ و علم کلام کی کتابوں سے معمور ہو گئے اس زمانہ میں دینی علوم کے علاوہ فلسفہ نے بھی ترقی کی اور امام غزالی کی تصانیف جو مرا بطین کے عہد میں ممنوع الاشاعت قرار دیدی گئی تھیں اب آزادی سے پڑھی جانے لگیں۔ موحدین سلطنت کے بانی محمد بن عبد اللہ تومرت (متوفی ۵۲۲ھ/۶۱۳۹ء) نے علوم دینیہ اور فقہ وغیرہ کی تعلیم تو بغداد میں ابو بکر شاشی سے حاصل کی تھی مگر امام غزالی سے بھی کسب فیض کیا تھا اس نے بہدی کا لقب حاصل کر کے مرا بطین کے خلافت خروج کیا اور انھیں ختم کر کے موحدین کی سلطنت قائم کی اس کے جانشینوں میں عبد المومن (متوفی ۵۵۸ھ) ابو یعقوب یوسف (متوفی ۵۸۰ھ) اور ابو یوسف منصور (متوفی ۵۹۵ھ) کے زمانہ میں ان کی سلطنت جس کا مرکز مراکش تھا نہایت وسیع ہو گئی تھی اس میں پولو شمالی

افریقہ اور اندلس شامل تھے ان بادشاہوں نے اپنے علمی ذوق کی بنا پر جو کتب خانے قائم کئے ان میں ابو یعقوب کا کتب خانہ نہایت عظیم تھا اس بادشاہ کے عہد میں فلسفہ نے خصوصی طور پر غروج پایا ایک نہایت نامور فلسفی ابن طفیل کو اس نے اپنا طبیب خاص اور وزیر بنایا دو بولوں نے لکھا ہے کہ ابن طفیل کو انسانوں کی بہ نسبت کتابوں سے زیادہ محبت تھی اپنے آقا کے عظیم الشان کتب خانہ میں اس نے بہت سی کتابیں پڑھیں جن کی اسے اپنے فن کے لئے ضرورت تھی یا جن سے اس کے علم کی پیاس بجھتی تھی موحیدین خاندان کے فرماں رواؤں میں عبدالمومن دینی علوم سے زیادہ رغبت رکھتا تھا اس کے عہد میں جو کتابیں مراکش پہنچیں ان میں حضرت عثمان کے عہد کا ایک قرآن مجید بھی تھا جس کی عبدالمومن نے بڑی قدر اور تعظیم کی حسب بیان علامہ مقرئ اس قرآن پاک کو ایک عجیب و غریب طریقہ پر سونے جاندہ کا سے منہ لگا گیا۔ کناروں پر ایسے بیش قیمت یا قوت موتی زبرد سے کام کیا گیا کہ جو بہت کم بادشاہوں کے خزانے میں نکلیں گے آجوس اور دوسری قیمتی لکڑیوں کی ایک منقش چل بنائی گئی ایک تخت بنایا گیا جس پر یہ قرآن شریف رکھا جاتا تھا یہ تمام چیزیں جس میں اس کے علاوہ ایک صندوق بھی لایا گیا اور ایسا ہی ایک چار دیواری تیار ہو کر خانہ کو کھولنے سے قرآن شریف خود بخود کھل جاتا تھا اور بند کرنے سے بند ہو جاتا تھا یہ قرآن شریف حوالہ تمام چیزوں کے مراکش کی جامع مسجد میں رکھا گیا اور اس کی اتنی مرتبہ تلاوت ہوئی کہ جس کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لے تاریخ فلسفہ اسلام مصنفہ مرقہ دو بولہ (۱۹۲۴ء) ج ۱ (ترجمہ ڈاکٹر عبدالمومن)  
ص ۱۳۲ مطبع جامعہ ملیہ دہلی ۱۹۲۴ء لکھنؤ طبیب از علامہ مقرئ (اردو ترجمہ) ص ۳۲۰

مراکش میں مرینی خاندان کا حکومت ۵۹۱ھ میں قائم ہوئی اس  
خاندان کے حکمران عبدالحق (ستونی ۶۱۲/۶۱۳ء) کے عہد میں  
مدرسہ الصنفارین کا کتب خانہ ان کتابوں سے بھرا ہوا تھا جو  
سلطان موصوف نے اسپین کے مغلوب بادشاہ سانچو کے پاس سے طلب کی تھیں۔  
مرینی خاندان ۶۹۷ھ ۲ سال حکومت کی اس دوران میں ابوالحسن علی ابوعینان اسعد  
اور دوسرے بڑے بڑے بادشاہ گزرے جن کے عہد میں بھی مراکش کو علم و  
فضل کے مرکز بننے کا فخر حاصل رہا۔

تونس میں ابو ذکر کئی کا کتب خانہ سو برس تک ارباب ثقافت  
کو فیض پہنچاتا رہا شخصی خاندان کا یہ فرد تونس میں موحدین کا گورنر تھا  
مگر ۶۳۴ھ ۱۲۳۶ء میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے تونس کو  
پایہ تخت بنالیا تھا یہاں مختلف زمانوں میں سیکڑوں مسجدیں مدرسے اور  
ان کے ملحقہ کتب خانے رہے ان میں مدرسہ زیتون کا کتب خانہ اب  
تک موجود ہے آج سے کوئی ۲۰ سال قبل ایک بزرگ محدث محمد بن سہیم اشہابی  
المخزومی المدنی سیاحت کرتے ہوئے تونس پہنچے تھے انھوں نے اپنی سفرنامہ  
الرحلة الحجیة میں لکھا ہے کہ تونس میں ۱۳۶ مسجدیں ہیں ان میں  
مسجد زیتون سب سے بڑی مسجد ہے اس کا مدرسہ نہایت قدیم اور  
عظیم الشان ہے اس کے کتب خانہ میں قلمی اور مطبوعہ کئی لاکھ کتابیں  
ہیں جن میں شمالی افریقہ کے معروف مکتبوں کے کتب خانوں کی بھی کتابیں شامل ہیں۔

# اندلس

۵ شوال ۹۲۷ھ / ۱۱ کو طارق بن زیاد نے اپنی بارہ ہزار فوج سے عسایوں کے ایک لاکھ لشکر جبار کو شکست دیکر اندلس میں اسلامی سلطنت قائم کر دی یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں جہل و جہود کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں اور خلافتِ اسلامی علم و شہادت کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ علم کے نام پر ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے جاتے تھے اس ظلمت کدہ میں علم اور تہذیب کے چراغ پیسلے مسلمانوں کے روشن کئے جن کے دورِ حکومت میں اندلس کا ہر عہد علم و فن کا طہار وادی بن گیا تھا ان میں از الحلاذ قوطبہ کو خاص عظمت حاصل تھی اس چوبیس میل لمبے اور ساٹھ میل چوڑے شہر کی ہل لاکھ آبادی میں ۳۸۰ مسجدیں اور سیکڑوں مدرسے اور کتب خانے موجود تھے جن کا علمی فیض پورے مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ بقول ڈاکٹر اقبال

ہے زمینِ قوطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور بہ ظلمتِ مغرب میں چرخِ روشن تھا شمس ط

۱۱ طارق بن زیاد اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے گورنر ہونے کا آزاد کردہ غلام تھا یہی فوج کو لیکر جہاں اترتا تھا اسے پہلے طارق *de Hual* کہتے ہیں مورخ اکبر شاہ خاں کا بیان ہے کہ طارق نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ اندلس کی فتح کی بشارت دے رہے ہیں چنانچہ فتح کا یقین رکھتے ہوئے طارق نے اپنے جازروں کو آگ لگا کر وہ اسی کے راستے بالکل بند کر دیئے تھے ۱۱ عسائی کلیسیا کی تعلیم دشمنی کے بھیانک نمونے "اعلم و انحلل" (مطلوبہ عندہ انصاف دہلی) میں راج ہیں ان میں کچھ ہندو بھی داخل ہیں یہ ناظرین کے جاتے ہیں لکھا ہے کہ اس شخص پر علم دوستی کا خدا بھی شہ ہوتا اسے یونان کی قائم کردہ مجلس تفتیش و احتساب (Enquidment) فوٹو گرفتار کر لیتی اور جرم ثانی سے بیکور قبضہ قتل اور زندہ بچاؤ دینے تک کی سزا سنائی جاتی تھی احتساب کی سزا کو کاپی حال تھا کہ اس سزا میں ۱۰۰ تا ۱۰۰۰ تک تین لاکھ تیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں ان میں تیس ہزار آدمی ایسے تھے جنہیں زندہ بچاؤ والا گیا اسپین کے محکمہ احتساب نے اپنی پہلی سالگرہ اس کا رٹے کرسانی کی بارہ ہینہ میں دو ہزار آدمیوں کو زندہ بچایا اور سترہ ہزار کو بھاری جرم ثانی اور جرمِ عام کی سزائیں دیں۔

## کتاب خانے

**کتاب خانے** | تاریخ کہتی ہے کہ اسلامی اُنڈس میں صرف کتب خانے ہی قائم نہیں ہوئے بلکہ علم پر دربادشاہوں بالخصوص عبدالرحمن اول ہشام اول حکم اول عبدالرحمن ثانی عبدالرحمن ثالث اور حکم ثانی کے عہد میں علم و فن کے ہر شعبہ کے بے انتہاء رواج پایا اقدیم اسی پھیلتی کہ بقول مورخ ڈوری ہسلائی اُنڈس میں ہر شخص لکھنا پڑھنا جانتا تھا یہیں مسیحی یورپ میں سوئے بڑے رُج کے لوگوں یا پادریوں کے سب ناخواندہ ہوتے تھے کہتے ہیں کہ قرطبہ اشبیلہ طلیطلہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں شاندار کتب خانوں اور اعلیٰ درجہ کی لیبیریوں سے معمور تھیں صرف قرطبہ میں ۷۰۰ اور غرناطہ میں ۱۳۰۰ مدرسے تھے کتب خانوں کی تو کوئی انتہا نہ تھی اسی تخصیصی شخصی نام غرض ہر قسم کے کتب خانے موجود تھے ایک شہر غرناطہ میں نام کتب خانوں کی تعداد ۷۰۰ تھی اسکاٹ نے لکھا ہے :-

کوئی بڑا شہر یا سہ ہوتا تھا جہاں تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے کے لئے کتب خانہ، ایک حتمہ و کتب خانہ ہوتا ہو، ان کتب خانوں کی، عمارت یا سہرے کے لئے جو ان سے مستفید ہونا چاہتا تھا بھی رہتی تھیں۔ فن دورِ فہرستیں ہر کتب خانہ میں ہوتا رہتی تھیں تاکہ ہر شخص کو تمام کتابوں کے نام اور ان کے مصنفین کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ بہت سی کتابیں مطلقاً ذخیرہ ہو جاتی تھیں۔ کتابوں کی جلدیں خوب دھو دھو کر رکھی جاتی تھیں۔

۱۔ اموی عیض ہشام کا پوتا عبدالرحمن بن معاویہ کے حکم پر جسے پھر معتصم بن سنان جو اندلس پہنچا اور یہاں اس نے ایک نئی اموی سلطنت قائم کی جو ۳۰۳ھ (۹۱۵ء) سے ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) تک رہی اس کے بعد دوسرے خلفائے حکومت کرتے ہوئے آخر کار انیس جلد کوہ ص ۱۳۰ تک علوم لایب : زحرجی زیدان ص ۲۳۳ تہ : خاندانہ اس جلد ص

لیکن کتب خانوں کے لحاظ سے قرطبہ کو سب سے زیادہ پر فضیلت سمجھا جاتا ہے۔  
علامہ مقرئ نے بڑی لکھپ بات کہی ہے کہ جب کوئی عالم اشبیلیہ میں رہتا ہے تو اس کی  
کتابیں فروخت ہونے کے لئے قرطبہ میں آتی ہیں اور جب کوئی مطرب قرطبہ میں مرتبہ  
تو اس کے آلات اشبیلیہ جا کر بچتے ہیں۔ اسی مورخ کا بیان ہے :-

"بلاد اندلس میں سب سے زیادہ کتابیں قرطبہ (قرطبہ) میں کتب خانے رکھنے میں یہاں کو  
لوگ سب سے بڑے گئے ہیں کتب خانہ کا ہونا نشان ریاست سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ  
بہت سے رئیس ایسے ہیں کہ جو خود عالم نہیں ہیں مگر وہ فخر کرتے ہیں کہ ان کے مکان میں  
کتب خانہ موجود ہے رور و کاند کوہ اطلح ہوتا ہے کہ فلال کے یہاں کتب خانہ  
ہے فلال کتاب فلال شخص کے کتب خانہ میں ہے اور فلال رئیس نے فلال شخص کے  
ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ایسی گراں قیمت میں خریدی ہے۔"

**الحکم کا کتب خانہ** | اندلس میں کتب خانوں کی تحریک سب ہی بادشاہوں  
کے عہد میں چلی پھولی مگر اس باب میں خلیفہ الحکم ثانی  
(متوفی ۳۶۶ھ/۹۷۶ء) سب پر سبقت لے گیا وہ کتابیں جمع کرنے کا ہر شاہی صاحب  
بیان مورخ دوقتی الحکم کے برابر کوئی عالم و فاضل بادشاہ اسپین میں نہیں گذرا نہ  
علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت حاصل ہوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں  
الحکم نے قرطبہ میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا مورخین اس کی بہت تعریف کی ہے علامہ جرجی زیلا  
نے کہا ہے کہ یہ کتب خانہ تمام قدیمی اسلامی کتب خانوں سے سبقت لے گیا تھا۔ مورخ  
اسکاٹ کا بیان ہے کہ یہ وہ خزانہ تھا جو علماء کو محفوظ کرتا اور جاہلون و دہمیوں کو  
متحرک اس کتب خانہ میں عربی، یونانی، عبرانی وغیرہ کی چار لاکھ کتابیں جمع تھیں جن کی

بہرست چالیس جلدوں میں تھی۔

کتب خانے میں سیکڑوں کاتب اور جلد ساز اور دوسرے ملازمین کام کرتے تھے ان اخراجات کے لئے باقاعدہ بجٹ بنتا تھا جس کا خاکہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے اس میں ثقلیٰ بخاری اور قیاس بن عمر جیسے مشہور خوشنویس کتابت کی خدمت پر مامور تھے جن کی انکم بڑی قدر کرتا تھا۔ کتب خانہ کے ہتم کا عہدہ انکم کی نظر میں اتنا اہم تھا کہ اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو اس پر مقرر کیا تھا ان کے علاوہ علیہ السلام نے بھی یہ خدمت انجام دی تھی۔

لیکن یہ دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے کہ اس کتب خانہ کی چار لاکھ کتابوں میں بہت سی کتابیں ایسی تھیں جن کا انکم نے مطالعہ کیا تھا اور ان پر مفید حواشی لکھ کر کتب خانہ کی افادیت کو دوبالا کر دیا تھا۔ علامہ مقرئ نے لکھا ہے کہ انکم کی عادت یہ تھی کہ جس کتاب کو وہ پڑھتا اس پر مصنف کا شجرہ نسب اس کا مولد اور اس کی وفات بھی لکھ دیا کرتا تھا۔

انکم کی علم و ادب اور کتابوں کی شغف کی ضرب الشیخ بن گنی تھی وہ متعدد ازبکوں سے علماء اور کتابوں کے آئے کامانہ ہندو مت تھا ابن بیث احمد بن سید جلالی، محمد بن یوسف وراق اور طرجمہ بن فرج یعقوب بن سید جیسے زبردست عالم انکم کے دربار کا ذینت تھے کتابوں کی فراہمی کے لئے انکم نے تمام مراکز میں اپنے گمانستے مقرر کئے جو اس کے لئے کتابیں خرید کر بھیجتے تھے اور جن کی قیمتیں وہ بڑی فیاضی کے ساتھ ادا کر کے گمانستوں اور مصلفین کے وصلے بڑھاتا رہتا تھا ایک بار اس نے ابو الفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) کو

لے نفقہ الطیب از علامہ مقرئ (اردو ترجمہ) ص ۱۸۰

کتاب الاغانی کے صلہ میں ایک ہزار دینار بھیجے تھے یہ عرب شاعری سبقتی کے متعلق معلومات کی مشہور و مستند کتاب ہے جس میں محبینوں اور شعراء کا تفصیل سے ذکر ہے

الحکم جیسے علم پرور بادشاہوں کے عہد حکومت میں تمام بڑے بڑے شہروں میں عام کتب خانے کھلے ہوئے تھے ہر امیر و غریب کو کتابیں جمع کرنے کا شوق ہو گیا تھا شہزادہ احمد کی بیٹی عالیشانہ کا کتب خانہ تمام اندلس کے نفیس و مکمل کتب خانوں میں سے ایک تھا قرطبہ کے تاحی الومطرون کا کتب خانہ اتنی نایاب کتابوں سے پر تھا کہ جب یہ دنیا ہوا تو اس کی قیمت چالیس ہزار دینار (یعنی دو لاکھ باسٹھ ہزار روپیہ سے زائد) وصول ہوئی۔ قرطبہ کے ایک غریب مدرس علامہ محمد بن حرم کا کتب خانہ اس قدر نفیس تھا کہ اکثر اہل علم اس پر رشک کیا کرتے تھے علامہ محمد بن حرم کتابوں کے معاملہ میں بڑے فیاض تھے انھوں نے ارباب علم کو اپنے کتب خانہ سے مستفید ہونے کی اجازت دے دی تھی ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اندلس کے سب سے بڑے محدث، فقیہ، عالم، مورخ اور ماہر اسباب تھے انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں کی ایک کتاب "مراتب الایمان" کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خواجہ بخش بانگی پور میں ہے۔

اندلس کی سلطنت میں ضعف آجانے کے بعد چھوٹے چھوٹے خود مختار بادشاہوں نے اپنی حکومتوں میں مدرسے اور کتب خانے کھول کر علم و فن کی لہ نقیض کے لئے دیکھے جلد علوم اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۲۳ (ادارہ علوم اسلامیہ ریونیوٹی لائبریری)



سرپرستی جاری رکھی ان میں سلطان بطیمین مظفر بن الفطس کا کتب خانہ بہت بڑا تھا ایک ادیب اور مصنف کی حیثیت سے اس سلطان کا مرتبہ نہایت بلند ہے اس کی تصنیف المظفری پچاس جلدوں پر مشتمل ہے المیر یا کے حکمران زہیر کے وزیر ابن عباس کا کتب خانہ نہایت عالی شان تھا اس میں بے شمار رسائل کے علاوہ چار لاکھ کتابیں تھیں یہ وزیر نہایت جید عالم اور بہت بڑا خوشنویس تھا اس کے کتب خانہ کی شان اور خوبصورتی نسبت اسکاٹ نے لکھا ہے۔

”ابن عباس کے محل پر کوئی حصہ اس پر تحفہ اور شاندار نہ تھا جتنا کہ کتب خانہ اور ریاں و مستودار لکڑی کی تھیں اور ان میں ہاتھی دانت سرپ اور گھوڑے کی کھوپڑی سے بہت کاری کی ہوئی تھی۔ نام کمرے میں سونے کا کام تقادیواروں میں سفالی کی انشیں تھیں جس سے تمام کمرہ چمکتا تھا اور فرش سنگ مرمر کا تھا وہ اپنی فرصت کا وقت اس وایشان کتب خانہ میں گزرتا تھا“

جس طرح بغداد دمشق اور  
اندلسی کتب خانوں کا اثر یورپ پر  
ایضاً میں ایک علمی و ادبی خفا پیدا کر دی گئی اسی طرح اسلامی اندلس کے عربوں نے عبرت لے کر اس جگہ شام (۳۳) (عالی اکیڈمی پاریس ۱۹۲۹)

(Spanish Islam by Reinhart Dozy) کا اردو ترجمہ محمد عنایت اللہ (م) اخبار الاندلس جلد دوم ص ۱۲۶



آلات ثابت ہوئیں کہتے ہیں کہ دوسرے اصلاح مذہب کی جو تحریک پرولٹینٹ  
 (Protestantism) کے نام سے جاری کی تھی وہ بڑی حد تک اس  
 بیداری کا نتیجہ تھی جو علم حکماء کی تصانیف کے اثر سے پیدا ہوئی تھی۔ ایک  
 عرب جغرافیہ داں اور سیسی کی تصانیف نے جولاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں  
 جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمندہ متوسط میں پھیلا یا۔ بحری دنیا میں ابن ماجہ کی  
 تصانیف اور اس کے تجربات پسند رہیں صدی عیسوی سے انیسویں صدی  
 کے وسط تک جہاز راؤں کے لئے صحیح راہ کا کام دیتے رہے ایک پرنگالی  
 جہاز راں واسکو ڈی گاما نے اپنے بیڑہ کو مشرقی افریقہ کے ساحل مالندی  
 سے ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ تک پہنچانے اور ساری دنیا کا چکر  
 لگانے میں ابن ماجہ کی تصانیف اور معلومات سے بہت کچھ استفادہ  
 کیا تھا کوکلبش نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس نے نئی دنیا  
 یعنی امریکہ کے دریافت کرنے میں ان نظریات و قیاسات سے بڑا  
 فائدہ اٹھایا ہے جو عربوں نے اپنی تصانیف میں پیش کئے ہیں۔

۱۵۴۶-۱۴۸۳) MARTIN LUTHER لے ایسی کا مشہور دوسرے  
 تصنیف "تہمتہ اشتقاقی اختراق الآفاق" ہے جو ۱۵۴۹ء (۱۵۲۶ء) میں لکھی گئی۔  
 لے ابن ماجہ کے مفصل حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ رسالہ برہان دہلی مارچ ۱۹۰۶ء  
 لے واسکو ڈی گاما (VASCO DA GAMA) ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء کو کالی  
 پو پانٹاش Christopher Columbus (۱۵۰۶-۱۴۵۱)

عیسائی مؤرخین گنہ گین پل اسکاٹ، موسیولیان وغیرہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی درسگاہوں اور ان کی تصانیف کی بدولت وہ اسباب اہم ہوئے جن کے اثر سے یورپ جہالت کی تاریکی سے نکلا اور اُس دور ترقی کا آغاز ہوا جو نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نام سے مشہور ہے موسیولی بری لکھتا ہے کہ اگر عربوں کا نام تاریخ سے نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدیوں پیچھے ہٹ جاتی موسیولیان کہتا ہے کہ یونان کی تصانیف کا علم ان کے عربی ترجمہ ہی کے ذریعہ سے پھیلا ان ہی ترجموں کی بدولت وہ تصانیف قدیم ہم تک پہنچی ہیں جن کی اصلیں بالکل تلف ہو گئیں اور دنیا کو عربوں کا مسنون ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اس ذخیرہ بے بہا کو تلف ہونے سے بچایا مگر ان باتوں کا ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں ہے ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اندلسی کتب خانوں کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ اُس قوم کا ہے جسے مسلمانوں نے علم و تہذیب کی لختیں بخشی تھیں

اندلس میں مسلمانوں کی حکومت  
اندلسی کتب خانوں کی تباہی  
 اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کے کتب خانوں پر بھی تباہی آگئی خلیفہ حکم ثانی کا کتب خانہ اس کے بیٹے ہشام کے عہد میں برباد ہونا شروع ہو گیا تھا وزیر ابن ابی حاکم ہشام کی منسی سے فائدہ اٹھا کر سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا اور عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے اس نے اہل بن زکوان اور زبیدی

لے تھو عرب اندلسی کتب خانوں کی تباہی

جیسے علماء کو ہدایت کی کہ وہ فلسفہ و ہیئت قسم کی کتابیں جن کا پڑھنا  
 مذہباً جائز نہ ہو کتب خانہ سے خارج کر دیں جب یہ کتابیں علیحدہ  
 کر دی گئیں تو ابن ابی عامر نے انہیں جلوا دیا اور خود اپنے ہاتھ سے  
 کچھ کتابیں آگ میں ڈال دیں تاکہ لوگ اسے راسخ العقیدہ مسلمان سمجھیں۔  
 اس کے بعد جو کتابیں بچیں وہ بربری حملہ کے وقت تباہ ہو گئیں اس موقع  
 پر کتابوں کے بہت سے ذخیرے برباد ہوئے اسکاٹ نے لکھا ہے  
 کہ ”وحشیان بربر نے جب قرطیہ کو لوٹا ہے تو ان لوگوں نے کتابوں کی  
 بے بہا جلدیں اکھاڑ کر اپنے جوتے بنائے۔ جو انور صفت حملہ آوروں نے  
 سوز اور جوہرات جلدوں پر سے آثار کر کتابوں کو پامال کرنے کے لئے  
 ادھر ادھر پھینک دیا۔“

اندلس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد سچی رہنماؤں نے  
 علم و شہنشاہی اور وحشت و بربریت کا ایسا نمونہ پیش کیا جسے علمی دنیا کبھی نہیں  
 بھول سکتی انھوں نے اسلامی اندلس کے سارے کتب خانوں کو یک لخت  
 مٹا دیا۔ اپنا مذہبی فریضہ قرار دیا اور اس کا نام عمل ایسا لیا  
 (Auto De Fe) رکھا اب اندلس میں علم سوزی کا بازار لگا  
 کھتا اور مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی ثقافت کے بے بہا خزانے تباہ کئے  
 جا رہے تھے۔ تمام بلاد اندلس میں جو کتابیں برباد کی گئیں ان کا تو کوئی حصہ  
 بچا ہی نہیں صرف ایک شہر غرناطہ میں جو کتابیں اسپین کے مستشرق  
 فرانسیسکو شیمنس نے جمع کر رکھی تھیں ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ عیسائیوں  
 نے Francisco Ximenes de Cioner

نے ۸۹۷ھ (۱۴۹۱ء) میں غرناطہ پر قبضہ کرنے کے بعد ایک طرف مسلمانوں کو  
چن چن کر قتل کیا دوسری طرف یہاں کا شاہی کتب خانہ جلایا انھوں نے  
اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشیں لیں اور عربی زبان  
کی جس قدر کتابیں ملیں وہ ضبط کر لیں اس طرح تقریباً دس لاکھ کتابیں جمع  
ہوئیں لکھا ہے کہ غرناطہ میں کتابوں کے انبار دس روز تک برابر جلتے رہے۔  
علوم و فنون کے اس قیمتی ذخیرے کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے مورخ  
اسکاٹ لکھتا ہے...

”اس وحشیانہ فعل سے مالی نقصان تو بہت ہوا ہی تھا مگر اس  
کا ہنس اثر جو سو سائٹی پر پڑا وہ بالکل ناقابل بیان ہے اس سے  
وہ یگانہ روزگار علمی یادگاریں تباہ ہو گئیں جن کا بدل ناممکن ہے  
گھڑی بھر میں اس (سٹیمش) نے صدیوں کا جمع کیا ہوا وہ  
بیش بہا خزانہ خاک سیاہ کر دیا جس سے زمانہ حال کے مورخ  
مسلمانانِ اندلس کی تہذیب کے متعلق ایسے مآخذ پیدا کر سکتے تھے  
جن کا علمی دنیا میں اب پتہ لگانا بالکل ممکن نہیں ہے۔“

یہ ہی مورخ دوسری جگہ لکھتا ہے کہ اس عجیب و غریب طعنت (اثر)  
کی تباہی صرف اسی نہیں ہے جو مسلمانوں ہی کو خون رلائے یہ ایسا بد  
واقعہ اور ایسی مصیبت ہے جس پر نہ صرف زمانہ حال بلکہ زمانہ آئندہ  
کے علم و دستوں کو آنسو بہانے چاہئیں۔“

۱۰ مسلمانوں کا عروج و زوال از مولانا سید احمد ص ۱۹۸۔

# حصہ دوم

ہندوستان کے اسلامی کتب خانے

(ہند کے عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کا ایک جائزہ)

# ہندوستان کے مسلم عہد میں

## کتب خانوں کا قیام اور نظام

مسلمانوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی آمد سے سیکڑوں برس پہلے عہد قدیم میں ہندوستان علم ہیئت، طب، الہیات اور فن سنگ تراشی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ پنجاب میں ہڑپا، سندھ میں موہن جوڈارو کے کھنڈرات اور دکن میں اجنتا اور ایلوما کے غار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ہزاروں برس قبل ہندوستان نے سنگ تراشی، نقاشی اور مصوری کے فن میں بہت ترقی کرنی تھی خصوصاً موریہ اور گپت خاندان کے عہد میں یہاں علم و ثقافت کے بہت سے اہم کام انجام پائے۔ چندر گپت موریہ کے وزیر چانکیہ یا کوٹلیہ نے "ارتھ شاستر" تصنیف کی۔ گپت عہد میں کالیداس نے اپنا مشہور ڈراما "شکنتلا" لکھا۔ اس زمانہ میں تعلیم کے کئی مراکز اور

۱۔ بادشاہ ۳۲۱ ق۔ م میں تخت پر بیٹھا تھا۔  
۲۔ گپت خاندان نے ۳۲۰ سے ۶۰۰ تک حکومت کی۔





مسلمانوں کی آمد کے بعد اقدیم ہندوستان کی ان علمی سرگرمیوں کو دیکھنے کے بعد بھی یہ حقیقت نہیں جھٹلائی جاسکتی کہ اُس زمانہ میں یہاں علمی اور کتابی ذوق عام نہ تھا اور علم ذات پات کے جال میں پھنس کر ایک مخصوص طبقہ کی ملکیت بن گیا تھا مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں علم کی توسیع و اشاعت ہوئی اور سیاسی وحدت کے ساتھ لسانی وحدت و ذہنی بیداری کے بھی سامان فراہم ہوئے اور ایک نئی تہذیب ظہور میں آئی جس کی توانائی و رعنائی کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر سرمہا سی رائے نے اپنے خطبہ میں کہا ہے۔

”یہ صحیح نہیں کہ مسلمان ہندوستان میں آکر صرف بس گئے ہیں اور انھوں نے کچھ کیا نہیں بلکہ اس کے برخلاف انھوں نے یہاں کے فنون لطیفہ، ادب اور فن ملک دامی میں بیش بہا انسانے کئے ہیں۔ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی پیچ در پیچ کچھی تہ و تنگ و تنگ کے جوہیت سے دھاگے نظر آتے ہیں وہ ذہانت اسلامی ہی کا نتیجہ ہیں۔ عروس ہند کو مسلمانوں نے جو لباس و زینت پہنایا ہے اُنرا نام لیا جائے تو وہ کسی حقیر و غلام نظر آنے لگے۔“

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان علمی و ثقافتی ترقیوں کے لئے ہندوستان براہ راست اسلامی تعلیم کا احسان مند ہے۔ مذہب اسلام نے مسلمانوں میں

علم کی اشاعت کا جو ذوق و شوق پیدا کر دیا تھا وہ مسلم مشائخ، علماء اور دانشمندیوں کے ساتھ پہاڑوں، ریگستانوں، دریاؤں اور سمندروں کو عبور کرتا ہوا ہندوستان پہنچا اور یہاں ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس میں کتابوں کا استعمال عام کرنے اور مدرسوں اور کتب خانوں کے ذریعے علم کو پھیلانے کا شعور اور رجحان جاگا، بڑھا اور پھیلا۔ چنانچہ مورخ حادونا تھ سرکار نے لکھا ہے :-  
 ”کتابوں کو نقل کر کے تقسیم کرنے اور علم کی عام اشاعت کے رواج کے لئے ہم اسلامی اثرات کے رہن منت ہیں در نہ پرانے ہندو مصنفین تو اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو خفیہ رکھنے کے شہنائی تھے۔“

لیکن یہ واضح رہے کہ مسلمانوں کی آمد کے اثرات صرف کتابوں کی اشاعت ہی تک محدود نہ رہے بلکہ انھوں نے ہندی تہذیب و تمدن کے ہر گوشہ کو منور کر دیا مثلاً سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک مقالہ میں ان اشیا کی مفصل فہرست دی ہے جو مسلمان اپنے ساتھ لے کر ہندوستان آئے تھے اور جن سے یہ ملک پہلے بالکل نا آشنا تھا۔ ہندوستانی زندگی پر مسلمانوں کے جو اثرات پڑے ان سب کا ذکر یہاں ناممکن ہے صرف زبان کو لیجئے جو تہذیبی لین دین کا سب سے واضح ذریعہ ہے مسلمانوں کی آمد کے وقت یہاں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی تھیں لیکن اس کثرت میں وحدت کا

*India Through The ages by Jadunath Sarkar*

P. 52 (Sarkar & Sons, Calcutta, 1950)

۱۷ ”ہندوستان میں ہندوستانی“ مقالہ ابن اودنئے ص ۱۳۱ ”اسلام یونیورسٹی کے جلسہ میں پڑھا گیا اور ۱۹۳۴ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔“

ہنگ ہندو اور مسلمانوں کے معاشرتی اختلاط سے ابھر اور ایک نئی زبان وجود میں آئی جو مختلف مدارج ملے کر کے اُردو کہلائی۔ اس لسانی انقلاب نے ہندوؤں کی مذہبی شعور کو بھی متاثر کیا۔ الفاظ خیالات کا حصار کھسے جاتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کی زبان کے ساتھ اسلامی افکار بھی غیر ارادی طور پر ہندوستان آگئے اور جب عربی و فارسی الفاظ یہاں کی مقامی زبانوں میں گھل مل گئے تو قدرتی طور پر اسلامی فکر کے اثرات بھی ہندوؤں کے دل و دماغ پر پڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے دل میں اپنے ہزاروں سال پرانے مذہب کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو گیا اور ہندو مذہب کے بہت سے اصلاحی فرقے مثلاً بھگتی تحریک، برہمو سماج اور آریہ سماج وغیرہ وجود میں آئے ہندوستان کی مذہبی فکر اسلامی توحید سے جس طرح متاثر ہوئی اس کے نقوش نامدیو (مرہٹی شاعر) کبیر داس اور گردنامک جیسے بزرگوں کی تعلیمات میں صاف نظر آتے ہیں۔ کبیر داس نے بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے بڑے لطیف و مؤثر انداز میں کہا ہے :-

پاہن پوجے ہری ملین تو میں پوجوں پہاڑ۔ تاتے یہ چاکی بھلی، پیس کھائے سنار<sup>۱</sup>  
 ۱۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سوسوتی راجل نام محل شکر کے بت پرستی سے بیزار ہونے کا یہ سبب بتایا جاتا ہے کہ ایک رات وہ شیوجی کے مندر میں پوجا کرنے گئے اس وقت جبے بت پرستوں سے تھے۔ اپنے سجدوں کی اس بے بسی نے ان کو اس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے بت پرستی چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

۲۔ اگر پتھر پوجنے سے خدا ملتا تو میں پہاڑ کو پوجتا۔ اس سے تو یہ چکی بھلی جس سے لوگ پیس کر کھاتے ہیں۔

## مسلمانوں کے عہد میں

### کتابیں جمع کرنے کا ذوق و شوق

ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد اس لحاظ سے ہمیشہ یادگار ہے گا کہ ان کے عہد میں مدرسوں اور کتب خانوں کے قیام کا اہتمام نہایت وسیع پیمانے پر ہوا اور کتابیں جمع کرنا ایسا محبوب مشغلہ بن گیا کہ جس کی نظیر اس سے قبل ہندوستانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کا قدم سرزمین ہند کے جس مقام پر پہنچا وہاں مسجدیں تعمیر ہوئیں اور مسجدوں کے زیر سایہ مدرسے کھلے ان کے علاوہ علماء اور امراء کے مکانوں کے ساتھ بھی مدرسے ہوتے تھے اور ہر مدرسہ سے چھوٹا یا بڑا کتب خانہ ملحق ہوتا تھا اور شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو کہ جس میں حدیث و وظائف، شعر و شاعری اور قصے کہانیوں کی کچھ کتابیں جمع نہ ہوں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کتابیں جمع کرنے کا ذوق بھی اسلامی تعالیم کے اثرات کا رہین منت ہے جس کی ایک روشن مثال مولوی خدابخش (بانی اور نیٹل لائبریری بانگی پور) کے ایک خواب میں نظر آتی ہے۔ مولانا موصوف کتابیں جمع کرنے کا

جو والہانہ جذبہ رکھتے تھے اس کی تہ میں تعلیم محمدی اتنی قوت کے ساتھ کلام کر رہی تھی کہ ایک بار انھیں خواب میں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم ان کے کتب خانہ میں تشریف لائے ہیں۔

خدا بخش مرحوم کہتے ہیں ”ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کتب خانہ سے لگی ہوئی گلی میں لوگ کچھا کچھ بھرے ہوئے ہیں میں بھی گھر سے نکل پڑا۔ لوگ چلانے لگے۔ رسول اللہ صلعم، تمہارے کتب خانہ کی سر کیلئے تشریف لائے ہیں تم کہاں ہو“

”میں اُس کمرے کی طرف دوڑا جہاں قلمی کتابیں رکھی تھیں، اس وقت رسول اللہ صلعم تشریف لے جا چکے تھے لیکن حدیث کی دو قلمی کتابیں میز پر کھلی رکھی تھیں، لوگوں نے بتایا کہ ان دونوں کو رسول اللہ صلعم ملاحظہ فرمائے تھے“

اس خواب سے متاثر ہو کر ان دونوں کتابوں پر مولوی خدا بخش مرحوم نے یہ نوٹ لکھ دیا ہے کہ انھیں کسی حالت میں بھی کتب خانہ سے باہر نہ لیجا یا جائے۔

اس مثال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتابیں جمع کرنے کا ذوق مسلم عہد میں اتنا شدید اور مستحکم ہو چکا تھا کہ ۱۵۰۰ء کی خون ریزیاں بھی اسے کم نہ کر سکیں۔ تاہم پنج گواہ ہے کہ اس ذوق کی جڑیں گہری اور مضبوط کرنے میں مسلم بادشاہوں اور امیروں نے اپنی دولت بڑی فراخ دلی سے صرف کی تھی۔ عہد مسلم کے ہندوستان میں بادشاہ، امراء اور عوام سب کتابیں جمع کرنے اور مدرسے قائم کرنے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

دہلی سلطنت میں یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ مدرسوں اور کتب خانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی مغلیہ عہد تو اس اعتبار سے عہدِ بدیں کہا جاسکتا ہے۔ کتب خانوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی اسی زمانہ میں ہوئی۔ بعض مغل بادشاہوں کے کتب خانے پوری دنیا میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ہمایوں کا کتب خانہ اس لئے نادر کہا جاتا ہے کہ اس میں ریاضی اور نجوم کی نایاب اور منتخب کتابیں جمع تھیں۔ اکبری کتب خانے کے یکائے روزگار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خود مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں کثیر تعداد میں جمع تھیں۔ جہانگیر کا کتب خانہ آرٹ کی کتابوں کا بے بہا خزانہ تھا۔ عالمگیر کا کتب خانہ اسلامیات کی کتابوں کا مخزن ہونے کی وجہ سے بے نظیر تھا۔ شہزادیوں کے کتب خانوں میں زیب النساء کا کتب خانہ نہایت عمدہ تھا۔

شاہانِ دہلی کی مملکت کے علاوہ خود مختار حکومتوں دکن، گجرات، بنگال، کشمیر، اودھ وغیرہ میں بھی گراں قدر کتب خانے موجود تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بادشاہ علوم و فنون کے بڑے سرپرست تھے ان میں سے ہر فرماں روا علم کی سرپرستی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا۔

ہندوستان کے عہدِ اسلامی میں گشتی کتب خانوں (Mobile Libraries) کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ ہمایوں کا بے سرو سامانی کے عالم میں کتابوں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے مارے مارے پھرنا۔ جہانگیر اور عالمگیر کے

ساتھ مہیات کے دوران میں کتابوں کا ہوتا۔ بیجا پور کے فرمانروا علی عامل شاہ  
کتابوں کو اپنا رفیق سفر بنا کر کتب خانوں کی تاریخ کے اہم واقعات ہیں۔

ہندوؤں کا کتابی ذوق اس سے بھی اہم اور لائق ذکر بات ہے کہ  
اسلم دور حکومت میں کتابیں جمع کرنے کا شوق صرف مسلمانوں تک  
محدود نہ رہا بلکہ ہندوؤں میں بھی پھیلا۔ تاریخ شاہ ہے کہ مسلمانوں نے  
ہندوؤں کے علوم کی حفاظت کرنے میں کسی تعصب سے کام نہیں لیا اور  
تعلیم کے معاملہ میں ذات، پات اور مذہب و ملت کی کوئی تفریق نہ رکھی۔  
انھوں نے سنسکرت کی کتابوں کے تراجم کرائے، ہندوؤں کی تعلیم کے  
لئے لٹان، ستھرا اور بنارس وغیرہ میں پاٹ شالے اور مدرسے قائم  
کئے، ان کے درباروں میں ہندو فضلاء کو مسلمان فضلاء کے برابر جگہ ملتی  
تھی، مدرسوں میں ہندو اور مسلمان طالب علم ساتھ ساتھ تعلیم پاتے تھے۔  
اسلامی کتب خانوں میں سنسکرت وغیرہ کی کتابیں بھی رہتی تھیں اس آزاد تعلیمی  
پالیسی کا اثر ہندوؤں پر نہایت گہرا پڑا اور انھیں تحصیل علم کا جذبہ کتابیں جمع کرنے کا  
شوق اور خطاطی و خوشنویسی کا ذوق پیدا ہو گیا۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے :-

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں ۳۲-۳۳ء۔ یہ مقالہ سید سلیمان ندوی  
نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے سالانہ اجلاس ۱۹۵۷ء بمقام کلکتہ پڑھا  
تھا اسے آل انڈیا پاکستان ایجوکیشن کانفرنس کراچی نے سید الطاف علی  
بریلوی کے دفعہ ویراچے کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں شائع کیا ہے۔



”یہ فہم نہیں کہنے کہ مسلمانوں کے آمد سے پہلے ہندوستان میں کتابوں کے جمع کرنے اور کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق نہ تھا لیکن اس عہد میں مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہندو مشرفین کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ تاریخی حوالوں کو چھوڑ کر آج ہندوؤں کے جو قدیم شریف گھرانے موجود ہیں وہاں عربی اور فارسی کے چند فرسودہ جلدیں کس مہر سی میں پڑی ہوئی ملیں گی بڑے بڑے ہندو امراء کے ایوانوں میں دیگر سامان آرائش کے ساتھ ساتھ کتب خانہ کا وجود بھی لوازمِ ریاست سے سمجھا جاتا تھا۔ لاہور دلی لکھنؤ پٹنہ اور دھاکہ میں ابے بکثرت گھرانے ملیں گے۔ پٹنہ میں اس وقت دو ایک ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں جن کے یہاں عربی کتابوں کے نوادر نسخے اب تک موجود ہیں اور ان کو اس قدر عزیز ہیں کہ وہ ان کو جہ انہیں کر سکتے راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اس قسم کا ایک نادر کتب خانہ موردِ فحلا آتا ہے۔“

شائقینِ علوم کی فہرست میں راجہ جے سنگھ والی جے پور اور راجہ بنے سنگھ والی اور بہت بڑا راجہ رکھتے تھے جنہوں نے محمد شاہ کے عہد میں علمِ ہیئت اور نجوم کی ترقیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ راجہ بنے سنگھ کو کتابیں جمع کرنے کی ایسی لگن پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے واقعاتِ باری کا ایک نسخہ پانچ ہزار روپے میں خریدا تھا اور گلستانِ سعدی کے نسخہ کی تیاری پر سو لاکھ روپے خرچ کر دئے تھے۔

۱۵۲۔ گلستانِ سعدی اور واقعاتِ باری کے یہ نسخے الور کے میوزیم میں ہیں۔

۱۵۳۔ ملاحظہ ہو رد واد کل راجستھان اور دکنویشن از احترام الدین احمد شاغل ص ۱۱۰ اور ۱۱۶۔

بابائیکہ اس قابل وید نسخہ کو میر پنج کش کے شاگرد آغا مرزا دہلوی نے لکھا تھا اس کا ایک ورق ۱۲ دن میں تیار ہوا اور پوری کتاب پندرہ برس میں مکمل ہوئی۔ اس کا سن تکمیل ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۰ء) ہے۔ یہ بات دیکھی سے پڑھی جائے گی کہ گلدستہ کے اس قیمتی اور خوبصورت نسخہ کی کتابت و تزئین کا قطعہ تاریخ مرزا غالب نے لکھا ہے مگر یہ ان کے دیوان کے متبادل نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ قطعہ تاریخ :-

فرزائے یگانہ مہاراد راجہ را	بادا بھائے دولت و اقبال جاوداں
مہر ش کیے نرکار گزاران بارگاہ	ماہش کیے زنا صید سایان آستان
فرمودہ طاہر از گلستان کندوز	زبان ساں کہ در بہار شود تازہ بوستان
آنا کہ حق سپردہ بدستش گھید گنج	تا کردہ خامہ را بہ نگارش گہر فشان
دخشید حسن جو ہر الفاظ از مداد	زبان ساں کہ در سواد شب بخم شود عیاں
قالب طراز سال بدیں گونہ نقش بہت	از روئے طرز تعمیر در معرض بیان
بر کس کہ خواہد آگہی از سال اختتام	باید کہ دل بہند بہ گلستان بے خزاں

۳۴ + ۱۲۳۱ = ۱۲۹۵ھ

کتب خانوں پر اولیاء اللہ کا فیضان ہندوستان میں کتابیں جمع کرنے کے شوق کو عام کرنے میں اولیاء اللہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ حضرات مسلم فاتحین کی آمد سے پہلے ہندوستان تشریف لائے اور پھر ابر کرم بن کر سارے ملک پر چھا گئے۔ لاہور میں داتا گنج بخش، اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی، دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی و خواجہ نظام الدین اولیاء، پاک پٹن میں بابا فرید

لمتان میں شیخ بہار الدین زکریا، امچہ (سندھ) میں جلال الدین مخدوم جہانیاں  
 جہاں گشت، بنگال میں شیخ جلال الدین تبریزی، گجرات میں نور قطب عالم،  
 گلبرگہ میں سید محمد گیسو دراز اور اورنگ آباد میں بابا شاہ سعید پلنگ پوش و  
 بابا شاہ مسافر وغیرہ کی خانقاہوں کے دروازے مسلم و غیر مسلم دونوں  
 کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ ان بزرگوں نے انسانی اعمال میں خلاص کی  
 روح بیدار کرنے کے لئے جو مجاہدے اور ریاضتیں مقرر کی ہیں ان میں  
 تحصیل علم بھی ایک اہم عنصر ہے چنانچہ شیخ سراج الدین عثمانی کو منصب  
 خلافت عطا کرتے وقت حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا تھا کہ اس  
 کام میں علم سب سے زیادہ درکار ہے اور تمہیں علم سے ابھی وافر حصہ نہیں ملا۔  
 اسی وجہ سے شیخ موصوف نے پڑھنا شروع کیا اور کئی سال تک تعلیم جاری  
 رکھی۔ اسی طریقہ کار کا یہ نتیجہ ہے کہ صوفیائے کرام کے نام ہندوستانی مصنفین کی

---

سلہ بابا شاہ سعید پلنگ پوش اور بابا شاہ مسافر کے بارے میں ایک نہایت قابل قدر  
 مضمون ”اورنگ آباد کی پن چکی اور اس کی تاریخ“ رسالہ معارف (اعظم گڑھ) جون  
 اور جولائی ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا ہے۔

سلہ تصوف کی زبان میں اخلاص فی العمل۔ احسان کو کہتے ہیں جس کا مطلب یہ  
 ہے کہ اللہ کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرنا کہ گویا عبادت کرنے والا اسے اپنے  
 سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اسے اتنا یقین ہو کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔  
 یہ ہی وہ صفت احسان ہے کہ جو انسان کو فرشتہ خصلت بنا دیتی ہے۔

صف اول میں نظر آتے ہیں۔ فارسی ادب ہندی زبانوں کو ان سے فیض پہنچا، اور دوسری تصنیف و تالیف کا آغاز ان ہی کے بابرکت ہاتھوں سے ہوا شمالی ہند میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ اشرف جہانگیر سمٹانی دکن میں شیخ عین الدین گنج اعلم، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شمس العشق شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین عہد نامہ، اور شاہ میراں جی خدا نامہ کی تصانیف اردو نظم و نثر کی اولین کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

غرض علم کی اشاعت اور دین کی حفاظت کا کام خوبی کے ساتھ انجام دینے کے سلسلے میں صوفیائے کرام نے اپنی خانقاہوں میں کتابوں کے بڑے اچھے ذخیرے جمع کئے تھے، ان میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے ذخیرہ کتب کی موصوفین نے بڑی تعریف کی ہے۔ اصل میں تو ہر سچا صوفی ایک متحرک کتب خانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے نور باطن سے لوگوں کے دل و دماغ کو علم و عرفان کی روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

الغرض مسلمانوں کے عہد میں کتابیں جمع کرنے کا ذوق سندھ سے بنگال اور کشمیر سے مدراس تک جاری و ساری تھا اور ہندوستان میں چاروں طرف کتب خانے اور مدرسے پھیلے ہوئے تھے۔ ساحل ملابار اور کار و منڈل کے علاقوں میں تو مسم فتوحات سے پہلے عرب سوداگروں اور مشائخ و علماء کی بدولت علم کی شعاعیں پہنچ گئی تھیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ملتان، لاہور، دہلی، گجرات اور لکھنؤ کے علمی مراکز سائے ہندوستان کو فیض پہنچاتے رہے۔ فرنگی محل لکھنؤ کے ایک عالم ملا عبد العلی



ایک کتاب کے بہت سے نسخے رہتے تھے۔ فیضی کے کتب خانے کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں شہنوی کل دمن کے ۱۰۱ نسخے تھے۔

جو کتب خانوں اور مدرسوں کا جولی دامن کا ساتھ ہے اس لئے ان کے اعداد و شمار کا اندازہ لگانے کے لئے اگر اس عہد کے مدارس کی تعداد بھی دیکھی جائے تو کتب خانوں کی تصویر واضح طور پر بنکا ہوں کے سامنے آجائے گی۔ صرف دہلی اور آگرہ میں جو علمی اعتبار سے ہندوستان کے بغداد و قرطبہ تھے ہزاروں چھوٹے بڑے کتب خانے نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر محمد تھلق کے عہد کو لیجئے اس وقت دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے اس کے یہ معنی ہوئے کہ شاہی اور ذاتی کتب خانوں کے علاوہ دہلی میں تعلیمی کتب خانے ایک ہزار تھے اگر ہر ایک میں کتابوں کی تعداد اوسطاً تین سو بھی رکھ لی جائے تو صرف دہلی کے تعلیمی کتب خانوں میں تین لاکھ کتابیں ہوئیں۔ عہد مغلیہ میں مدرسوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا اور اس ترقی کا سلسلہ سلطنت مغلیہ کے آخری دم تک جاری رہا۔ لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے

سنہ اسلامی عہد کے مدارس کا مفصل حال ملاحظہ ہو (الف) ”ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں“ از مولوی ابوالحسنات ندوی (مطبع معارف عظیم گڑھ ۱۴۲۶ھ)

(ب) *Promotion of Learning in India by*  
*Narendra Nath Law.* (London: Longmans, 1916)  
*The Report of William Adam on Vernacular*  
*Education in Bengal & Bihar (1835-38)*

شروع میں یعنی برطانوی عہد حکومت سے قبل صرف بنگال میں مدرسوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی اس حساب سے سارے ہندوستان میں لاکھوں مدرسے ہوئے اور تعلیمی کتب خانوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچی۔

غرض ہندوستان کے اسلامی کتب خانوں میں کتابوں کی مجموعی تعداد کا اندازہ کئی کروڑ ہو سکتا ہے۔ یہ تعداد اس عہد کی علمی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

## کتابوں کی فراہمی

ہند کے اسلامی عہد میں کتابوں کی فراہمی کے لئے کم و بیش وہی وسائل اختیار کئے جاتے تھے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ہندی مسلمانوں نے کتابیں فراہم کرنے میں جس کاوش اور شغف سے کام لیا اسکی بدولت اطراف عالم سے کھچ کھچ کر نادے سے نادر کتابیں ہندوستانی کتب خانوں میں پہنچ جاتی تھیں، غلام خاندان کے سلطان ایلتمش کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بیرون ہند سے اچھی اچھی کتابیں منگواتا اور ہندوستان کے علمی خزانوں کو مالا مال کیا کرتا تھا۔ اسی کے عہد میں آداب السلاطین اور آثار السلاطین جیسی کتابیں بغداد سے آئیں۔ اکبر کے کتب خانہ میں باہر سے آئی ہوئی کتابوں میں یا قوت کی سیم ابلدان کی ضخیم جلدیں بھی موجود تھیں۔ ایک ترکی دیوان کا نسخہ سلاطین خراسان و ہرات کے

۱۳۷۰ھ کو تراشیدہ شیخ محمد اکرام ص ۱۳۷  
۱۳۷۰ھ اس کا سرورق میں پرچھا لکیر کی تحریر ہے اب کتب خانہ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔

کتب خانوں سے نقل ہوتا ہوا جاملیر کے کتب خانوں میں پہنچا۔ شاہجہاں کے کتب خانہ میں صیغی کے شہنشاہ نامہ کا نسخہ تھا۔ بوسولطویں صدی صیغی کے آخر میں ترکی سلطان محمد سوم کے لئے قسطنطنیہ میں لکھا گیا تھا۔ عالمگیر کے کتاب ذوق کا شہرہ سن کر ہرات سے اس کی خدمت میں قرآن کا ایک نفیس نسخہ بھیجا گیا تھا۔ قنادی عالمگیر کی تدوین کے سلسلہ میں خود عالمگیر نے بھی بہت سی کتابیں بیرون ہند سے منگائی تھیں۔ ریاست ٹونک کے ایک امیر عبدالرحیم خان کے کتب خانہ میں "من حدیث" کے ایک نادر نسخہ کی نقل عرب سے حاصل کی گئی تھی۔ عالمگیری عہد کے ایک بزرگ ملاحب اللہ بہار می نے اپنی کتاب "سلم الثبوت" کی تصنیف کے زمانہ میں اصول فقہ کی کتابوں کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا وہ پورا ہندوستان سے باہر کی تصانیف پر مشتمل تھا۔

ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں یہ کتابیں بڑے جتن سے ہاتھ آتی ہوں گی اور ان کے حاصل کرنے میں بے حد حساب و پیہ صرف ہوا ہوگا۔ مسلم عہد کے ہندوستان میں کتابوں کے ایسے عاشق زار پیدا ہو گئے تھے جو ایک کتاب کی قیمت سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ تک ادا کرنے میں پس و پیش نہ کرتے تھے اسی وجہ سے کتابوں کی تجارت کو فروغ ہوا۔ ہر شہر میں کتب فروش

۱۔ یہ خدا بخش لائبریری بانگی پور میں ہے۔

۲۔ یہ کتب خانہ سلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے اسی پر ہرات سے آنے کی تاریخ ۵ ارشوال ۱۰۹۰ھ درج ہے۔



موجود تھے جو دنیا بھر سے کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے اور مشائخ و قیامیہ کے پاس لے جاتے تھے۔

ہریوں اور تھکوں میں کتابیں بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے والے بھی خالی ہاتھ نہ جاتے ان کے دامن زر و جواہر سے بھروے جاتے تھے۔ ایک ایرانی شخص نے سلطان محمد تغلق کے دربار میں ابن سینا کی کتاب کا ایک نسخہ پیش کیا جو یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس بادشاہ نے خوش ہو کر پیش کرنے والے کو دو لاکھ مثقال یا اس سے زیادہ سونا انعام میں دیا ایک آدمی نے اسی سلطان کے سامنے چند کتابیں پیش کیں تو سلطان نے اسے جواہرات عطا کئے جن کی قیمت سونے کے سکہ کے لحاظ سے بیس ہزار مثقال تھی۔ اس سلسلہ میں مغل بادشاہوں کی فیاضیاں اس درجہ بڑھی ہوئی تھیں کہ شاہجہاں نے ایک قصیدے کے صلہ میں اپنے درباری شاعر حاجی محمد جان قدسی کا منہ سات بار موتوں سے بھر دیا تھا۔ ان فیض رسانیوں کے باعث بیرون ہند سے ارباب علم و فن کھینچ کھینچ کر ہندوستان چلے آ رہے تھے بقول علامہ شبلی ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے۔

بیرون ہند سے آنے والے حضرات اپنے ساتھ کتابیں بھی لاتے تھے۔ محمد تغلق میں ایک عالم شمس الدین چار سجدہ دہشت کی کتابیں لے کر ہندوستان آئے تھے۔ علی عادل شاہ فرارزوائے بیجاپور کے پاس شیراز سے جو لوگ آئے اور انعام و اکرام لے کر واپس ہوئے ان کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے اس سے اندازہ لگائیے کہ سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد میں کتنے بے شمار عالم ہندوستان آئے ہوں گے اور اگر

نئی کتب و کتابوں کا بھی اوسط رکھا جائے تو باہر سے آنے والی کتابوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ ہندوستان کے اسلامی عہد میں ایک طرف تو باہر سے کتب آئے کا ثبوت بندھا ہوا ہے دوسری طرف ملک کے اندر مصنفین اور مؤلفین کی ایک جماعت تصنیف و تالیف میں مصروف ہے اس طرح ہندوستان کتابی اعتبار سے مالا مال ہو رہا ہے اور کتب خانوں کی رونمائی میں دن و رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔

کاغذ کتابوں کی فراہمی میں کاغذ سازی اور خطاطی کی ترویج و ترقی سے غیر معمولی اضافہ ہوا مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں عموماً لکھنے کے لئے تار کے پتوں اور بھوج پتروں کا

استعمال ہوتا تھا ہے کہ ہندی ہندوستان میں تار کے پتوں پر لکھتے ہیں۔ پتوں کی یہ کتاب ایک دھڑ سے اس طرح بندھی جاتی ہے کہ دھاگہ پتوں کے بیچ کے سوراخوں میں گزرتا ہوا ہر پتے میں سما جائے اور کتاب کو ایک جادہ لکھتا ہے۔ وسط اور شمالی ہند میں درخت توڑ کی چھال (لکھنے کے لئے) استعمال کرتے ہیں اس کو بھوج کہتے ہیں یہ ایک ہاتھ لمبی اور پھینٹی ہوئی انگلیوں کے برابر یا اس سے کچھ کم چوڑی ہوتی ہے۔ اس کو کسی طریقہ سے مثلاً تیل لگا کر اور صیقل کر کے سخت اور چمکا کر لیتے ہیں اور اس پر لکھتے ہیں۔ یہ چھ نہیں متفرق ہوتی ہیں اور ان کی ترتیب مسلسل ہندسوں سے معلوم ہوتی ہے۔ پوری کتاب کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹی ہوئی دو تختیوں کے درمیان جو کتاب کے برابر ہوتی ہیں، بندھی رہتی ہے۔ ان کتابوں کا نام پوتی (پوتھی) ہے۔“

(کتاب الہند - البیرونی (اردو ترجمہ) ص ۲۲۴ - انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۵۷ء)

استعمال ہوتا تھا، لیکن جب مسلم عہد میں کاغذ کا رواج ہوا تو کاغذ سازی کے کارخانے ہند کے مختلف شہروں میں کھل گئے۔ اکبری دور میں ایک کارخانہ کشمیر میں قائم ہوا اور طرح طرح کے کاغذ بنائے جانے لگے۔ ابدی کا کاغذ عہد مغلیہ میں ایجاد ہوا تھا، اس زمانے میں کالجی ظفر آباد، پٹنہ، بہار شریف اور اردول کاغذ سازی کے لئے بہت مشہور تھے۔ قصبہ بہار شریف کا ایک محلہ کاغذ سازی ہی کی وجہ سے آج تک کاغذی محلہ کہلاتا ہے۔ ظفر آباد کی نسبت لکھا ہے کہ یہاں باجی سودکانیں (کارخانے) کاغذ بنانے کی تھیں اور سال میں تین چار لاکھ روپے کی تجارت ہوتی تھی یہاں آٹھ قسم کا کاغذ بنتا تھا۔ اردنی، نصیری، ہیراند، راسی، موٹھا، پنگلی، جو کھوٹا اور مسلم۔

۱۷ مولوی سید مقبول احمد مدنی نے حیات جلیل حصہ اول کے ص ۱۴۹ پر لکھا ہے کہ ۱۷۸۳ء کے قریب تک انگریزی کتابیں پٹنہ کے کاغذ پر چھاپی جاتی تھیں۔

۱۸ ملاحظہ ہو ”ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی جلد اول حاشیہ ص ۹۲۔ حوالوں میں چہاں کہیں ”مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“ آیا ہے اس سے یہ ہی کتاب مراد ہے۔

## کتب خانوں کا نظام

مسلم عہد میں کتب خانوں کی ترتیب اور نظام کی طرف بھی توجہ کی گئی  
 بڑے بڑے کتب خانوں میں تراجم کا سرشتہ بھی ہوتا تھا مگر اس سلسلہ میں باقاعدہ  
 حکمے مغلوں کے زمانے سے قائم ہوئے۔ کتب خانوں میں ملازمین کی تعداد اور انکی  
 استعداد کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اکبر نے شاہی کتب خانہ کی کتابیں مصور اور  
 مزین کرانے کے لئے ایک سو گیارہ نامور مصور مقرر کئے تھے، ان کے علاوہ  
 بہت سے کاتب، نقاش اور جلد ساز تھے۔ اسی طرح دوسرے مغل بادشاہوں  
 اور ان کے امرا وغیرہ کے کتب خانوں میں بہت سے اصحاب علم و فن کام کرتے  
 تھے جن میں اکثر عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ دکن کے عادل شاہی خاندان  
 کے فرمانروا عادل شاہ اول کے کتب خانہ میں کارکنوں کی تعداد ساٹھ تائی جاتی  
 ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان ہے کہ نوابین اودھ کے کتب خانوں میں تقریباً  
 ساٹھ ڈاکٹر اسپرنگر نے نوابین اودھ کے کتب خانوں کی فہرست لارڈ ہارڈنگ  
 کے حکم سے ۱۸۴۴ء میں تیار کرنی شروع کی تھی اس فہرست کی پہلی جلد فارسی  
 اور اردو نظم سے متعلق کلکتہ سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی، باقی چھتے سائے  
 نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کی ایک اہم تصنیف ”وائف آف محمدؐ ہے، جس کی  
 پہلی جلد الہ آباد سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی اور باقی تین حصے ۱۸۶۵ء  
 میں بمقام برلن چھپے۔ ڈاکٹر صاحب کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو:  
 دلی کالج اُردو میگزین (قدیم دلی کالج نمبر) ۱۹۵۲ء

تین سو آدمی ملازم تھے۔ اکبر کے ایک رتن ابو الفضل کے ذاتی کتب خانے میں چالیس کاتب کام کرتے تھے۔ عبدالرحیم خاناناں کے کتب خانے میں بقول علامہ شبلی اہل کرائی کا ایک بڑا علمہ مقرر تھا۔ اُس عہد کا مشہور جلد ساز محمد امین خراسانی اسی کتب خانہ کے علمہ میں شامل تھا۔ یہ مدت تک مشہد مقدس کے کتب خانہ میں رہا جس کے بعد خراسان سے نکل کر ہندوستان آیا۔ یہاں خاناناں کے دربار میں رسائی ہو گئی انہوں نے اپنے کتب خانہ سے مناسک کر کے چار ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر کیا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ دربار اکبری کے اکثر باکمال اہل اسی کتب خانہ کے تربیت یافتہ ہیں اکثر شعر خوش نویس صنّاع جن کو خاناناں تربیت دینا چاہتا تھا کتب خانہ کے کام پر مقرر ہوتے اور رقی کرتے کرتے نادر دوزگار ہو جاتے تھے۔ ملازمین کے انتخاب میں مذہب و ملت کا کوئی لحاظ نہ کیا جاتا۔ عبدالرحیم خاناناں کے کتب خانہ کا ایک کارکن مادھو تھا جسے منصوری اور شبہہ سازی میں کمال حاصل تھا۔ مادھو کے علاوہ اور بہت سے ہندوؤں کے نام خطاطوں اور مصوروں کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ پنڈت جگن ناتھ، ملے منو ہر لال، دسونت، کمار، بساؤن، کیسو، تارا، ہری نرس اور جگن اکبری عہد میں خطاط و مصور تھے۔ جہانگیر کی دور کے ممتاز مصوروں میں منو ہر اور بشن داس شامل تھے اور عالمگیر کے زمانہ میں پنڈت لکشمی رام، لالہ سلیم رام، منشی مجدوب رائے اور منشی کسل رائے مشہور خوشنویس تھے۔

کاتب چونکہ بادشاہ خوش نویسی سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اس لئے شاہی کتب خانہ کے لئے کاتب کا اہتمام خاص طور پر کیا جاتا اور یگانہ روزگار کاتب ملازم رکھے جاتے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں کاتبوں کی قدر و منزلت اتنی بڑھی کہ انھیں مہتمم کے عہدوں پر فائز کر دیا گیا۔ کاتب کتب خانوں کے لئے کتابوں کے نسخے تیار کرتے اور ان سے بوقت ضرورت کتابوں کی نشرو اشاعت کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جہانگیر کو جب تزک جہانگیری کی اشاعت کی ضرورت ہوئی تو اس نے اپنے کتب خانہ کے کاتبوں کو اس کتاب کے بہت سے نسخے تیار کرنے کا حکم دیا۔ یہ نسخے حکام سرکاری اور ملک بھر کے معزز امرا کو تقسیم کئے گئے۔

خوش نویسی کے فن میں ہندوستان بھی کسی اسلامی ملک سے پیچھے نہیں رہا یہاں کے بادشاہوں، صوفیوں اور عاموں نے اُسے عرشِ معلیٰ پر پہنچا دیا تھا۔ ایک طرف سلطان ناصر الدین محمود اور عالمگیر تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے دوسری طرف سید عبد الجلیل بلگرامی جیسے ذی ہنم صوفی کے دست و قلم کتابت میں مصروف تھے۔

لیکن اس فن کی اصل ترقی عہدِ مغلیہ میں ہوئی۔ اس سے پہلے سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان ناصر الدین محمود کے نام کاتبوں کی فہرست میں ملتے ہیں مگر اس زمانہ میں یہ فن پوری طرح ترقی نہ کر سکا۔ کتابیں عموماً ناخط شکست میں لکھی جاتی تھیں مغللوں کے حسن ذوق نے اسے پسند نہ کیا اور خط نستعلیق میں کتابیں لکھوائیں۔ بابر سے لے کر پہا در شاہ ظفر تک سارے مغل بادشاہ،

شہزادیاں اور شہزادے خوشنویسی سے بے انتہا شغف رکھتے تھے شاہجہاں نہایت اپنا خوش نویس تھا۔ عالمگیر کو بھی اس فن میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ بزمِ تمغریہ میں سے کوہ شہزادگی سے لے کر آخری عمر تک فرصت کے اوقات میں صبح دیکھے۔ بے بجے تک اور سہ پہر کو ۲ بجے سے ۵ بجے تک قرآن شریف لکھا کرتا تھا اس نے مدینہ منورہ بھیجنے کے لئے دو قرآن اپنے ہاتھ سے لکھے اور ان کی تین دین و غیرہ رسالت ہزار روپے صرف کئے۔ بہادر شاہ ظفر کے ہاتھ کی کچھ دوسلیاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلوں کے زوال کے بعد بھی خطاطی کا شوق کمال پر تھا۔

نود مختار، یاستوں کے حکم اس بھی اس فن کے بڑے دلدادہ اور مربی تھے گوئندہ کے سلطان قلی قطب شاہ اور بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نہایت نفیس خوش نویس تھے۔ نوابین اودھ نے فن خوش نویسی کی جس طرح سرپرستی کی اس کا حال عبدالحمید شرر نے "گذشتہ لکھنؤ" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ان شاہانہ سرپرستیوں کے اثر سے دراقبت اور نساخیت کا نظام ہندوستان بھر میں قائم ہو گیا تھا اور فن کتابت نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی ایک ایک آدمی صرف اپنے قلم سے مستقل کتب خانہ مہیا کر لیتا تھا۔ ابوالفضل کے والد شیخ مبارک ناگوری نے اپنے ہاتھ سے پانچ سو ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ اس زمانے میں یہاں ایسے باکمال خوش نویس پیدا ہوئے

وصلی نوحه عبدالرشید دینی (متوفی ۱۰۸۱ هـ ۱۲۵۰ م)

کتابخانه حاج میرزا محمد  
تاج الدین محمد  
وفات ۱۲۵۰ هـ



جن کی نظیر نہیں ملتی۔ عہد مسلم کے بالکل آخر میں ایک خوش نویس میر بنیاد علی مرتعش رقم تھے جن کے ہاتھ میں رعشہ تھا۔ لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی تحریر میں رعشہ کی کیفیت کو فن کا درجہ دے رکھا تھا۔

مصور شاہان مغلیہ کے کتب خانوں میں کاتبوں کے ساتھ ساتھ مصور بھی نظر آتے ہیں۔ یہ کتابوں میں تصویریں بناتے، مرتعے اور شبیہیں تیار کرتے پھر ان میں نقری اور سنہرے رنگ بھر کر اپنی فن کاری کے جوہر دکھاتے تھے۔ کتابی تصویر کا فن بھی مغلوں کے عہد میں انتہائی عروج پر پہنچ گیا تھا۔ دراصل اکبر کی مصوری سے والہانہ شیفتگی اور جہانگیر کی اس فن میں مہارت اور باریک تنقیدی نظر مصوری کی ترویج و ترقی کا باعث ہوئی۔ مغلوں کے عہد میں باہر سے خواجہ عبدالصمد شیرازی، میر معصوم قندھاری، مولانا عبدالرحیم ہراتی، میر عبداللہ تبریزی، عبدالرشید دہلی اور سید علی خاں تبریزی جیسے صاحب کمال خطاط و مصور ہندوستان آئے اور قد و شناس بادشاہوں کی بارگاہوں سے شیریں قلم، عنبریں قلم، مشکیں رقم، جواہر رقم، یا قوت رقم، ذریں قلم، خطابات پائے۔ اس طرح مغلوں کے کتب خانوں میں شہرہ آفاق خطاط و مصور جمع ہو گئے تھے۔

---

۱۷ میر بنیاد علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تین دھلیاں کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہیں۔

## کتابوں کی سجاوٹ اور حفاظت | مغلوں کے عہد میں کتابوں کو نقش و

نگار سے سجانے اور ان کی خوبصورت و منقش جلد بندی کرنے کا فن بھی انتہائی عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اس کام کے لئے کتب خانوں میں نقاش اور جلد ساز رہتے تھے جن کی فن کاری کے نمونے آج بھی جا بجا ملتے ہیں۔ کتابوں کو سجانے اور انھیں آراستہ و پیراستہ کرانے پر جو بے دریغ روپیہ اس زمانے میں صرف کیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اکبر نے مہابھارت کو مرصع اور مرزبان کرانے پر دس ہزار روپے صرف کئے تھے اور سلطان میمنہ نے قرآن شریف کے ایک نسخہ کی تزئین پر نوے ہزار روپیہ صرف کیا تھا۔ عالمگیری عہد کا ایک قرآن شریف پٹنہ کے ایک رواری حالان کے پاس ہے یہ اول تا آخر سونے کے حروف میں ہے اور فن کار نے نقاشی کا فن اس پر ختم کر دیا ہے۔

ان حسین اور قیمتی کتابوں کو مٹی، دیباک اور چوروں سے محفوظ رکھنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ کتابوں کی دیکھ بھال کے لئے کتب خانوں میں وراق مامور تھے جو نیم کی پتیاں سُکھا کر کتابوں کے اندر رکھتے اور ورق گردانی کر کے یہ دیکھتے رہتے تھے کہ ان میں کہیں دیباک تو نہیں لٹی یا سیلن کا اثر تو نہیں ہو گیا۔ عام طور پر کتابوں کے شروع میں دیباک کے بادشاہ کا نام ”کبیکج“ لکھ دیا جاتا اور یہ عقیدہ تھا کہ اس کے بعد کتابیں دیباک سے محفوظ ہو جائیں گی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اکثر کتابوں کے یہ الفاظ بھی دیباک نے کھالئے۔

کتابوں پر مہر ہیں اور عبارتیں کتابوں کی حفاظت کے سلسلے میں یہ احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب کوئی کتاب شاہی کتب خانے میں داخل ہوتی تو اسے تحویلدار کے حوالہ کیا جاتا وہ اس پر پہلے شاہی مہر لگاتا پھر اپنی مہر ثبت کرتا اور اس مہر کے نیچے تحویل کا سنہ لکھ کر اپنے دستخط کر دیتا تھا۔ جب تحویلدار بدلا جاتا تو نئے تحویلدار کو اپنی تحویل میں لینے کی تاریخ درج کرنی پڑتی تھی چنانچہ بعض کتابوں پر ایک ہی بادشاہ کے عہد میں مختلف تحویلداروں کے نام اور تحویل کی تاریخیں درج ہیں۔ مہروں کے علاوہ کتابوں پر مختلف عبارتیں بھی ملتی ہیں۔ ان مہروں اور عبارتوں سے آج بھی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کتاب کس کس کی ملکیت میں رہ چکی ہے، اور وہ بطور زندہ ملی ہے، یا خریدی گئی ہے۔ اکثر کتابوں پر ”عرض دیدہ شد“ لکھا ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب بادشاہ کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔ عالمگیری کتب خانہ کی ایک کتاب ”حسن حصین“ کے متعلق لکھا ہے کہ اس پر عالمگیری کے قلم کا صاف ثبت ہے۔ شاہی امراء اور تحویلداران کتب خانہ کی مہر ہیں۔ جائزے ہیں عالمگیری عہد کے تحویلداروں میں خواجہ سہیل، محافظ خاں اور محمد حافظ کے نام ملتے ہیں۔ دیوان کاہان

(سنو خدا بخش) اور تاریخ تیموریہ (سنو خدا بخش) خواجہ سہیل  
کی تحویل میں رہے تھے۔ دیوان کامران (سنو خدا بخش) پر  
یہ عہدہ درج ہے :-

”۲۷ شوال سنہ ۱۹ ازوجہ حافظ خاں تحویلہ اور

ستونی تحویل محمد حافظ شد“

اب نہ یہ کتب خانے باقی ہیں اور نہ ان کا علمہ۔ البتہ ان کی  
یادگاریں کتابوں کی شکل میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں  
موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی کیسی نادر، مرصع  
مزین، مطلقاً اور مذہب کتابوں سے وہ مرحوم کتب خانے  
معمور تھے۔ یہ کتابیں دراصل عہد گذشتہ کے علمی پیام بر ہیں  
جو ہند کے مسلم دور کے علمی، ادبی اور ثقافتی کارناموں کی سرگزشت  
زبان حال سے سنا رہے ہیں :-

لکھے نہ کیوں، نقش پائے ہمت قدم قدم پر مافسانہ

میں وہ مسافروں جس کے پیچھے ادب کے چلتا رہا زمانہ




---

۱۔ دیکھئے مجلہ علوم اسلامیہ ج ۱۔ ص ۱۳۵ ادارہ علوم اسلامیہ  
اسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ہندوستان کے مسلم عہد  
کتب خانوں کی تشکیل و ترقی

۱۱۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک  
(۱۷۵۷ء — ۱۱۰۰ء)

## کتب خانوں کے ادلین مرقعے سندھ میں

ہندوستان میں یہ شرف سندھ کو حاصل ہے کہ اسلامی کتب خانوں کے ادلین مرقعے اس کی سرزمین میں تیار ہوئے۔ فاتح کی حیثیت سے مسلمان ہندوستان میں سب سے پہلے اسی علاقے میں آئے تھے جسے محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری میں فتح کر لیا تھا۔ یہاں عربوں کی حکومت کئی سو برس قائم رہی۔ یہ زمانہ ہندوستان کے علم و ثقافت کی تاریخ کا نہایت اہم دور ہے اس دور میں ہند اور عرب کے درمیان علمی اور ثقافتی تعلقات کی بنیاد پڑی۔ تہذیبی لین دین ہوئے اور ہند کے لسانی خاکوں میں نئے رنگ ابھرے جن کے اثرات سندھی زبان اور اس کے رسم الخط پر اب تک موجود ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہند اور عرب کے تجارتی تعلقات نہایت قدیم ہیں جو ظہور اسلام کے بعد بھی قائم رہے، مگر ثقافتی تعلقات کی جہت سے مرقعہ سندھ کے بعد ہوئی۔ سندھ میں ہیئت اور ریاضی کا ایک فاضل پنڈت کتاب سدھانت لے کر بغداد گیا جہاں اس وقت تخت خلافت پر ضیف منصور مستن تھا اس نے یہ کتاب بڑی

---

سے محمد بن قاسم نے صرف دو سراں کے عرصہ (۷۱۱ء - ۷۱۳ء) میں سندھ اور سران کا سامرا عقد فتح کر لیا۔

سے تفصیل کے لئے دیکھئے ”عرب و ہند کے تعلقات“ نذیر سلیمان ندوی



سندھ میں مسلمانوں کے طویل قیام کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ سندھی اسلام کی مسادات اور رواداری دیکھ کر خود بخود اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہو گئے اور ان میں تحصیل علوم کا جذبہ اتنا ابھرا کہ بہتیرے اسلامی علوم کے امام بن گئے۔ ایک نو مسلم سندھی ابو معشر بن مغازی اور سیر کے امام تھے جنہوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۷۷ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ہارون رشید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ محمد بن سہیم کے بعد سندھ کی حکومت میں بدیلیاں ہوتی رہیں منصورہ اور ملتان دو آزاد ریاستیں بن گئیں۔ لیکن ان تغیرات کے باوجود علم کا چرچا جاری رہا۔ ”آئینہ حقیقت ناما“ میں ہے کہ سندھ کے ملک نے علم و فضل و تہذیب میں یہاں تک ترقی کی تھی کہ اس کی شعاعیں بنگال و تبت تک پڑنے لگیں اور علم و علماء کی قدردانی نے ہندوستان کے بالکالوں کو عزت کے ساتھ بغداد پہنچا دیا۔

سندھ کی ان علمی ترقیوں کی روشنی تاریخ کے اوراق میں آج تک پھیلی ہوئی ہے مگر اس زمانہ کے کتب خانے ایسی گہری تاریکی میں روپوش ہیں کہ ان کا پتہ کسی طرح نہیں چل سکا تاہم اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی پہلی مسلم حکومت کے عہد میں کتب خانوں کی صورت گری کے اسباب فراہم ہو گئے تھے اور یہ بھی بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اُچے اٹھتے اور



لمتان جیسے اہم علمی مراکز کتب خانوں سے خالی نہ تھے۔ یہ شہر والی سندھ ناصر الدین قباچہ کے زمانہ (۵۹۰۳/۶۱۲۰۶ - ۵۹۲۵/۶۱۲۲۷) میں علم کے بہت بڑے مرکز بن گئے تھے۔ قباچہ نے لمتان میں مولانا قطب الدین کاشانی کے لئے مدرسہ کی عادت تعمیر کرائی جو ہندوستان میں اسلامی مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ بہار الدین ذکر یا لمسانی روزنامہ اس مدرسہ میں آتے اور صبح کی نماز مولانا کاشانی کے پیچھے ادا کرتے تھے، مگر یہ واضح رہے کہ لمتان ٹھٹھہ اور بھکر وغیرہ اسلامی عہد میں علم کے اولین مراکز تھے اور وہاں قباچہ سے بہت پہلے علمی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں جو علماء باہر کے ملکوں سے ہندوستان آتے ان کی پہلی منزل یہی شہر ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے ان مقامات میں کتب خانوں کے قیام اور انکی ترقی کے لئے جو فضا پیدا ہو گئی تھی وہ اس وقت تک ہندوستان کے کسی اور شہر میں تھی۔

## لاہور، علم اور کتابوں کا گھر

کتب خانوں کے سلسلہ میں لمتان کے بعد لاہور کا نام آتا ہے جو غزنوی عہد میں علم اور کتابوں کا گھر بن گیا تھا۔ محمود غزنوی نے ... ۶۱۰ سے ۶۱۲ء تک ہندوستان پر سترہ حملے کر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا تھا

۱۔ 'عہد اسلامی کا ہندوستان' از سید ریاست علی ندوی ص ۲۷۰۔

(ادارۃ المصنفین چٹہ ۱۹۵۰ء)

مگر اس کے اقبال کے بعد سارا مفتوحہ علاقہ ہاتھ سے نکل گیا۔ صرف پنجاب پر قبضہ ہا جہاں خاندان غزنوی نے تقریباً دو سو برس حکومت کی اور لاہور دار الخلافہ رہا۔ اس زمانہ میں بھارت، سمرقند، غزنی اور بلخ وغیرہ سے علماء کا لاہور آنے کا اتنا بندھا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ اسمعیل پہلے بزرگ ہیں جو علم حدیث و تفسیر کو لاہور لائے اور جنہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ ۷۸۷ھ میں لاہور آگئے تھے۔ ان کے بعد شیخ علی بن عثمان سجوری عرف دامانگنج بخش (متوفی ۸۶۵ھ/۱۴۶۲-۶۱۰) محمود غزنوی کے بیٹے مسعود کے عہد حکومت میں لاہور آئے اور تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ”کشف المحجوب“ بہت مشہور ہے محمود غزنوی کے زمانہ میں علم ہیئت و نجوم کا ایک زبردست عالم ابوریحان البیرونی (متوفی ۸۴۸ھ/۱۴۵۶) بھی ہندوستان آیا اس نے ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ اور علوم سے واقفیت حاصل کر کے ایک نہایت اعلیٰ اور مستند کتاب ”کتاب الہند“ لکھی۔ البیرونی نے ۱۱۴ھ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں اور اپنی ایک بہترین تصنیف ”قانون مسعودی“ سلطان مسعود کے نام مکتون کر کے اس کی علم پروری کو لا فانی بنادیا۔

یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ گو اس زمانہ میں مسلمانوں کی پادار اور مضبوط حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوتی تھی لیکن

---

لے یہ کتاب اب دائرۃ المعارف حیدرآباد کی طرف سے شائع ہو گئی ہے۔

کتب خانوں کی تشکیل و ترقی کی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ غزنوی سلاطین کی علم دوستی علماء نوازی اور ان کے عہد کے مدارس اور تصنیفات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ غزنوی دور میں پنجاب کتب خانوں سے معمور تھا۔ صاحب فرشتہؒ نے لکھا ہے کہ سلطان مسعود نے مالک محروسہ کے تمام شہروں میں اس قدر مدارس و مساجد تعمیر کرائے تھے کہ ان کی تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے۔ سلطان مسعود نہایت ذی علم اور سخی بادشاہ تھا۔ اہل قلم نے مختلف علوم و فنون کی کثیر التعداد کتابیں اس کے نام معنون کی تھیں۔ اس کے جانشینوں میں سلطان ابراہیم نہایت دیندار اور صاحب علم بادشاہ گذرا ہے۔ خط نسخ لکھنے میں اسے مہارت تامہ حاصل تھی اور کتابت کا اتنا شوق تھا کہ قرآن مجید کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک سال گزرا اور دوسرے سال مدینہ بھیجا کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید مدینہ کے کتب خانے میں جہانگیر کے عہد تک موجود تھے۔ ابراہیم کے ایک وزیر ابوالضر فارسی کو علم و ادب سے ایسی دلچسپی تھی کہ اس نے لاہور میں ایک خانقاہ بنوائی جو اہل علم کا مرکز بتائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے غالب خیال یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہوگا۔

غزنوی دور میں جو یگانہ روزگار ادیب اور شاعر لاہور میں اکبر جمع ہو گئے تھے ان کے پاس بھی کتابوں کے نادر ذخیرے ہوں گے۔ ان اربابِ علم میں مسعود سعد سلمان ہندوستان کا وہ ممتاز شاعر تھا جس نے فارسی اور ترکی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی شعر کہے اور اس زبان میں اس نے ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا جو اکبر کے عہد تک موجود تھا۔ مسعود سعد سلمان نے سلطان بہرام شاہ اور دوسرے غزنوی سلاطین کی مدح میں قصائد بھی کہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ سلطان بہرام شاہ کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اس کے لئے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں شیخ سنائی کی ”حدیقۃ الحقیقہ“ قابل ذکر ہے۔

## سلطان محمد غوری اور کتب خانے

پنجاب کی حکومت ۶۱۱ھ میں غزنوی خاندان سے بٹل کر غوریوں کے ہاتھ میں آگئی اس کے پانچ سال بعد جب شہاب الدین محمد غوری نے ترائن کے میدان میں پرتھوی راج کو شکست دے کر اجمیر اور دہلی کا علاقہ فتح کر لیا تو شمالی ہند میں راجپوتوں کی طاقت اور ہندوؤں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی مستقل حکومت کے قیام کے لئے زمین ہموار ہو گئی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ مسلمانوں کی

---

سے سلطان محمد الدین محمد غوری بھی کہتے ہیں۔

فتوحات کا سلسلہ جیسے جیسے بڑھتا گیا مدہرسوں اور کتب خانوں کا نظام وسیع اور جامع ہوتا گیا۔ محمد غزنوی کو ہندوستان میں زیادہ عرصہ رہنے کا موقع نہ ملا اور وہ دہلی میں قطب الدین ایبک کو اپنا قائم مقام کر کے غزنوی چلا گیا اس کے باوجود اس نے اجمیر میں متعدد مدرسے قائم کئے اور کتب خانوں کی نشوونما کے لئے راہیں کھول دیں۔ یہ سلطان تعلیم کے معاملہ میں نہایت وسیع النظر تھا اس نے اپنے غلاموں کو اتنی اعلیٰ تعلیم و تربیت دی تھی کہ وہ آفتاب بن کر چمکے۔ اس کے غلاموں میں قطب الدین ایبک، ناصر الدین قباچہ اور بختیار خلجی نے کتب خانوں کی تخلیق میں بڑی اعانت کی۔ قطب الدین کے عہد میں دہلی اور دوسرے شہروں میں کتب خانے قائم ہوئے ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی میں کتب خانوں کی تحریک سندھ میں پھیلی اور بختیار خلجی کی فتح بنگال و بہار نے کتب خانوں کی توسیع و ترقی کے لئے دروازے کھول دیے۔

---

۱۲ جب سلطانہ وہ غزنوی کو واپس جا رہا تھا تو راستہ میں باطنی فداویوں کی ایک جماعت نے اسے قتل کر دیا۔

## سلاطینِ دہلی اور کتب خانے

سنہ ۱۲۰۶ء میں سلاطینِ دہلی کی سلطنت کے قیام کے بعد سے ہندوستان میں کتب خانوں کا نیا اور سنہرا دور شروع ہوا۔ اب چونکہ اس ملک میں مسلمانوں کی مستقل حکومت قائم ہو گئی تھی اس لئے کتب خانوں کا سلسلہ وسیع ہونے کے امکانات روشن ہو گئے۔ جب دہلی سلطنت کے پہلے سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی کو اپنا پایہ تخت بنایا تو یہ شہر علم و ہنر کا ایسا عمدہ گہوارہ بن گیا جس میں علمی اور کتابی ذوق کی پرورش اور ترقی نہایت سرعت کے ساتھ ہوئی۔ اسی مرکزی شہر سے یہ ذوق سلاطینِ دہلی کی فوجوں، تاجروں، مشائخ اور علماء کے قافلوں کے ساتھ بنگال، گجرات اور دکن وغیرہ پہنچا جس نے کتب خانوں کی وسعت اور ان کے استحکام کا مستقل انتظام کر دیا۔ اس موقع پر یہ کہہ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں غلام سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو چوراسی برس تک قائم رہی۔ اس کے بعد مختلف خاندانِ خلجی، تغلق، سید اور لودی یکے بعد دیگرے ۶۱۵۲۶ء تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن دہلی سلطنت کا تین سو میں سالہ دور بڑا ناہموار رہا۔ آئے دن خانہ جنگیاں اور حکومت کی تبدیلیاں ہوتی رہیں سلاطینِ دہلی کو شروع میں مغلوں کے حملے پریشان کرتے رہے۔ پھر ۱۲۹۹ء میں

تیمور کے حملے نے انھیں باطل بھان کر دیا۔ اس کے باوجود انھوں نے علم و ہنر کا چراغ روشن رکھا اور اہل علم کی قدردانی اور ہمت افزائی کرنے میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا۔ اگرچہ اس دور کے مدارس، علماء اور شعراء کا ذکر تو مورخین نے کیا ہے لیکن کتب خانوں کی طرف سے نہایت بے رخی برتی ہے۔ صرف چند کتب خانوں کا ذکر کر کے وہ خاموش ہو گئے ہیں لہذا جیسا کہ ہم شروع میں کہہ چکے ہیں، بسیں جہاں کہیں ارباب علم اہل قلم اور مدارس ملیں گے وہاں ہم کتب خانوں کا ہونا یقینی سمجھیں گے اس لئے کہ ان کے بغیر تعلیمی اور تصنیفی کام انجام ہی نہیں پاسکتے۔ اسی نظریے کے تحت کہا جا رہا ہے کہ سلاطین دہلی کی سلطنت میں جا بجا بے شمار کتب خانے پھیلے ہوئے تھے۔

**غلام خاندان** | دہلی سلطنت کے اس پہلے حکمران خاندان کے عہد میں ایسی سرگرمیوں کے ذکر ملتے ہیں جن سے کتب خانوں کی تعمیر و ترقی کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ قطب الدین ایبک (متوفی ۱۲۱۰ء) نے دہلی فتح کرنے کے بعد سجد قوت الاسلام تعمیر کی تھی جہاں قیاس ہے کہ اس عہد کے رواج کے مطابق مدرسہ اور کتب خانہ بھی ہوگا۔ یہ بادشاہ بڑا علم دوست اور سخی تھا۔ اس نے اہل علم و ہنر کو اکرام و انعام سے اتنا نوازا اور ایسی بے پایاں داد و دہش کی کہ ملک بخش مشہور ہوا اس کے جانشین سلطان الہتمش (متوفی ۱۲۳۵ء) کے بیرون ہند سے کتابیں منگانے کا حال کچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ سلطان

کتابوں کا ایسا عاشق تھا کہ ایک بار قاضی جلال عروس بغداد سے تحفہ میں خلیفہ ماموں رشید کی ایک تحریر لائے جو اس نے سفینۃ الخلفاء میں لکھی تھی، اسے پا کر المیتش اتنا خوش ہوا کہ اس کے صلہ میں قاضی جلال کو اپنی آدھی ملکیت دے دینی چاہی۔ سلطان ناصر الدین محمود (متوفی ۱۲۶۶ء) بھی کتابوں کا بڑا شیدائی تھا اس نے کتابت کو اپنا دل پسند مشغلہ بنا کر فن کتابت کو ہندوستان میں معزز و محترم بنا دیا تھا۔ غلام خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ غیاث الدین بلبن (متوفی ۶۲۸ھ) کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا دربار علم اور دولت دونوں کا مرکز تھا۔

ان سلاطین کی معارف پروری کے اثر سے اس نوزائیدہ سلطنت میں کتب خانے قائم کرنے کا جو ذوق و شوق پھیلا ہو گا اس کا اندازہ لگانے کے لئے ان مدارس کو دیکھئے جو دہلی، ملتان، ٹھٹھہ، اُچہ اور بہار وغیرہ میں قائم ہوئے تھے۔ ان میں اُچہ (سندھ) کے مدرسہ فیروز شاہی اور دہلی کے مدرسوں معزی اور ناصری نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اس عہد کے ارباب علم میں نظام الدین حسن نیشاپوری مصنف ”تاج المآثر“۔ فخر الدین مبارک شاہ مصنف ”تاریخ مبارک شاہی“ قاضی منہاج الدین سراج مصنف ”طبقات ناصری“ محمد عوفی

---

۱۔ اس تحریر کا خلاصہ بزم ملوکہ بہ (مرتبہ سید صلاح الدین عبدالرحمن) کے ص ۹۱ پر درج ہے۔



مصنف ”کباب الالباب“ اور ”جوامع الحکایات“ و ”وامع الروایات“ اور ناصر الدین قباچہ کا وزیر، عین الملک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غلاموں کے عہد میں صوفیائے کرام کی وجہ سے بھی کتب خانوں کی رونق بہت بڑھ گئی تھی۔ اسے حسن اتفاق کہئے کہ ایک طرف ۶۱۲۰ھ میں دہلی سلطنت قائم ہوئی اور دوسری طرف حضرت خواجہ عین الدین چشتیؒ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (متوفی ۶۱۳۳ھ/۱۲۳۵ء) نے دہلی میں روحانی سلطنت قائم کی، ان کے جانشین شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۶۲۶۵ھ) نے توپاک پٹن کو اپنا مرکز بنایا مگر ان کے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء (متوفی ۶۳۲۵ھ) اور ان کے خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی (متوفی ۱۳۵۶ھ) نے دہلی کو رونق بخشی۔ ان بزرگوں کی خانقاہوں سے جو کتب خانے ملحق تھے ان میں خواجہ نظام الدین اولیاء کا کتب خانہ بہت عمدہ تھا جس میں تصوف اور مذہب کی بیش قیمت کتابیں جمع تھیں۔ خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ شیخ سراج الدین اس کتاب خانہ کی بہت سی عمو

- 
- ۱۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو (ہند) نے شائع کیا ہے۔
- ۲۔ خواجہ صاحب کے ملفوظات کا مکمل مجموعہ فرائد الفواد ہے جسے ان کے مرید حسن سجزی نے مرتب کیا تھا۔
- ۳۔ چراغ دہلوی کے ملفوظات کے ایک مجموعہ کا نام ”خیر المجالس“ ہے۔

کتابیں اپنے وطن لکھنؤ (بنگال) لے گئے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء اور  
 بن کے کتب خانے نے اس زمانہ کی روحانی اور علمی زندگی کو جس طرح متاثر کیا  
 اسے پروفیسر وحید مرزا نے مورخ برنی کے حوالہ سے یوں تحریر کیا ہے :-

”نیا دور امر اور بڑے لوگ اور طلباء جو شیخ کی خدمت میں  
 حاضر رہتے تھے مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف نظر آتے تھے  
 ایسی کتابیں جیسے احیاء العلوم اور اس کا ترجمہ، عوارف  
 کشف المحجوب، قوۃ القلوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد  
 مکتوبات عین القضاۃ، قاضی حمید الدین ناگوری کی لوائح اور بوزج  
 اور امیر حسن کی فوائد الفوائد کے بہت سے گاہک مشتاق رہتے تھے  
 اور کتب فروشوں کی دکانوں پر لوگ زیادہ تر تصوف اور حقائق  
 کی کتابیں تلاش کیا کرتے تھے۔“

خلجی خاندان | خلجی عہد میں بھی خواجہ نظام الدین اولیاء امیر خسرو  
 اور دوسرے اربابِ علم کی دینی اور ثقافتی سرگرمیاں  
 جاری رہیں جن سے عوام میں کتابیں جمع کرنے کا میلان پیدا ہوا اور کتب خانوں  
 کی تعداد بڑھی۔ بالخصوص انھیں امیر خسرو کی ذات سے بڑا فائدہ  
 پہنچا۔ ہندوستان کی علمی و ادبی اور موسیقی کی تاریخ میں خسرو کو نہایت  
 بلند مرتبہ حاصل ہے۔ انھیں متفقہ طور پر ہندوستان کا سب سے بڑا فارسی شاعر

مانا گیا ہے انھوں نے ایک طرف اپنی کہہ مکرخیوں، گیتوں، پہیلیوں اور غزلوں سے اردو زبان کے ابتدائی خاک کو دلچسپ اور دلغریب بنایا اور دوسری طرف اپنی کثیر تصانیف سے کتب خانوں کی رونق بڑھائی مورخ برنی کا بیان ہے کہ خسرو کی تصانیف اتنی تھیں کہ ان سے ایک کتب خانہ بن سکتا تھا۔ جامی نے ان کی تعداد ننانوے بتائی ہے۔ اس زمانہ کے ارباب علم میں صرف خسرو ہی ایسے شخص تھے جو اپنی علمی قابلیت، جودت طبع اور دینداری کی وجہ سے مشائخ کے حلقوں اور بادشاہوں کے درباروں میں نگہ محبت و احترام سے دیکھے جاتے تھے خواجہ نظام الدین اولیاء کو ان سے بڑی محبت تھی جلال الدین خلجی نے انھیں اپنا ندیم اور مصحف بردار مقرر کیا تھا لیکن بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ شاہی کتب خانے کے مہتمم بھی تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو واقعی خلجی عہد کا شاہی کتب خانہ بڑا عالی شان ہو گا ظاہر ہے کہ جس کتب خانہ کے مہتمم، امیر خسرو جیسے صاحب کمال ہوں اس کی شوکت اور ندرت سے کون انکار کر سکتا ہے اس عہد میں کتب خانوں کی کثرت کا ثبوت ان علمی ترقیوں سے بھی ملتا ہے جنھوں نے سائے ہندوستان کو درخشاں کر دیا تھا۔ خلجی خاندان کا پہلا فرما زوا جلال الدین خلجی (متوفی ۶۱۲۹ھ) خود شاعر تھا اور علم و ادب سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا جانشین علاء الدین خلجی (متوفی ۶۳۱۶ھ) تعلیم یافتہ

۱۵ عہدِ غلائی کے ابتدائی پندرہ سال کے واقعات امیر خسرو کی ”خزائن الغتوح“ میں درج ہیں۔

تو نہ تھا مگر خدا کی شان دیکھئے کہ علم و فن کی ترقی کے اعتبار سے اس کا عہد نہایت ممتاز تھا۔ اس دور میں بقول ضیاء الدین برنی چھیا لیس علماء دلی میں ایسے تھے جو دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ قما س کہتا ہے کہ ان حضرات کے کتب خانے بھی بے نظیر ہوں گے ان کے علاوہ اور بہت سے کتب خانے ہونے کے امکانات پائے جاتے ہیں اس لئے کہ اس عہد میں اہل علم کی کثرت تھی اور مسلمانوں کی حکومت انتہائی وسیع ہو گئی تھی۔ بنگال تو غلاموں کے عہد میں فتح ہو چکا تھا۔ علاء الدین غلجی کے عہد میں گجرات اور دکن بھی فتح ہو گئے۔ ان فتوحات کا ایک اثر یہ ہوا کہ دہلی کے علمی مرکز کی روشنی گجرات اور دکن میں بھی پہنچ گئی اور مدرسوں اور کتب خانوں کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا۔

**تخلیق خاندان** | عہد تغلق میں شمالی ہند اور دکن کے علمی رشتے زیادہ مستحکم ہو گئے اور درس و تدریس کی بھی خوب رونق ہوئی۔ ظاہر ہے کہ علم کو جتنا فروغ ہو گا اور تسلیم جتنی پھیلے گی اسی قدر کتب خانوں کی ترقی ہو گی۔ تخلیق خاندان کے دوسرے سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہونے کے دوسرے ہی سال ۷۳۶ھ میں دولت آباد (دیوگری) کو اپنا پایہ تخت بنایا اور دہلی والوں کو وہاں جانے کا حکم دیا چنانچہ لوگ اپنا ساز و سامان، اپنا لسانی مذوختہ اور اپنی کتابی دولت لے کر دولت آباد پہنچ گئے۔ اگرچہ

یہ زیادہ دنوں پایہ تخت نہ رہا لیکن اس دوران میں وہاں علمی و کتابی ذوق کے جو بیج پڑ گئے تھے وہ آگے چل کر برگ و بار لائے اس میں شک نہیں کہ محمد تعلق کے بعض منصوبوں سے عوام کو بڑی تکالیف پہنچیں مگر اس میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں وہ عربی و فارسی کا عالم اور حافظ قرآن تھا۔ مورخین اس کی دینداری، فیاضی اور انصاف پسندی کا اعتراف کرتے ہیں، اس نے تعلیم کی توسیع کے لئے جو کام کئے وہ سب کے نزدیک مسلم ہیں اس کے عہد میں مدرسوں کے قیام سے کتب خانوں کی رفتار ترقی بہت بڑھ گئی تھی۔ خود محمد تعلق کا کتب خانہ نہایت نفیس تھا اس کے علاوہ دہلی میں ایک ہزار تعلیمی کتب خانے تھے۔ کہتے ہیں کہ عہد تعلق میں مدرسوں کی اتنی کثرت ہو گئی تھی کہ صرف دہلی میں ایک ہزار سے زائد تھے جن کے کتب خانوں میں ریاضی، ہیئت اور طب وغیرہ کی ہزار ہا کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ ان تینوں علوم سے سلطان کو خاص ذوق تھا اس کے علاوہ علماء و شعراء کی وہ اتنی قدر و منزلت کرتا تھا کہ اس نے مولانا معین الدین عمرانی کو خاص طور پر شیراز بھیجا کہ قاضی عضد (مواقف کے مؤلف) کو ہندوستان لائیں۔ اسی زمانہ میں مشہور سیاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا تھا سلطان نے

---

سید محمد بن تعلق کی دینداری اور مذہبی پالیسی کے متعلق ملاحظہ ہو ”سلطان محمد بن تعلق کے مذہبی رجحانات“ از خلیف احمد نظامی (رسالہ برہان دہلی ماہ چ ۱۳۶۷ء)

اُسے انعام و اکرام سے نرفراز کیا اور دہلی کا قاضی مقرر کر دیا۔ اس سلطان کی سزا سے بدچلاچ، عصامی، ضیاء الدین برنی اور مولانا ضیاء الدین غنشی بدایونی

۱۷ بدچلاچ نے ایک شہنوی "شاہ نامہ" لکھی اور سلطان محمد تغلق کی صحت میں قصائد لکھے۔  
 ۱۸ عصامی نے بارہ ہزار اشعار کی ایک شہنوی "فتوح السلاطین" لکھی۔ یہ اس سے  
 شائع ہو چکی ہے۔ ۱۹ برنی نے تاریخ فیروز شاہی لکھی جس میں سلطان غیاث الدین  
 بلبن سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق کے چھٹے سال جلوس تک کے واقعات  
 ہیں اور تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عقیف) میں فیروز شاہ تغلق کے  
 جلوس سے وفات تک کے واقعات درج ہیں۔ ۲۰ غنشی کی دو کتابیں  
 "تصوف میں" "سلک السلوک" اور "کلیات و جزئیات" ہیں۔ ان کی تصنیف "طوطی نامہ"  
 کافی مشہور ہے جس کے ترجمے ترکی، جرمن اور انگریزی میں بھی ہوئے۔ ۲۱  
 میں اس کا ترجمہ دکنی اردو میں ہوا اور ۱۹۰۷ء میں خورشید ویم کالج کے ایک  
 ادیب سید جید بخش حیدری دہلوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے "طوطا کہانی"  
 نام رکھا۔ رسالہ صحیفہ لاہور ستمبر، ۱۹۰۷ء کے ایک مضمون "طوطا  
 کہانی" میں محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں کہ طوطی نامہ غنشی کے دو  
 قلمی نسخوں کا اس وقت تک پتہ چلا ہے۔ ایک برٹش میوزم لندن میں  
 ہے، جسے ایک پارس خورشید بن اسفند یار نے کپتان آنجین  
 (Kungien) کے لئے لکھا تھا اور دوسرا نسخہ محمد حسین خاں مالک  
 کتب خانہ افغانی سرکلر ڈیلاہور کے پاس ہے۔

فیضیاب ہوتے تھے۔ پچھلے اوراق میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان محمد تغلق (متوفی ۱۳۸۱ء) کے حضور میں جب کوئی شخص کتاب نذر کرتا تو وہ اس کا دامن زرد جواہر سے بھر دیتا تھا داد و دہش کے ان واقعات کی روشنی میں پر دہ تصور یہ نظر آتا ہے کہ محمد تغلق کے دربار میں کتابیں نذر کرنے والوں کا ایک جگمگاٹا ہوا ہے لوگ عمدہ عمدہ کتابیں پیش کر کے بیش قیمت انعام حاصل کر رہے ہیں اور کتب خانوں میں طرح طرح کی کتابوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔

فیروز شاہ تغلق (متوفی ۱۳۸۸ء) کے عہد میں کتب خانوں نے ترقی کی طرف اور قدم بڑھایا۔ ایک کتب خانہ تو خود فیروز شاہ کا تھا اس کے سوا اور بہت سے کتب خانے اس عہد میں کھلے۔ ایک دارالترجمہ بھی قائم ہوا جس کے زیر نگرانی سیکڑوں کتابیں فارسی کا حامہ پہن پہن کر کتب خانوں میں داخل ہوئیں۔ کانگڑہ (نگرکوٹ) کی فتح کے موقع پر جب سلطان کو سنسکرت کی تیرہ سو کتابیں ملیں تو اس نے بعض کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ایک کتاب کا عزالدین خالد خانی نے ترجمہ کیا اور اس کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا گیا۔ اس زمانہ میں فقہ کے متعلق ”فتاویٰ تاتار خانیہ“ اور ”فقہ فیروز شاہی“ جیسی معرکہ الآرا کتابیں لکھی گئیں۔ فیروز شاہ نہایت ذی علم آدمی تھا اس نے

---

۱۔ یہ کتاب اب تک غیر مطبوعہ ہے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔

”فتوحات فیروز شاہی“ لکھی اور اہل علم کی سرپرستی کرنے میں بڑی فیاضی دکھائی۔ لکھا ہے کہ یہ سلطان علمی وظائف و عطیات پر ایک کروڑ چھتیس لاکھ تنگہ سالانہ صرف کیا کرتا تھا۔ فیروز شاہ نے بہت سی مسجدیں اور مدرسے بھی تعمیر کرائے اور لڑکیوں اور غلاموں کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا۔ تعلیم کی طرف سلطان کی اس قدر توجہ کرنے سے تعلیمی کتب خانوں کی خوب ترقی ہوئی ان میں دہلی کے مدرسہ فیروز شاہی کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس عالی شان مدرسہ کا کتب خانہ دیکھنے کے لائق ہو گا۔ مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ یہ مدرسہ شان و شوکت، خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس ہند میں سب سے بہتر اور عمدہ ہے۔“

لودی خاندان | لودی عہد کے کتب خانے بتاتے ہیں کہ ان کے تمام کا  
۱۲۷۱-۱۵۲۹ء جو سلسلہ دہلی سلطنت کے اولین دور سے شروع ہوا تھا وہ نامساعد حالات کے باوجود جاری اور ساری رہا۔ لودی خان

History of India by H.M. Elliot & John Dowson

(London, 1871) v. 3, p. 317. تنگہ سلاطین دہلی کے زمانہ میں چاندی کے

سکہ کا نام تھا جس کے وزن میں مختلف سلاطین کے زمانہ میں تبدیلی ہوتی رہی۔

۳۷ لودی عہد کے حالات ”مخزن انصافی“ (خواجہ نعمت اللہ ہروی) اور

تاریخ داؤدی (عہد اللہ) میں درج ہیں۔



آخری بادشاہ ابراہیم لودی کے ایک امیر غازی خاں کا کتب خانہ جو نہایت عمدہ تھا فتح پنجاب کے بعد بابر کے قبضہ میں آ گیا تھا۔

ایسے اور بھی ذاتی کتب خانے اس دور میں موجود تھے۔ اور تعلیمی کتب خانوں کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی سلطان سکندر لودی (ستوفی ۱۵۵۸ء) کے عہد کے ایک عالم سید ابراہیم کی نسبت لکھا ہے کہ ”چند اس کتب و اکثر بخط و از کتب خانہ او برآمد کہ از حد و حصر خارج“ اس بادشاہ کا عہد احیاء علوم کا دور تھا ۹۸۰ھ میں تیموری حملہ سے دہلی کے جو علمی گلستان دیران و برباد ہو گئے تھے ان میں نئے سرے سے بہار سکندری دور میں آئی۔ ہندوؤں میں فارسی دانی کا رواج اسی زمانہ سے ہوا، بقول مصنف تاریخ داؤدی و طبقات اکبری ہر ایک کے دماغ میں علم کا سودا سما یا ہوا تھا۔ اس بیان میں اس قدر اضافہ کر دینا بے محل نہ ہو گا کہ ہر گھر میں ایک کتب خانہ موجود تھا۔

سکندر لودی نے اشاعت تعلیم کی طرف بڑی توجہ فرمائی۔

رر خا اور مستحرا وغیرہ میں مدرسے کھولے۔ ہندی اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ میاں بھوہ نے اپنی کتاب معدن الشفا میں لکھا ہے کہ ”ہر طرف علم و فضل رار و نوق شدہ در فصحاء و فہدگار و علمائے کبار در ہر علی تصنیف ساختند“ معدن الشفا یا طب اسکندری اس عہد کی ایک اہم طبی تصنیف ہے پانچ سو صفحے کی اس کتاب میں ایک ہزار سے زیادہ امراض اور ان کے علاج کا ذکر ہے اس کی تکمیل کے

سلطنت میں جب علم طب کی بہت سی کتابیں فراہم کی گئیں اور خراسان سے بھی کچھ کتابیں منگائی گئیں تو ان سے شاہی کتب خانہ کو بہت فائدہ پہنچا اور اس میں طب کی نایاب کتابوں کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

سکندری عہد میں عبداللہ تلمبنی، شیخ فتح اللہ اور میاں لاڈن کے مکتب خانے بہت قیمتی معلوم ہوتے ہیں ان میں قاضی عضد الدین شیرازی کی مطالع اور مواقف، ابویعقوب یوسف سکا کی کی مفتاح العلوم اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف جیسی کتابیں موجود تھیں ان کتب خانوں کا بھی مورخین بنے حسب عادت حال نہیں لکھا مگر ان حضرات کے علمی مشاغل کتب خانوں کے وجود کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ملتان میں سیاسی بھران کے باعث طوائف الملوک کی پھیلی ہوئی تھی اور مشائخ اور علماء ملتان چھوڑ کر دہلی اور دوسرے شہروں میں آباد ہو رہے تھے۔ علم کی دولت بھی ہمیشہ چلتی پھرتی رہتی ہے۔ تیموری حملہ کے اثر سے دہلی کی علمی روئیں سمٹ کر جون پور پہنچ گئی تھیں اور اب ملتان کی تباہی دہلی کی رونق کا سبب بن گئی۔ اسی زمانہ میں شیخ عبداللہ تلمبنی اور ان کے بھائی عزیز اللہ تلمبنی نے ملتان سے آکر دہلی اور سنبھل میں علم کی مسندیں بچھائیں۔ دہلی میں شیخ عبداللہ کی درس گاہ استاد بلند مرتبہ رکھتی تھی کہ سکندری لودی خود درس میں شریک ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ کی درس گاہ سے میاں لاڈن، میاں شیخ گوالہاری اور میراں سید جلال بدایونی وغیرہ

جیسے چالیس علماء متبحر پڑھ کر نکلے۔

لودی عہد میں ملتان سے آنے والوں میں خاندان زبیری کینو بزرگ حضرت مخدوم شیخ سماء الدین اور شیخ جمالی بھی شامل تھے۔ اس خاندان کے افراد نے اپنے کارناموں سے صرف لودی عہد ہی کو درخشاں نہیں کیا بلکہ سیکڑوں برس تک تدریس و تصنیف کے ذریعے کتب خانوں کی رونق بڑھائی۔ مخدوم شیخ سماء الدین (متوفی ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء) ساری عمر رشد و ہدایت اور تعلیم و تدریس میں مصروف رہے۔ بہلول لودی اڈ سکندر لودی جس عجز و نیاز کے ساتھ آپ کی خدمت میں آتے تھے اس کا ذکر ”محزون افغانی“ وغیرہ میں آیا ہے۔ شیخ موصوف کے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ بیابانی عشق الہی اور شوق علم دونوں سے سرشار تھے۔ جذبہ عالم میں مالوہ کے جنگلوں میں پھرتے رہے مگر کتابیں پاس رہیں شجرہ سہروردی میں ان کتابوں کی چوری اور پھر ان کے حصول کی کیفیت درج ہے۔ شیخ

---

۱۰ حیات ثبلی از سیلیمان ندوی ص ۳۱ (مطبوع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء)  
 ۱۱ شیخ سماء الدین کی تالیفات، مفتاح الاسرار، حواشی بر لمعات شیخ فخر الدین عراقی، تذکرہ حضرت مخدوم شمس العارفین صدر الدین محمد ترک بیابانی خلف شیخ مخدوم شہاب الدین سہروردی، شجرہ سہروردی کے مصنف سماں احمد خان کبر شاہی (شیخ جمالی کے پوتے) تھے۔ عہد جہانگیری میں انتقال ہوا ان کی تصنیف معدن اخبار احمدی بھی قابل ذکر ہے۔

سماۃ الدین کے دوسرے صاحبزادے شیخ نصیر الدین عہد سکندر لودی میں  
 شیخ الاسلام تھے انھوں نے تدریس کی دولت اپنے باپ سے پائی تھی  
 ان کے لڑکے شیخ فتح اللہ شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں لاڈن اور  
 مفتی جمال خاں بڑے پایہ کے عالم و فاضل ہوئے۔ ان تینوں نے اپنے  
 باپ کے علاوہ شیخ تلمبئی سے بھی فیض علم پایا تھا۔ شیخ فتح اللہ تو اپنے  
 استاد کے ایسے محبوب شاگرد تھے کہ ۹۲۲ھ میں ان کے انتقال کے بعد  
 وہی ان کی مسند علم اور درس پر متمکن ہوئے۔ اس جانشینی نے شیخ تلمبئی کے  
 ذخائر کتب کو بھی شیخ فتح اللہ کے کتب خانے میں شامل کر دیا۔ میاں  
 لاڈن (متوفی ۹۴۵ھ) نے بھی درس و تدریس کے سلسلے میں بہت سی درسی  
 اور مذہبی کتابیں جمع کی تھیں وہ سکندر لودی کے مشیر مذہبی تھے۔ ان کے  
 شاگردوں میں ملا عبدالقادر بدایونی کے استاد شیخ عبداللہ بدایونی اور  
 سید علاء الدین مجذوب المشہر بہ علاء الاول بلاول بھی شامل ہیں۔  
 اس طرح مخدوم شیخ سماۃ الدین کے خاندان میں تقریباً چالیس برس  
 (شیخ سماۃ الدین تا میاں لاڈن) کے اندر بڑا اچھا کتب خانہ قائم  
 ہو گیا تھا جس کا کچھ نہ کچھ فیض اٹھارھویں صدی عیسوی تک باقی رہا  
 اس خاندان کے ایک فرد نواب مبارک علی خاں میرٹھی (متوفی ۱۸۷۶ء)  
 نے اپنے رسالہ ”مبارک“ میں لکھا ہے کہ جب غلام قادر خاں  
 کے خلاف مرہٹوں نے میرٹھ پر یلغار کی تو اس وقت خاندان  
 کا قدیم کتب خانہ بھی تباہ ہو گیا۔

ہودی عہد کے ایک گوہر آبدار شیخ جمالی (دھونی ۹۴۲ھ/۱۵۲۸ء) ہیں۔ جن کو اس عہد کی بلند ترین ادنیٰ شخصیت کہا جاتا ہے۔ انھوں نے علوم ظاہری و باطنی اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ سمار الدین نے حاصل کئے تھے وہ عالم، شاعر اور مصنف ہونے کے علاوہ بہت بڑے نیاخ بھی تھے ان اوصاف کی روشنی میں جمالی کا کتب خانہ دیکھئے اس میں "عوارف" کا وہ نسخہ بھی موجود تھا جو اس کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا اور ان ہی کے سجادہ نشین نے یہ تبرک تحفہ جمالی کو بغداد کے دور ان قیام میں دیا تھا عوارف جیسی اور بھی نایاب کتابیں شیخ کو اثنائے سفر میں ملیں ہوں گی اور ان کے پاس بہت سے نوادر جمع ہو گئے ہوں گے اس سفر میں جمالی کی ملاقات ملا جامی جیسے اکابرین سے ہوئی اور علمی مباحثے اور پُر لطف صحبتیں رہیں حقیقت میں شیخ جمالی کی سیر و سیاحت سے علم و ادب کو بڑا فائدہ پہنچا ان کی سیاحت کی کئی یاد گاریں ملی ہیں جو علمی دنیا میں ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کی جائیں گی۔ ان میں ایک مشہور "مہر و ماہ" ہے جو جمالی نے تبریز کے قیام میں اہل تبریز کی فرمائش پر لکھی تھی اس سلسلے میں ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مضمون "خسرو ثانی شیخ جمالی دہلوی"

۱۲۵۰ء آپ کا نام حامد اللہ بن فضل اللہ اور تخلص جمالی تھا اور آپ شیخ سمار الدین کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔

۱۲۵۱ء اس کا نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے۔

۱۲۵۲ء رسالہ ادب و ادب انجمن ترقی اردو ہند جلد ۴ ص ۱۱۱

یہ بڑی سچی بات کہہ رہے کہ اہل ایران کا کسی ہندوستانی سے اس طرح  
فرمانش کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جمالی نے شعر و سخن کی دنیا میں  
کافی تسلیم پیدا کر لیا تھا۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ  
اس کی طلب میں سکندر لودی نے شیخ جمالی کو ایک منظوم خط لکھا تھا  
جو شعری ادب میں خاصہ کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ شیخ جمالی کی تصانیف  
میں مثنوی ”مرآۃ المعانی“ ”سیر العارفین“ اور دیوان فارسی قابل ذکر ہیں۔  
مثنوی ”مرآۃ المعانی“ کا ایک نہایت خوبصورت قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری

سے سلطان سکندر لودی کا منظوم خط شیخ جمالی کے نام :-

اے مغر گنج نا یزالی	دے سالک راہ ویں جمالی
در گرد جہاں بسے زہ سیر	در منزل خود رسیدہ بالخیر
بودی تو مسافر زمانہ	الحمد کہ آمدی بخانہ
باید کہ کتاب مہر و ماہم	ارسال کنی چنانکہ خواہم
اے شیخ بما برس بزدی	بسیار مسافرت نمودی
بکشا بسوئے در گہم گام	تکدریابی ز گل رخنے کام
چشم بجاں تو پیاں است	دل مرغ شمال در فغان است
من سکندر و تو خضر مائی	باشد کہ بسوئے ما بیائی

سے ملاحظہ ہو ”تصانیف شیخ جمالی“ (مقالات شروانی ص ۳۱۲)

سے دیوان کے قلمی نسخے حبیب گنج اندام پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(موجودہ اسٹیٹ لائبریری) حیدرآباد دکن میں ہے جس کے آخری  
عنوان کا ایک شعر یہ بھی ہے :-

اے جمالی جملہ دریا نوش باش  
بھوں صدف پر در شود خاموش باش

لیکن شیخ جمالی کا یہ شعر نعت کا بہترین شعر کہا جاتا ہے کل  
کی نسبت شیخ عبدالحق محدث نے لکھا ہے کہ بعض اولیاء نے خواب  
میں اس شعر کی قبولیت کے متعلق بارگاہ نبوت سے بشارت پائی ہے۔

موسى ز هوش رفت به يك پر تو صفات  
تو عین ذات می نگری در تبسمی

شیخ جمالی کا علمی فیض ان کے بیٹوں حیاتی اور گدائی نے جاری رکھا ان دونوں  
کے فضائل علمی کا حال پڑھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف اپنے  
باپ کے کتب خانہ کی رونق قائم رکھی ہوگی بلکہ خود بھی کتابوں کے نہایت قیمتی  
ذخیرے جمع کئے ہوں گے۔ میاں عبدالحق المتخلص بہ حیاتی سلطان سلیم شاہ سوری  
کے مصاحب و ندیم تھے ان کی سخنوری، ظرافت طبع اور فیاضی کی شیخ عبدالحق  
محدث دہلوی اور مصنف مخزن افغانی نے تعریف کی ہے۔ عبد الصمد المتخلص بہ  
گدائی عہد اکبری میں پہلے شیخ الاسلام تھے۔ ان کے کتب خانہ کی کتاب میر خسرو کا ایک  
دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے جس پر گدائی کی مہربیں الفاظ ثبت ہے۔

المفتقر الی الملك المتعالی - المحقیر گدائی بن جمالی

ہندوستان کے مسلم عہد

میں

کتب خانوں کا عروج و زوال

۶۱۸۵۷ ————— ۱۵۲۶

(۵۱۲۷۴ ————— ۵۹۳۳)



## شاہانِ مغلیہ کے کتب خانے

کتب خانوں کی تحریک کے جو پورے دہلی سلطنت میں لگائے گئے تھے وہ مغلیہ عہد میں نشو و نما پا کر تناور درخت بن گئے۔ حقیقت میں مغل بادشاہوں کے ہندوستان پر بڑے بڑے احسانات ہیں۔ ان کے علمی ذوق اور جمالیاتی شعور ان کی ذہانت و ذکاوت، نفاست پسندی اور فیاضی نے ہندوستانی زندگی کے ہر گوشہ میں چار چاند لگا دئے تھے۔ علوم و فنون کے سارے شعبوں، ادب، خطاطی، مصوری، موسیقی، تعمیرات، صنعت و حرفت وغیرہ کی ان کے عہد میں ایسی ترقییں اور پرورش ہوئی جس کی نظیر ہندوستان نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس عہد میں کتب خانوں کو بھی بڑا عروج حاصل ہوا اور کتابیں جمع کرنے کا ذوق باہم کمال پر پہنچا۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ ہر علمی اور تعلیمی تحریک کو بھولنے پھلنے کے لئے پرسکون فضا درکار ہوتی ہے۔ مغل بادشاہوں کے حسن سیاست و تدبیر اور ان کی رواداری سے ہندوستان کو ایسا قرار و امن ملا جو علم و ہنر کی ترقیوں کے لئے بڑا سازگار ہوا اور ملک بھر میں تعلیمی چرچے ایسے عام ہوئے کہ سماج اور علم کے رشتے گہرے اور مضبوط ہو گئے۔ ذوقِ کتب بینی ہر طرف پھیل گیا اور بے شمار کتب خانے منظرِ عام پر آ گئے جن کی رونق و ترقی کا خاص زمانہ اکبر سے لے کر عالمگیر تک ہے۔

ان بادشاہوں کا ذوق کتب بینی، ان کے عہد میں ارباب علم و اہل قلم کی کثرت اور مدرسوں کی بہتات کتب خانوں کے ترقی کرنے کا سبب بنی یہ بادشاہ کتابوں کے معاملے میں عہد جدید سے اتنے قریب تھے کہ اکبر نے معجم البلدان و مہا بھارت وغیرہ کے ترجمے کرائے اور عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام ممتاز مولفین کی ایک جماعت کے سپرد کیا تھا غرض ہندوستان میں اجتماعی تالیف کی طرغ بیل ڈالنے کا سہرا بھی مغلوں کے سر ہے۔

کیا خدا کی قدرت ہے کہ جنگیز اور ہلاکو کا جانشین تیمور جس نے وسط ایشیا اور ہندوستان کے علاقوں میں انسانی خون کے دریا بہائے تھے اور جس نے بے شمار خلق خدا کی متاع عافیت کو لوٹ لیا تھا، اسی کی پانچویں پشت میں انسانیت کا محافظ اور علم و ادب کا مربی بابر اٹھا جس کی اولاد میں علم سے وابستگی اور کتابوں سے شیفتگی برابر منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ مغلوں کے دور زوال میں بھی شعر و شاعری اور کتابی ذوق کے چرچے جاری رہے۔ انسان نہیں رہتا صرف اس کے اعمال رہ جاتے ہیں تیموری سلاطین باقی نہیں رہے اور ان کی داستان ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ لیکن علم و ثقافت اور کتب خانوں کی تاریخ میں ان کے نام زریں حروف میں ہمیشہ ثبت رہیں گے اور کتابوں کی شکل میں انھوں نے جو خزانہ چھوڑا ہے وہ لازوال رہے گا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

## پہلا مغل کتب خانہ | اس کتب خانہ کی بنیاد مغلیہ سلطنت کے بانی

محمد ظہیر الدین بابر نے ڈالی جو ایک زبردست فاتح اور عالم ہونے کے علاوہ کتابیں جمع کرنے کا بھی بڑا شائق تھا۔ وہ جب ہندوستان آیا تو اپنے اسلاف کے کتب خانوں سے بہترین نواذ کو منتخب کر کے ساتھ لایا۔ بابر اپنے آبائی ملک کو چھوڑ سکتا تھا لیکن علوم و فنون کے یہ ذخائر اسے چھوڑنے کو ارا نہ ہوئے۔ ان ذخائر میں بیشتر مصوری اور نقاشی کے نواذ تھے جن کا بقول مارٹن ہندی آرٹ نے بہت گہرا اثر قبول کیا۔ ان ہی قیمتی ذخائر سے شاہان مغلیہ کے پہلے کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی جس میں عہد بہ عہد اضافے ہوتے رہے۔

تزک بابر میں کے اندراجات ظاہر کرتے ہیں کہ بابر کی کتابوں سے دلچسپی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ سفر اور حضر دونوں میں کتابیں اپنے ساتھ رکھتا تھا اس کی عادت یہ تھی کہ مہبات کے دوران میں جب کوئی کتب خانہ ملتا تو وہ اس کی کچھ کتابیں اپنے بیٹوں کے پاس بھی بھیج دیا کرتا تھا چنانچہ فتح پنجاب کے وقت جب امیر غازی خاں کا کتب خانہ اسے ملا تو اس کی کچھ کتابیں منتخب کر کے ہمایوں اور کامران کے پاس بھیج دیں۔ اس طرح بابر کا کتب خانہ دو قسم کی کتابوں پر مشتمل تھا ایک تو وہ جو بابر اپنے وطن سے لایا تھا دوسری وہ جو اسے فتوحات میں دستیاب ہوئی تھیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کتب خانہ میں قرآن پاک، گلستان سعدی، شاہنامہ فردوسی

خمسہ نظامی، شنوی خسرو اور ظفر نامہ یزدی کے نسخے موجود تھے۔ کیونکہ یہی بابر کی لکھنویہ کتابیں تھیں مغل خاندان کے اس پہلے بادشاہ کا شوقِ کتب بینی تو دیکھئے، طبیعت ناساز ہے مگر اپنے کتب خانہ میں کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہے۔ خود بابر کہتا ہے کہ :-

”جمہ کے دن تئیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے بعد احتیاطاً کتب خانہ میں گیا بہت دیر تک بے چینی رہی، دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا کچھ جاڑا بھی چڑھا جسے شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کفاجہ عبید کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں، حضرت خواجہ کی روح سے ملتی ہوا اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت (صلعم) کو مقبول ہو۔“

یہ علمی ذوق بابر کو ورثہ میں ملا تھا۔ علم و دست باپ شیخ مرزا نے اسکی تعلیم کے لئے شیخ مزید بیگ بابا قلی علی، اور مولانا قاضی عبداللہ جیسے متبحر علماء کو منتخب کیا جس کی صحبت نے بابر کی وہ فطری صلاحیتیں جو علم و ادب کی طرف راغب تھیں یکدم اجاگر کر دیں وہ ۱۵۴۳ء میں پیدا ہوا۔ بارہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور جب تک زندہ رہا بے رحم رشتے داروں اور ناسازگار حالات کے ہاتھوں میں کھلونا بنارہا لیکن پھر بھی علم و ادب کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں جب بھی فرصت ملی تو بیاض نکالی اور شعر پڑھنے بیٹھ گیا۔ طبیعت کو موزوں پایا تو اس بیاض میں اور اضافہ کر دیا۔ بابر کی ماوری زبان تو ترکی تھی مگر وہ عربی اور فارسی زبانوں پر بھی قادر تھا اور فارسی

ترکی میں شعر کہتا تھا اس کے دیوان کا ایک نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ بابر نثر نگار بھی تھا اور فنون لطیفہ سے گہرا لگاؤ رکھتا تھا۔ اس نے ترک بابر کے نام سے اپنی سوانح عمری لکھی اور اسے چھوٹی چھوٹی تصاویر سے مزین کرایا۔ اس نے خط بابر کی ایجاد کیا اور اس خط میں قرآن کے کئی نسخے لکھ کر مکہ معظمہ بھیجے۔

بابر ۱۵۲۶ء میں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد وہ صرف چار برس زندہ رہا لیکن اس دوران میں اسے ہندوستان سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اس نے یہاں کی زبان سیکھی اور اپنی ترک میں جا بجا ہندی کے الفاظ استعمال کر کے اردو زبان کے ارتقاء پر اپنا نقش ثبت کر دیا۔ بابر کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے اس میں ترکی الفاظ کے پہلو پہ پہلو کھڑی بولی کے الفاظ بھی نظر آتے ہیں جو اس وقت اردو زبان کی ساخت میں بنیادی اہمیت حاصل کر رہی تھی بابر اپنے اس شعر میں کہتا ہے ”مجھ کو منکا، موتی، لعل و گہر کی کوئی ہوس نہیں ہے۔ فقیر کے لئے ایک ٹکڑا روٹی اور تھوڑا سا پانی کافی ہے۔“

بھکانہ ہوا کچھ ہوس مانگے موتی \* فقر حلیفہ بس بولغوسنیو پانی وردی  
ہمایوں کو تخت ملنشین ہونے کے بعد بہت سے دشمنوں سے

مقابلہ کرنا پڑا خصوصاً اس کے بھائیوں کی مسلسل بیوفائیوں  
احمد بہادر شاہ (والی گجرات) اور شیر شاہ سوری کی پیہم نبرد آزمائیوں نے  
اس کی زندگی و بلبل کر دی تھی پھر بھی وہ کتب خانہ کے سلسلے میں بڑا کام کر گیا

۱۵۵۷ء میں ہمایوں نے اپنے سائے دشمنوں کو زیر کر کے دوبارہ ہندوستان کی عثمانی حکومت سنبھالی اور ۱۵۵۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اس ایک سال کے مختصر عرصے میں اس نے نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کر لیا تھا۔ اور اس کے لئے ریاضی و نجوم و ہیئت کی بہترین کتابیں فراہم کی تھیں۔ ہمایوں کو علم ہیئت سے جو انس تھا اس کی مناسبت سے اس نے اپنے کتب خانہ کے لئے ایک بلند مقام یعنی شیر منڈل کی تیسری منزل منتخب کی تھی یہ سر منزلہ عمارت دہلی کے پرانے قلعہ میں شہر شاہ سوری نے اپنے لئے بنوائی تھی۔ ہمایوں کے کتب خانہ کا ہتھم لال بیگ کا باپ نظام الملقب بہ باز بہادر تھا۔

حقیقت میں کتابیں جمع کرنے کے شوق کو فروغ دینے میں ہی صحیح رہبری کر سکتا ہے جو خود علم کا دلدادہ اور کتابوں کا شائق ہو۔ ہمایوں میں یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان اوصاف جلیلہ کے علاوہ اس میں ہمت و استقلال کی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ اس کی شہزادگی اور بادشاہت کا تقریباً سارا زمانہ مصائب و آلام میں گزرا مگر ہمایوں نے ہمت کبھی نہیں ہاری اور نہ وہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس ہوا۔ اسکے علمی ذوق کا یہ حال تھا کہ جنگ و جدل کی مصروفیتوں اور الجھنوں سے جو وقت بھی ملتا وہ علمی مباحث اور مطالعہ کتب میں صرف کرتا شاعری ہو یا ریاضیات و نجوم ہو اس کا ذہن رسا سب پر یکساں حاوی تھا شاعری کے تمام اصناف پر اسے قدرت حاصل تھی۔ اس کے اشعار میں

صمائیوں کی لائبریری

پہرانا قلعہ۔ دہلی



واقعات کی تصریح، خیالات کی سادگی و جہتگی اور مضمون آخری موجود ہے۔ ہمایوں صاحب دیوان بھی تھا۔ ابو الفضل کے قول کے مطابق اس کا دیوان بکبر کے کتب خانہ میں موجود تھا اور اس کے دیوان کا ایک واحد قلمی نسخہ کجواضلع سارن (بہار) کے کتب خانہ میں ہے جس کی دریافت کا سہرا پور و فیئر سید حسن عسکری (شعبہ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی) کے سر ہے۔

ہمایوں کے محبوب مشغلے دو تھے۔ مطالعہ کتب اور علم ہیئت وہ میدان جنگ میں ہوا قسمت کے ہاتھوں پریشان پھر رہا ہو۔ بہر حال میں کہیں اس کے ساتھ رہتی تھیں چند بچہ کھمبات کے محاصرے کے دوران میں ہمایوں کے پاس منجملہ اور کتابوں کے ”تاریخ تیموریہ“ کا وہ نایاب نسخہ بھی تھا جسے بہزاد نے مصور کیا تھا۔ اور جب وہ شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھا کر ہندوستان سے جا رہا تھا تو اس بے سرد راہی کے رالم اور یاس انگیز حالت میں اس کے کتب خانہ کا مہتمم مع کتابوں کے ساتھ تھا اور اس کے استاد الیاس رد بیلی بھی موجود تھے جن سے وہ ہیئت و نجوم کا درس لے رہا تھا۔

---

اس نسخہ پر ایک مفصل مضمون پروفیسر فضا شمس الدین احمد تاج شہبہ فارسی پٹنہ یونیورسٹی نے شش ماہیہ سالہ معیار پٹنہ میں لکھا تھا۔ دیوان ہمایوں ڈاکٹر ہادی حسن رسابق پروفیسر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تصدیق و تہذیب کے بعد حیدر آباد سے شائع ہوا ہے۔



ہمایوں کے اس علمی شغف نے اس عہد کے نامساعد حالات میں بھی کتب خانوں کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے اسباب پیدا کر دئے تھے وہ شیرشاہ سے شکست کھانے کے بعد ایران چلا گیا تھا۔ جب پندرہ برس کے بعد وہاں سے ہندوستان واپس آیا تو میر علی تبریزی، خواجہ عبد الصمد شیرازی اور مہبت سے ایرانی علماء اور شعراء کو اپنے ساتھ لایا جنہوں نے ہندوستان کو کتابی دولت سے مالا مال کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ خود ہمایوں اپنی پریشاں حالی میں بھی کتابوں کی طرف سے غافل نہیں رہا اسی کی فرمائش پر غیاث الدین محمد المعروف بہ خواند میر نے ”قانون ہمایونی“ لکھی۔ یوسف بن محمد ہروی نے ”ریاض الادویہ“ تصنیف کی اور مولانا محمد بن علی بن محمد المسکن القاضی السمرقندی نے مختلف علوم و فنون کی دسویں ”چواہر العلوم ہمایونی“ لکھی۔ لیکن ہمایونی عہد کے متعلق تین کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ”ہمایوں نامہ“ جسے ہمایوں کی بہن گلبدن بیگم نے لکھا۔ ”تذکرۃ الواقعات“ جو ہمایوں کے انتقال کے

---

۱۰ خواند میر بابر کے زمانہ میں ہرات سے آیا تھا۔ اس کی تصنیف ”خلاصۃ الاخبار فی بیان احوال الاخیار“ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ خواند میر ”روضۃ الصفا“ کے مصنف میر خواند کا پوتا تھا۔ ۲۲۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”بزم تیموریہ“۔  
 - تہ سید صباح الدین عبد الرحمن - ص ۴۵-۴۶

بیس برس بعد اس کے آفتاب بھی جو ہر نے مرتب کیا اور "تاریخ ہمایوں" جو بایزید نے اکبر کی فرمائش پر لکھی تھی۔

ہمایوں "علم ہیئت" درکتبوں کا ایسا عاشق زار تھا کہ ان دونوں پر اس نے اپنی جان ہی نثار کر دی۔ ایک شام کو وہ اپنے کتب خانہ کی چھت پر ستارہ زبرہ کا مشاہدہ کرنے گیا۔ مغرب کی اذان سن کر نیچے ترہا تھا کہ بیڑھیوں پر سے پھسل کر گر گیا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ قسسم کا ہی نے یہ تاریخ بھی۔

بے تاریخ ادکا ہی رقم زد - ہمایوں بہ دشاہ ازبام افتاد

کتب خانہ مقبرہ ہمایوں | بابایوں عمر بھر علم کا شیدائی رہا مگر اس کو

طہین کے ساتھ مدرسے قائم کرنے کا وقت نہ مل سکا پھر بھی اس کے عہد میں دہلی اور آگرہ وغیرہ میں مدارس قائم ہوئے۔ یہ ہمایوں کی حسن نیت کا ثمرہ تھا کہ اس کا مقبرہ ایک مدت تک علم کی نشر و اشاعت کا مرکز بنا رہا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ دہلی میں مقبرہ ہمایوں کی چھت پر ایک زبرہ دست مدرسہ تھا جس میں بڑے بڑے فاضل اساتذہ درس دیتے تھے۔ وہاں طلباء کے رہنے کا بھی انتظام تھا۔ مدرسے کے قریب چھوٹے چھوٹے کمرے طلباء کے رہنے کے لئے بنے ہوئے تھے۔ اس بیان کے ساتھ یہ کہہ دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس دارالعلوم سے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ ملتی تھا۔

اکبر | اکبر کا عہد ہندوستانی کتب خانوں کی تاریخ میں  
 ۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء نشانِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں ان کے

استحکام اور ان کی ترقی کے لئے بہترین اسباب فراہم ہوئے۔ اس علم  
 دوست بادشاہ نے کتابی ذوق کو ہمہ گیر بنانے اور اسے فروغ دینے  
 میں ایسا انہماک دکھایا کہ اس زمانہ کے کتب خانے علم پرور ادارے  
 اور علمی تربیت گاہ بن گئے تھے۔ خود اکبر کا کتب خانہ اتنا قیمتی تھا  
 کہ بقول مورخ اسمتھ (Smith) اس سے پہلے اتنے قیمتی کتب خانہ  
 کا وجود نہیں ملتا۔ اکبری دربار کے ایک رتن عبدالرحیم خانخانا کے  
 کتب خانہ کو علامہ شبلی نے ایک اکاڈمی یا دارالحکمت بتایا ہے۔

اکبری عہد میں کتب خانوں کی ترقی کا سب سے بڑا سبب اکبر کا  
 کتابوں سے ذاتی لگے و تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مثنوی مولانا روم اور دیوان  
 حافظ کا بڑا دلدادہ تھا اور ان دونوں کے اشعار نہایت روانی کے  
 ساتھ پڑھتا تھا۔ اس کی علم نوازی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی مملکت  
 کے تمام صوبوں کے لئے یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ ”جہاں تک ممکن  
 ہو دنیا میں علم و ہنر کی اشاعت ہوتی رہے تاکہ اہل کمال دنیا سے  
 معدوم نہ ہو جائیں اور ان کی یادگار صفحہ ہستی پر باقی رہے“ اس علم  
 پروری کا شہرہ سنکر ہندوستان اور بیرون ہند کے بہترین دماغ و بار  
 شاہی میں جمع ہو گئے تھے جو دن رات معدنِ علم (کتب خانوں) سے  
 نعل و جواہر نکالتے اور شاہ کے حضور میں نذر کرتے تھے۔

اکبر کے اس کتابی ذوق کو دیکھ کر یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جاہل محض تھا بلکہ وہ پڑھا لکھا انسان تھا۔ رائل ایشیائیک سوسائٹی میں ”نظر نامہ“ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے جس کے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ ”فرور دین“ موجود ہے۔ اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے اور پھر اس کے نیچے شاہجہاں کی تحریر ہے۔

اکبر کے ذوق مطالعہ اور اس کے کتب خانہ کے متعلق ابوالفضل نے لکھا ہے :-

”جہاں پناہ نے اپنے تبحر علمی سے کتب خانے کو چند حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک شاخ قصر شاہی کے اندر ہے اور ایک ہر اور ان ہر دو شاخوں کو مختلف شعبوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ہمیشہ تمام علوم و فنون کی کتب و رسائل قیمت و فنون کی اہمیت کے اعتبار سے مختلف مدارج میں شمار کی جاتی ہیں اور ہندی و فارسی و یونانی و کشمیری و عربی زبانوں کی کتابیں نظم و نشر کے اختلاف کے لحاظ سے ترتیب دار پیشگاہ حضور میں لائی جاتی ہیں

---

۱۔ ملاحظہ ہو ”کتاب اکبر محض امی“ از زبید احمد (رسالہ جاسد ۱۹۲۹ء ص ۲-۱۱)  
 ۲۔ امین اکبری جلد اول از علامہ ابوالفضل ص ۱۹۰-۱۹۱ (دار الطبع  
 جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن) اردو ترجمہ۔

علماء و فاضلان آگاہ دل کتابوں کی نوعیت کے متعلق جہاں بیاہ سے عرض کرتے ہیں اور بادشاہ علم پر درہر کتاب کو اول سے آخر تک سنتے ہیں ہر روز جس صفحے یا سطر تک کتاب پڑھی جاتی ہے حضرت خود اپنے قلم سے اس مقام پر ہندسہ شمار تحریر فرماتے ہیں اور پڑھنے والے کو عدد اور اراق کے مطابق زر سرخ و سفید بطور انعام عطا ہوتا ہے۔

”شاید ہی کوئی مشہور کتاب باقی رہ گئی ہو جو محفل شاہی میں پڑھی نہ گئی ہو اور کوئی داستان قدیم و کلمات حکمت و عجائبات علوم ایسے نہ ہوں گے جو اس پیشوائے عقلا کو یاد نہ ہوں۔ قبلہ عالم کسی کتاب کو کمر سننے سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ بے حد شوق کے ساتھ کتابوں کو بہ کرات سماعت فرماتے ہیں۔ اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرفینری، گلستاں، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستاں، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، کلیات خسرو دہلا، جامی، دیوان خاقانی و انوری و دیگر کتب تاریخ ہمیشہ محفل مبارک میں پڑھی جاتی ہیں۔“

بزم تیموریہ کے مصنف کا بیان ہے کہ ”قلعہ آگرہ میں مثنیٰ برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے اس میں شاہی کتب خانہ تھا۔“ اس میں کتابوں کی کل تعداد ۲۴ ہزار تھی جن کی قیمت کا اندازہ ۵۰ لاکھ

کیا جاتا ہے۔ ان کتابوں کی باقاعدہ درجہ بندی کی گئی تھی۔ پہلے حصہ میں شاعری، طب، نجوم اور موسیقی۔ دوسرے میں تصوف، فلسفہ، علم اللسان اور ہندسہ۔ تیسرے میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں تھیں۔ اکبری کتب خانہ کے نادر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس میں علماء و ماضی اور علماء عصر کی خود نوشت کتابیں کثیر تعداد میں جمع تھیں۔

ان نایاب و نادر کتابوں کی نگرانی اور ترتیب و تنظیم کے لئے بہت بڑا علم و مقرر تھا جس میں نہایت لائق ذائق اصحاب شامل تھے مثلاً علامہ فیضی مہتمم کتب خانہ رہا تھا۔ کتاب دار کی خدمت عنایت اللہ شیرازی کے سپرد تھی جس کو بہترین خوش نویس ہونے کی بنا پر مکتوب خاں کا خطاب ملا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی بھی کتب خانہ کے نگراں رہے تھے وہ منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ شہزادی سلیمہ سلطان سلیم کو کتاب ”خرد افزا“ کی ضرورت ہوئی۔ شاہی کتب خانہ میں اس کا کہیں نہ ملا۔ چلا۔ ملا صاحب اس وقت بدایوں میں تھے۔ شہزادی نے ان کو بلوایا اور وہ جب آئے تو جائداد ضبط کرنے کی دھمکی دی۔

اکبری کتب خانہ میں آئے دن نایاب و نادر کتابوں کے اضافے بھی ہوتے رہتے تھے۔ اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ شاہی کتب خانہ میں ضرور بھیجتے۔ درباری مصنفین کی تصانیف اور تراجم

نے سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اکبر کو بہت پسند تھی۔

کے متعدد نسخے کتب خانے میں رکھے جاتے۔ فتوحات کے موقع پر جو کتابیں ملتیں وہ کتب خانہ میں داخل کی جاتیں۔ ہندوستان سے جو قافلے حج کے لئے جاتے ان کے سپرد بھی کتابوں کی فراہمی کا کام تھا۔ اکبر کے پاس تحفہ میں عرب سے بھی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ ۱۵۷۲ء میں فتح گجرات کے موقع پر اکبر کو جو کتابیں ملیں انھیں شاہی کتب خانے میں داخل کیا گیا۔ ۱۵۹۵ء میں جب فیضی کا انتقال ہوا تو اس کی ۳۰۰ منتخب قلمی کتابیں بھی شاہی کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔ ان اضافوں کے علاوہ اکبری کتب خانہ کی ترقی اور رونق کا سبب وہ محکمہ بھی تھا جو کتابوں کے ترجمہ کرانے، انھیں خوش خط لکھوانے اور ان کو نقوش و تصاویر سے مزین کرانے کے لئے قائم ہوا تھا اس محکمہ سے بادشاہ کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ بقول ابوالفضل داروغہ محکمہ ہر ہفتہ ہر شخص کا کام ملاحظہ عالی میں پیش کرتا اور ہر مصور اپنے کام کے مطابق انصاف و اضافہ سے سرفراز فرمایا جاتا۔ ابوالفضل نے یہ بھی لکھا ہے کہ قبلہ عالم خود جائے تصویر پر نشان بنا دیتے تھے اور ہنرمند استاد اس مقام پر سحر کاری کرتے تھے۔ اس قدردانی اور حوصلہ افزائی کا یہ اثر ہوا کہ عہد اکبری میں فن مصوری بام عروج پر پہنچا اور اس محکمہ میں یگانہ روزگار فنکار جمع ہو گئے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں ملازمت کے لئے مذہب و ملت کی کوئی قہد نہ تھی۔ قوم کہار کا لڑکا دسوت بھی

یہاں ملازم کھاتہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کی تعلیم کی بدولت باکمال مصور بن گیا تھا۔ خواجہ عبدالصمد کو خطاطی اور مصوری میں یہ کمال حاصل تھا کہ وہ خشتیاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھ دیتا تھا۔ اس نے کہانیوں کی کتاب ”داراب نامہ“ الفاظ کے بجائے تصاویر میں مرتب کر کے اکبر کے حضور میں پیش کی تھی۔ اس دور کے ایک خوش نویس میر دور سی کی نسبت لکھا ہے کہ خط نستعلیق لکھنے میں اس کا ہندوستان میں کوئی مد مقابل نہ تھا۔ اکبر نے اسے کاتب الملک کا خطاب عطا کیا تھا۔ ایسے باکمال استادوں نے چنگیز نامہ، طغر نامہ، اکبر نامہ، اراکسن، نل دمن اور کلیلہ دمنہ وغیرہ تصاویر، اور نقش و نگار سے آراستہ کیں۔ ”داستان امیر حمزہ“ میں ایک ہزار چار سو تصویریں بنائیں۔ ”تاجخاندان تیموریہ“ کو ساٹھ مصوروں نے ایک سو بارہ تصاویر سے آراستہ کیا۔ مہابھارت کا فارسی ترجمہ رزم نامہ کے نام سے ہوا جس میں تمام معرکوں کی تصویریں ہوائی گئیں اس کی تکمیل میں پانچ برس لگے اور اس پر دس ہزار روپے صرف ہوئے۔ یہی طرح سنسکرت کی اور کتابوں کے بھی فارسی میں ترجمے ہوئے اور فارسی کی بہت سی کتابیں سنسکرت میں منتقل ہوئیں۔

---

۱۔ یہ نسخہ خدا بخش ڈیوبری باغی پور میں ہے۔ (ایک مشرقی کتب خانہ ص ۶۲)  
 ۲۔ رزم نامہ کا یہ نسخہ جے پور میں ہے۔



یہ سب کتابیں عمدہ نستعلیق میں لکھی گئیں اور انھیں تصاویر و نقوش سے آراستہ کر کے کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔ اکبری کتب خانے میں پندرہ ہزار ایسے قلمی نسخے تھے جنھیں اکبر نے دوبارہ خوشخط لکھوایا تھا۔

کتابوں کے معاملے میں اکبر کا ایسا انہماک کتب خانوں کی ترقی کا جتنا ضامن بنا ہو گا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے، صرف درباری علماء کے کتب خانوں کی تعداد سیکڑوں تک شمار کی جاسکتی ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد مصنف ”طبقات اکبری“ نے عہد اکبری کے علماء اور شعراء کی تعداد ۸۱ بتائی ہے اور ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تصنیف ”منتخب التواریخ“ کی تیسری جلد میں ۲۲۵ علماء اور شعراء کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے جن کے علمی کام جس قدر عظیم الشان تھے اسی مناسبت سے ان کے کتب خانے اعلیٰ تھے۔ اس زمانہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی، شیخ عبد النبی، میر فتح اللہ شیرازی، نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید، قاضی نور اللہ شستری، خواجہ نظام الدین احمد عبد الرحیم خاںاناں اور

---

سلاطین اکبری سے شہاد عالم کے عہد تک کے امراء کا حال منشی کیول رام اگر وال نے ”تذکرۃ الامراء“ میں لکھا ہے۔ ”آثر الامراء“ (نواب شاہ نواز خاں مصصام الدولہ) میں اکبر سے لے کر محمد شاہ کے آخر عہد تک کے مشہور امراء کا تذکرہ ہے۔ سلطنت مغلیہ کے ہندو امراء کے حالات امرائے ہندو (سجید احمد مارہروی) میں درج ہیں۔

ملا عبد القادر بدایونی کے فضل و کمال اور تصنیفی و تعلیمی خدمات کا شہرہ ہندوستان بھر میں گونج رہا تھا۔ ملک الشعراء علامہ فیضی کی انشا پر داری اور شاعری کے کمال کا ہر شخص محترف تھا۔ اس نے ایک سو ایک کتابیں لکھیں۔ قرآن شریف کی ایک تفسیر ”موارد الکلام“ اور دوسری ”سواطع الالہام“ (بے نقط) اس کی یادگار ہیں۔ فیضی کے بھائی ابوالفضل کی علمی قابلیت کی تصدیق اس کی تصانیف ”آئین اکبری“ اور ”اکبرنامہ“ کر رہی ہیں۔ ان کے والد شیخ مبارک ناگوری بھی بڑے اہل قلم تھے۔ انھوں نے قرآن شریف کی تفسیر چار جلدوں میں لکھی اور پانچ سو ضخیم کتابیں نقل کیں۔ اس زمانہ میں مذہب، اخلاق، فلسفہ، تاریخ، سوانح، نجوم، طب، جغرافیہ اور افسانہ وغیرہ سب ہی پر کتابیں لکھی گئیں اور متعدد کتابیں اجتماعی طور پر بھی تالیف ہوئیں۔ ”تاریخ الفی“ کسی اس قلم نے مل کر لکھی۔ اسی زمانہ میں ہندی کے دو نامور شاعر سوردا اس اور تلسی داس بھی تھے جن کے کلام میں کہیں کہیں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ اکبری دور کا ایک ہندو شاعر مرزا منوہر توستنی ہے جسے سید عبداللہؒ نے ہندو قوم کا سب سے پہلا فارسی شاعر بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے خیالات اسلامی تخیل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

---

۱۔ ”ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ“ مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ۔  
 ص ۳۰ (انجمن ترقی اردو۔ ہند۔ دہلی۔ ۱۹۶۲ء)

اکبری عہد تعلیمی کتب خانوں کے لئے بڑا سازگار تھا۔ تعلیم اور طریقہ تعلیم میں اکبر کی ذاتی توجہ کی بدولت بے شمار مدرسے کھلے اور بے شمار کتب خانے وجود میں آئے۔ مغل سلطنت کا کوئی شہر اور قریہ مدرسوں اور کتب خانوں سے خالی نہ تھا۔ خود اکبر نے فوجپرسیکری میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو بے نظیر کہا جاتا ہے۔ دہلی میں اکبر کی رضاعی بہن ماہم بیگم کا مدرسہ خیر المنازل بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس عہد میں صرف مدرسوں کی تعداد ہی نہیں بڑھی بلکہ تعلیم کا معیار بھی بلند ہوا۔ حسب بیان علامہ ابوالفضل یہ مضامین نصاب تعلیم میں شامل تھے۔ اخلاق، حساب، فلاحیت، اقلیدس، ہندسہ، نجوم، رمل، علم الارض، سیاست، مدن، طب، منطق، ریاضی، طبیعی، تاریخ، دیاکرن، ویدانت، پانتجلی۔ چنانچہ درس و تدریس کی آسانی کے لئے ان سب مضامین کی کتابوں کے کئی کئی نسخے مدرسوں کے کتب خانوں میں رہتے جس کی وجہ سے یہ کتب خانے بھی مختلف علوم و فنون کے خزانے بن گئے تھے۔

جہانگیر | جہانگیر کے عہد میں کتب خانوں کا سلسلہ وسیع ہو گیا۔ اکبر کی طرح وہ بھی کتابیں جمع کرنے کا ذوق

۱۶۰۵ - ۱۶۲۷ء

اور مطالعہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ باپ کے کتب خانہ کے علمی نوا در نے اس کے مذاق شاعری اور اس کی تنقیدی نگاہ کو اتنا اجاگر کر دیا تھا کہ وہ علم و سخن کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا۔ ایک تنقید نگار کی حیثیت سے اس کی نظر اتنی صحیح اور معیاری تھی کہ بقول شبلی اس نے اپنے

ترک میں جس شاعر کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ حرف آخر ہے  
 ترک جہانگیری میں اس نے اپنے مشاغل و حالات اور ملکی واقعات  
 تاریخ دار بیان کئے ہیں۔ یہ اس کی انشا پر دازی اور قوت تحریر  
 کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم  
 و فنون کی سرپرستی کرنے میں وہ اپنے باپ سے پیچھے نہیں رہا۔  
 اس نے کتب خانوں اور مدرسوں کے قیام کی طرف ذاتی توجہ دی  
 اس کے عہد میں بہت سے نئے مدرسے کھلے اور وہ قدیم مدرسے  
 جو ویران پڑے ہوئے تھے از سر نو آباد ہو گئے اور یہ قانون بنادیا  
 گیا کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لاوارث مر جائے تو اس کے  
 مال و متاع سے مدارس اور خانقاہیں بنوائی جائیں۔ اس طرح  
 مدرسوں اور ان کے ساتھ کتب خانوں کی تعداد میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا۔

جہانگیر کو جو کتب خانہ وراثت میں ملا تھا اس کی امتیازی شان  
 کو نہ صرف اس نے قائم رکھا بلکہ اس میں قابل قدر اضافے کئے۔  
 علم و ادب، شعر و شاعری اور آرٹ کی کتابوں، تصویروں اور مرقوں  
 کا بیش بہا سرمایہ اس میں جمع کیا جس کی تعداد ۶۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

---

سنہ ترک جہانگیری کے علاوہ، تہار نامہ جہانگیری (محمد شریف معتمد خاں) :

در آثار چہا نگیری ز مرزا کا ملک (رحمہ علی) میں جہانگیر کے عہد کے

دورے اور واقعات درج ہیں۔

کتابوں کی فراہمی اور نگہداشت میں بھی جہانگیر اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا۔ اس نے مکتوب خاں کو کتب خانہ کا مہتمم مقرر کیا تھا۔

جس طرح جہانگیر کا کتب خانہ ہمیشہ قیامت نوا در سے پُر تھا اسی طرح اس کا دربار شہرہ آفاق عالموں، شاعروں، خطاطوں اور مصوروں سے بھرا ہوا تھا جن کے دم سے کتب خانوں کی روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ امراء میں مرزا غازی خاں کا دربار اہل علم کا مرکز تھا۔ شاعروں میں طالب آملی نے ملک الشعراء کا مرتبہ پایا۔ علماء میں مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی، میراں صدر جہاں پہاڑی، ملا محمد جوینپوری اور مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی بہت مشہور ہوئے۔ لکڑا کبریٰ اور جہانگیری دور کی بلند ترین ہستیاں دو تھیں، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴ - ۱۶۲۴) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۵۵۱ - ۱۶۲۲)۔ ان بزرگوں نے علم و عمل میں ہم آہنگی پیدا کی اور کتب خانوں کی تحریک کو وسعت بخشی۔ حضرت مجدد فیض روحانی، اور دینی و درسی خدمات کا اندازہ آپ کے مکتوبات سے ہوتا ہے جو آج تک شمع ہدایت کا کام دے رہے ہیں۔ یہ حضرات ہی کی زندگی میں اتنے مقبول ہو گئے تھے کہ ان کے نسخے ہندوستان اور ماہر کے ملکوں میں کتب خانوں کی زینت بن گئے تھے۔

یہ مکتوبات امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ترجمہ اردو میں

شیخ عبدالحق نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ علم حدیث کو ہندوستان میں پھیلایا اور اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ مختلف موضوعات پر آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے جن میں لمعات (شرح مشکوٰۃ) اخبار الاخیار، جذب القلوب فی دیار المحبوب، مدارج النبوة، اور "مصنفین دہلی" بہت مشہور ہیں۔ "اخبار الاخیار" کو جہانگیر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کی۔ کتابوں کے متعلق جہانگیر کی رائے اجتہاد کا درجہ رکھتی تھی۔ میر عصفہ الدولہ کی "فرہنگ جہانگیری" پر اس نے جو رائے دی ہے اس سے بہتر اس کے متعلق ریویو نہیں کیا جاسکتا۔ جہانگیر کی خدمت میں عصفہ الدولہ نے جب یہ کتاب پیش کی تو بہت پسند فرمائی۔ ایک ہفتی انعام میں دیا اور کتاب کو بے مثل بتاتے ہوئے کہا کہ قدامت کے اشعار سے سند لانے کا جو اہتمام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس سے پہلے کسی فارسی لغت میں نہیں ملتا۔

جہانگیر کے اس تبحر علمی میں مصوری کے ذوق نے بڑی دل کشی پیدا کر دی تھی۔ وہ مصوری کا عاشق تھا اور اس عشق نے شاہی کتب خانہ

سے جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے "الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علماء و قدامت مشہد آوردہ و دریں فن کتابے مثل ایں نمی باشد، فن خاصہ عنایت نمودم" (مقالات شبلی ۶۱۹۳۴) جلد ۴۔ ص ۱۱۳۔

کے حسن میں چار چاند لگا دئے تھے۔ مصور کتابوں، مرقعوں اور تصویروں سے بادشاہ کی محبت کا شہرہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دو سرے ملکوں میں پھیل گیا تھا چنانچہ ہر طرف سے کتابیں اور تصویریں آتی رہتی تھیں۔ عبدالرحیم خانخاناں نے جہانگیر کے حضور میں یوسف زلیخا کا ایک مرقع نسخہ نذر کیا۔ یہ وہی نسخہ تھا جسے خطاطوں کے بادشاہ میر علی نے ۱۵۲۳ء میں لکھا تھا اور جس کی قیمت ایک ہزار طلائی مہر قرار پائی تھی۔ ایک عظیم مصور خلیل کا کھینچا ہوا امیر تیمور کے معرکہ جنگ کا مرقع اصفہان سے جہانگیر کے پاس آیا تھا۔ مقالات شبلی میں ہے کہ ”اس مرقع میں ۲۴ تصویریں تھیں اور یہ سب ان شہزادوں اور امراء کی تھیں جو اس معرکہ میں شریک تھے ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کا نام بھی لکھ دیا تھا۔ یہ مرقع شاہ اسماعیل صفوی کے کتب خانہ سے شاہ عباس کے ہاتھ آیا تھا۔ شاہ عباس کے دادا دغہ کتب خانہ نے اس کو چوری سے بیچ ڈالا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جہانگیر نے خان عالم کو جب ایران بھیجا تو اصفہان میں یہ مرقع بازار میں باک رہا تھا خان عالم نے خرید لیا۔ شاہ عباس کو خبر ہوئی تو خان عالم کو لکھ بھیجا کہ میں صرف دیکھنا چاہتا ہوں بھیج دو خان عالم نے بہت ٹالا لیکن شاہ عباس کے اصرار سے مجبور ہو گیا

۱۔ یہ کتب خدابخش لائبریری بانٹی پور میں ہے۔ (ایک شرقی کتب خانہ ص ۲۹)

۲۔ مقالات شبلی (۱۹۳۴ء) جلد ۴ ص ۹۸

اسلام

نور اللغات و احادیث  
اس سلسلہ کے احادیث  
نور اللغات و احادیث

نفاذ

نفاذ

ایک ترکی دیوان کا نسخہ جو سلاطین خراسان و ہرات کے کتب خانوں سے منتقل  
ہوا ہے۔ اس کے سرورق پر جہانگیر کی تحریر



اور پھر بھیج دیا۔ شاہ عباس کو چونکہ جہانگیر کی تصویر دوستی کا حال معلوم تھا  
چند روز اپنے پاس رکھ کر خان عالم کے پاس واپس بھیج دیا۔

جہانگیر کے مجموعہ تصاویر میں ایک تصویر تھی جس کو اس نے پانچ ہزار روپیہ  
میں خرید لیا تھا۔ اس تصویر میں ایک عورت غسل سے فارغ ہو کر بیٹھی ہے  
اور ایک خادمہ اس کے پاؤں کے تلووں سے میل صاف کر رہی ہے۔ جہانگیر  
نے اپنی پسندیدگی کی وجہ یہ بتائی کہ اس عورت کے چہرہ پر اس کیفیت کے  
پودے آثار ظاہر ہیں جو تلووں کو کھجائے وقت محسوس ہوتی ہے۔

تصویر شامی میں بادشاہ کی اس مہارت نے فن مصوری کو عروج  
پر پہنچا دیا تھا اور اس کے دربار میں ایسے باکمال مصور جمع ہو گئے تھے جو  
یورپ کی بہترین تصویروں کی نقل نہایت کامیابی سے اتار سکتے تھے۔  
انگلستان کا سفیر سر طامس روجب ہندوستان آیا تو اس نے جہانگیر کو ایک

ساتھ جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ اب فن مصوری سے میرے لگاؤ اور شاخت کا یہ  
حال ہے کہ اگر کوئی تصویر میرے سامنے لائی جائے خواہ وہ کسی متوفی مصور کی جو یا زندہ کی،  
اور مجھے اس کا نام نہ بتایا جائے تو میں ایک لمحہ میں بتا دوں گا کہ یہ فلاں مصور کے ہاتھ  
سے ہے اور اگر کسی تصویر میں بہت سی شبہیں شامل ہوں اور ہر شبہ کا چہرہ الگ الگ مصور  
نے کھینچا ہو تو میں بتا سکتا ہوں کہ کونسا چہرہ کس مصور نے کھینچا ہے اور اگر کسی  
دوسرے مصور نے صرف چشم و ابرو ہی بنائے ہوں تو میں بتا دوں گا کہ اس تصویر کا  
چہرہ کس کے قلم سے ہے اور چشم و ابرو کس نے بنائے ہیں۔

نہایت عمدہ تصویر پیش کی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی متعدد کاپیاں سرطاس کو دکھائی گئیں جو اس کی پیش کی ہوئی تصویر سے اس قدر ملتی جلتی تھیں کہ وہ انھیں دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ جہانگیر کا ایک مصور منصور جسے نادر العصر کا خطاب دیا گیا تھا پرندوں اور پھولوں کی تصاویر بنانے میں بے نظیر تھا۔ ابوالحسن نے ترک کے لئے جہانگیر کے جلوس کا ایک مرقع تیار کیا تھا اور نادر الزماں کا خطاب پایا تھا۔ بشن داس جو شبیہ سازی میں کمال رکھتا تھا شاہ عباس صفوی اور اس کے دربار کی تصویریں بنانے کے لئے ایران بھیجا گیا تھا اس طرح جو تصویریں اور مرقعے جہانگیر نے تیار کرائے وہ شاہی کتب خانے کی زینت کا سامان بن گئے۔

جہانگیر کا مصوری کے ساتھ کتابوں سے بھی محبت کرنا کتب خانوں کے لئے بڑا سودمند ہوا اسے کتابوں سے ایسا قلبی تعلق تھا کہ وہ سفر میں بھی اپنے کتب خانے کا ایک حصہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ گجرات پہنچا تو اس نے اپنے سفری کتب خانہ میں سے وہاں کے علماء اور مشائخ کو چند کتابیں عطا کیں اور ان پر گجرات پہنچنے اور کتابیں دینے کی تاریخ اپنے قلم سے تحریر کی تھی۔ ایسی ہی اور بہت سی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جن پر جہانگیر کی تحریریں موجود ہیں۔ کتب خانہ خدا بخش بانکی پور میں ہمایوں کے بھائی شاہزادہ کامران کا دیوان ہے جس کے پہلے صفحہ پر جہانگیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت موجود ہے :-

”اللہ اکبر دیوان مرزا کا مران کہ عم پر بزرگوار من است  
 بخط محمود بن اسحاق شہابی حرہ نور الدین محمد جہانگیر شاہ  
 سنہ جلوس موافق ۱۰۳۲ھ“

جہانگیر کو اپنے کتب خانہ سے اتنا لگاؤ تھا کہ وہ کتب خانہ کے  
 کارکنوں کو کتابوں کی ترتیب و تنظیم کے متعلق بھی ہدایتیں دے دیا  
 کرتا تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ میں ترکی دیوان کا  
 ایک سرورق ہے جس پر جہانگیر کی مندرجہ ذیل تحریر کے علاوہ  
 اس کے قلم کا ”خاصہ اول“ بھی لکھا ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہوا  
 کہ اس اہم کتاب کو درجہ اول کی کتابوں میں رکھا جائے۔

اللہ اکبر

پنجم آذر سہ داخل کتاب خانہ

ایں نیاز مند در گاہ الہی شد حرہ

نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ

سنہ ۱۰۱۲ھ

لہ جہانگیر نے یہ ہی عبارت اسی قلم میں ”ترجیحات عراقی“ کے پہلے صفحہ پر  
 بھی لکھی ہے۔ یہ قلمی نسخہ جو اہر میوزیم اٹاوا میں ہے نہایت خوبصورت  
 لکھا ہوا۔ اول سے آخر تک مطلقاً وُندتہب ہے۔

(تذکرہ جواہر نواہر مرتبہ محمد ابراہیم حسین فاروقی صفحہ ۱۸)

شاہجہاں | کتب خانوں کے سلسلہ میں شاہجہاں اپنے باپ  
۱۶۲۷ - ۱۶۱۹ء دادا کے نقش قدم پر چلا۔ اگرچہ اس کی توجہ اور

دبچسپاں تعمیرات پر مرکوز رہیں تاہم اس کے عہد کی علمی فضا میں  
کتب خانوں کو فروغ ہوا۔ اس کے علمی شغف، ارہاب علم کے ساتھ  
اس کی فیاضیوں اور اس کے شوق مطالعہ نے کتب خانوں کے قیام میں  
سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ شاہجہاں نے اپنے مذاق کے مطابق شاہی  
کتب خانے میں اضافے کئے۔ فن خوش نویسی سے خاص ذوق رکھنے  
کے باعث اس نے خوش خط کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا بقول  
ایک جرمن سیاح جو ۱۰۳۶ھ میں ہندوستان آیا تھا شاہی کتب خانہ  
میں چوبیس ہزار کتابیں نہایت اعلیٰ جلد کی تھیں۔ اس کتب خانہ کے  
علماء میں بہت سے خوش نویس کام کرتے تھے جنہیں کبھی کبھی داروغہ  
کے عہدہ پر بھی سرفراز کر دیا جاتا تھا۔ اس خدمت پر عبدالرحمن شیدائی  
اور میر محمد صالح مشکیں رقم جیسے اعلیٰ خوش نویس یکے بعد دیگرے مقرر  
ہوئے۔ لکھا ہے کہ میر محمد صالح کو ”منقب مرتضوی“ لکھنے کے صلہ میں  
بادشاہ نے ایک ہاتھی اور پانچ ہزار روپیہ انعام میں دئے تھے۔

ظفر خاں احسن کا بیٹا مرزا محمد طاہر آشنا الملقب بہ عنایت خاں بھی  
شاہی کتب خانہ کا داروغہ رہا۔ اسی زمانہ میں اس نے عہد شاہجہانی کی

بعض تاریخوں کا خلاصہ مرتب کیا جو ”لمخص“ کے نام سے مشہور ہے۔

شاہجہاں کا شوق مطالعہ بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ حکمرانی کے مشاغل کے باوجود وہ روزانہ کچھ وقت کتابوں کی صحبت میں گزارتا تھا۔ بزم تیموریہ میں لکھا ہے کہ وہ جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر رات کو سونے جاتا تو اس کے مقربان خاص پردہ کے پیچھے سے کتابیں پڑھتے تھے شاہجہاں کے ذوق مطالعہ کا اندازہ ان عبارتوں سے بھی چلتا ہے جو اس نے شاہی کتب خانہ کی مختلف کتابوں پر لکھی تھیں۔ مثلاً ”مجالس خمسہ“ کا وہ نسخہ جس پر شاہجہاں کی تحریر ہے کتب خانہ خدابخش بانکی پور میں محفوظ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بھی ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن پر شاہجہاں نے چودہ سال کی عمر میں دستخط کئے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عہد طفولیت ہی میں بادۂ علم سے سرشار تھا۔ تاریخ خاندان تیموریہ (نسخہ خدابخش) پر بھی شاہجہاں کی تحریر موجود ہے۔ دیوان مرزا کامران (نسخہ خدابخش) پر جہانگیر کی تحریر کے علاوہ شاہجہاں کی بھی مندرجہ ذیل تحریر ہے :-

”الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہٖ الْکِتَابَ حررہ شاہجہاں بن جہانگیر شاہ“

علم و ادب کے علاوہ شاہجہاں کی ذہنی ذکاوتیں فنِ تعمیر میں بھی جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ اس کا ذوقِ شاعری اس کے عشق کی وارداتیں کاغذ کے بجائے تاج محل کے گل بوٹوں میں اب تک نمایاں ہیں۔ شاہجہانی عہد کے فنِ تعمیر کا بے مثل نمونہ تاج محل اور صنعتی کارنامہ تخت طاؤس ہے۔ ان نادر

نمونوں کے ساتھ اس دور میں ایسے مدرسے بھی ملتے ہیں جو ایشیا میں مشہور تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ایک شاہی مدرسہ دار البقاء کا ذکر کیا ہے جو دہلی میں جامع مسجد کے جنوبی رُخ پر تھا۔ دہلی کے علاوہ جونپور، احمد آباد اور لاہور تعلیم کے مشہور مراکز تھے جہاں ہرات اور بدخشاں تک سے طلباء تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔

یہ مدرسے اور ارباب علم اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ شاہجہانی عہد میں کتب خانوں کی کثرت تھی۔ بادشاہ کی بے مثل فیاضیوں نے بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو دربار میں جمع کر لیا تھا لکھا ہے کہ ملک الشعراء ابو طالب کلیم کو شاہجہاں نے ایک قصیدے کے صلہ میں روپیہ کے برابر تلوادیا تھا۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کو دو مرتبہ سونے چاندی سے تلوایا تھا۔ "عل صالِح" کے مصنف محمد صالح کنبہ کو بھی دو بار سونے میں تلو کر انعام دیا تھا۔ ایران کے خطاط میر عماد الحسنی کی خطاطی کا نمونہ جب کوئی شاہجہاں کی خدمت میں پیش کرتا تو وہ اس کو ایک صدی منصب عطا کر دیتا تھا۔ اسی طرح حاجی محمد جان قدسی، ظفر خاں احسن، مرزا صاحب، محمد امین قزوینی، مرزا جلال الدین طہا طبائی، عبدالحمید لاہوری

---

آٹھ ان مورخین نے یہ تاریخیں مرتب کیں۔ بادشاہ نامہ از محمد امین قزوینی شاہجہاں نامہ از مرزا جلال الدین طہا طبائی۔ بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری۔ بادشاہ نامہ از محمد وارث۔

محمد وارث وغیرہ بھی شاہجہاں کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ شاہجہانی دربار کے ہند و فضلا میں چند بھان برہمن ممتاز درجہ رکھتا تھا اور اپنی لیاقت کی وجہ سے وقائع نویسی کے عہدہ جلیلہ پر مقرر ہوا تھا۔ یہ داراشکوہ کا بھی منشی رہا۔ اس نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں مثلاً "تحفۃ الانوار"، "مجمع الفقراء" اور "منشآت برہمن" جو اس کے رقعات کا مجموعہ ہے۔ چند بھن فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ اگرچہ اس وقت سرکاری اور علمی زبان فارسی تھی مگر بعض شاعر اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی عہد میں اردو کا لقب "دو" معنی ہوا تھا اور اس نئی زبان سے شاہجہاں کو اتنا انس ہو گیا تھا کہ اپنی قید کے زمانہ میں بھی اس نے جوشقہ داراشکوہ کو لکھے ان میں بعض اسی زبان میں ہیں۔ اس عہد کے کتب خانوں میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا کتب خانہ نہایت نادر کہا جاسکتا ہے۔ ملا موصوف کی نسبت آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ "اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے موجب افتخار ہیں یقیناً تمام درسی علوم میں ہندوستان کی سرزمین سے ان کا ہمسر نہیں پیدا ہوا اور کمیت و کیفیت اور حسن قبول میں اس قدر علمی یادگاریں ان کی طرح کسی نے دنیا میں نہیں چھوڑیں۔" ان تصنیفی اور درسی سرگرمیوں کے باعث ان کا وطن سیالکوٹ علم و ثقافت کا مرکز بن گیا تھا انھوں نے ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۵ء) میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف نہ صرف ہندوستانی کتب خانوں کو وسعت بخشی بلکہ عراق و عجم کے کتب خانوں کی

ترقی کا بھی باعث بنیں۔ لکھا ہے کہ ملاموصوف کی تصانیف ہندوستان سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

**عالمگیر** | عالمگیر کے عہد میں بھی کتب خانوں کی کثرت رہی  
 ۱۶۵۹ - ۱۶۷۰ مگر ان کی نوعیت بالکل بدل گئی۔ اس بادشاہ کی  
 فطرت صالحہ بچپن ہی سے علماء اور فضلاء کی صحبت میں رہنے کی شائق تھی  
 اور اُسی زمانہ سے اس کو کتابیں جمع کرنے کا ذوق ہو گیا تھا۔ بقول جادو ناتھ سرکار  
 ”اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور سلیم الفطرت عالم تھا اور زندگی کے  
 آخری سانس تک کتابوں سے محبت کرتا رہا“ ظاہر ہے کہ کتابوں کی یہ محبت  
 کتب خانوں کی ترقی کا سبب بنی اس سلسلہ میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے  
 کہ قرون وسطیٰ میں بادشاہ کی ذات گرامی تمام سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اسی لئے  
 اس عہد کے کتب خانوں میں بھی بادشاہ کے ذاتی ذوق و شوق کا عکس  
 نظر آتا ہے۔ اکبر - جہانگیر اور شاہجہاں مصوری سے لگاؤ رکھتے تھے چنانچہ  
 ان کے کتب خانے مصور کتابوں اور اعلیٰ تصاویر سے پُر تھے۔ اورنگ زیب کو  
 مصوری سے کوئی رغبت نہ تھی۔ وہ احکام قرآن و حدیث کی ترویج و احیاء کی  
 طرف زیادہ مائل تھا اسی لئے شاہی کتب خانہ اسلامی علوم و ادب کا  
 ایک مخزن بن گیا تھا جس کے لئے اطراف عالم سے کتابیں حاصل کرنے کا  
 انتظام کیا گیا تھا۔ اس کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد معاصر تاریخوں  
 میں نہیں ملتی لیکن اس کی وسعت کا اندازہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین  
 سے ہو سکتا ہے۔



فتاویٰ عالمگیری اور نگ زیب کے عہد کا ایک فقہی کارنامہ ہے جس کی تدوین کے لئے تقریباً پچاس علماء و فضلاء کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا تھا اور انھیں جن کتابوں کی ضرورت ہوتی وہ شاہی کتب خانہ سے مل جایا کرتی تھیں کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آٹھ سال میں مکمل ہوئی اور دو لاکھ روپیہ اس پر لاگت آئی۔ اس کی تالیف سے عالمگیری کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ فتاویٰ کا ہر صفحہ خود پڑھوا کر سُنتا اور حوالوں کا اصل کتابوں سے مقابلہ کرتا۔ اس سلسلہ میں حدیث و فقہ کی ان گنت کتابوں سے استفادہ کیا گیا تھا جو سب کی سب شاہی کتب خانہ میں موجود تھیں۔

عالمگیری کی زندگی کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ جنگِ جدل کے ہنگاموں میں بھی اس کا کتابی ذوق قائم رہتا تھا۔ اس کی حکومت کے اڑتالیس سالہ دور میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ اس نے فتح کی خوشی میں سرشار ہو کر کتابوں کو برباد کیا ہو بلکہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ مہمات کے دوران میں کتابوں کا خاص خیال رکھتا تھا اور مالِ غنیمت میں جو کتابیں ملتیں انھیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دیتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے کتب خانہ میں ”مثنوی گوئے چوگاں“ کا ایک نسخہ ہے جو عالمگیری نے فتح گو لکنڈہ کے مالِ غنیمت میں حاصل کیا تھا۔

---

۱۔ فتح گو لکنڈہ کے حالات ”وقائع گو لکنڈہ“ از نعمت خان عالی میں درج ہیں۔  
 عالمگیری عہد کے متعلق یہ کتابیں بھی ملاحظہ کیجئے۔ عالمگیر نامہ (مرزا محمد کاظم)، واقعات عالمگیری (میر محمد عسکری عاقل خاں رازی)، آثار عالمگیری (محمد ساقی مستعد خاں)

ملاعارفی کی یہ تصنیف خطاطی کے استاد میر علی نے ایسی نیک ساعت میں بمقام ہرات لکھی تھی کہ وقت تحریر سے لے کر آج تک چار سو پچپن برس کی طویل مدت میں اسے گردش زمانہ سے کوئی گزند نہیں پہنچا۔ البتہ اس کی قیمت میں تغیرات ہوتے رہے۔ بقول مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی عالمگیری کتب خانہ میں اس کی قیمت کا اندراج دو ہزار روپیہ ہے۔ عالمگیر کی وفات کے کوئی پچھتر سال بعد یہ دس سو دس روپیہ میں فروخت ہوئی۔ اس کے بعد ڈھائی سو روپے میں بلی اور مولانا موصوف نے اسے ایک سو ستر روپیہ میں خریدا۔ یہ کتاب ہندوستان میں دکن کے کتب خانوں میں رہی پھر عالمگیری کتب خانہ میں داخل ہوئی اس کے بعد ادھر ادھر ہوتی ہوئی مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے کتب خانہ میں پہنچی اور اب کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ حبیب گنج میں ہے۔ اس کتاب پر متعدد تحریریں اور مہر ہیں موجود ہیں ایک مدور مہر پر ”قابل خاں خانہ زاد بادشاہ عالمگیر ۱۰۹۷ھ“ منقوش ہے۔

یہ شیخ ابوالولی قابل خاں شاہی کتب خانہ کا ناظم تھا۔ یہ علی خاں جواہر رقم بھی کچھ عرصہ تک مہتمم کتب خانہ رہا تھا۔ اس خوشنویس کو میر عماد اور عبد الرشید دہلوی کے طرز پر لکھنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

۱۔ مقالات شروانی ص ۴۰۷۔

۲۔ مجلہ علوم اسلامیہ جلد ۱۔ ص ۱۳۵ (ادارہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی علی گڑھ)

اس زمانہ کے خوش نویسوں میں عبدالباقی عداد خط نسخ کا بڑا ماہر تھا لکھا ہے کہ اس نے تیس ورق میں پورے قرآن مجید کی کتابت کر کے اسے شاہجہاں کی خدمت میں پیش کیا اور یا قوت رقم کا خطاب پایا۔ اور نگ زیب نے فن خطاطی عبدالباقی اور سید علی خاں جواہر رقم سے ہی سیکھا تھا۔

ان با کمال استادوں نے عالمگیری کو نسخ اور نستعلیق لکھنے میں ماہر بنادیا تھا۔ اس کے علاوہ انشاء بہ ددازی میں بھی وہ کمال رکھتا تھا۔ اس نے اپنے شہزادوں وغیرہ کو رقعات ایسے دل کش ادبی انداز میں لکھے ہیں کہ وہ فارسی نثر کے شہ پارے بن گئے ہیں خطوط کو سوانح نگاری کی جان کہا جاتا ہے مگر یہ رقعات عالمگیری کی قادر الکلامی، ذہانت و ذکاوت اور سیاسی بصیرت ہی کے آئینہ دار نہیں ہیں بلکہ وہ اس دور کی تاریخی تصویریں بھی ہیں۔

رقعات عالمگیری اور فتاویٰ عالمگیری کے سوا اس عہد کی یادگار اور بھی کتابیں ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ عالمگیری دور کے کتب خانوں میں اسلامی علوم اور ہندوؤں کے علوم دونوں کی کتابیں جمع تھیں۔ اس زمانہ میں ہندوؤں کے فن بلاغت و عروض، ہیئت و نجوم اور رسوم و عقائد پر ”تحفۃ الہند“ نظام النجم اور

۱۰ رقعات عالمگیری پر اردو میں مقدمہ اور تفصیلی تبصرہ سید نجیب اشرف ندوی نے اپنی کتاب ”مقدمات رقعات عالمگیر“ میں کیا ہے جو دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۱ تحفۃ الہند (مصنف مرزا خان بن فخر الدین محمد) پر شبلی کا مضمون مقالات شبلی جلد دوم (ص ۹۲) میں ملاحظہ کیجئے۔

”مت چھرا“ جیسی کتابیں لکھی گئیں۔ عالمگیری دربار کے ہندو فضلا و اہم کھتری،  
 بھیم سنگھ کالیستھ (مصنف تاریخ دلکشا) ایشواس (مصنف فتاحات عالمگیری)  
 سببان رائے کھتری (مصنف خلاصۃ التواریخ) اور لعل بہاری (مصنف مت چھرا)  
 صاف صاف بتا رہے ہیں کہ عالمگیر اپنے آباء کی طرح ارباب علم کی سرپرستی کرنے  
 میں مذہب و ملت کا کوئی لحاظ نہ کرتا تھا اور مسلم علماء و فضلا و میر محمد قنوجی شیخ  
 نظام برہان پوری، قاضی محب اللہ بہاری، نعمت خان عالی شیخ و جیہ الدین  
 گوپا سہوئی اور شیخ احمد ملا جیون وغیرہ کے ساتھ ساتھ ہندو فضلا و کو بھی انعام  
 و اکرام سے نوازتا رہتا تھا۔

عالمگیری عہد میں بھی مدرسے اور کتب خانے بکثرت ملتے ہیں اور نگزیب  
 نے جبری تعلیم جاری کی تھی جس کی وجہ سے ہر شہر اور قصبہ میں سکھاری وغیرہ سکھاری  
 مدرسے قائم ہو گئے تھے۔ بعض علاقوں میں تو مدرسوں کا ایک جال پھیلا ہوا  
 تھا۔ بقول ایک یورپین سیاح کپتان ہملٹن سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ میں  
 چار سو مدرسے تھے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہاں چار سو تعلیمی  
 کتب خانے تھے۔ عالمگیری عہد میں احمد آباد کا ایک مدرسہ نہایت  
 عظیم الشان تھا اس کی عمارت محمد اکرام الدین نے ایک لاکھ چوبیس ہزار  
 میں بنوائی تھی اور اس کے اخراجات کے لئے عالمگیر نے دو گاؤں وقف  
 کر دیے تھے۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ کا مشہور و معروف مدرسہ ان کے

والد شاہ عبد الرحیم نے اسی زمانہ میں قائم کیا تھا۔ لکھنؤ میں دارالعلوم  
فرنگی محل عالمگیری کی علم پروری کی یادگار ہے۔ عہد عالمگیری کے  
”دو پروائے“ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں دارالعلوم  
کے قیام سے کئی سو برس پہلے درس و تدریس کا سلسلہ عہد مغلیہ میں شروع  
ہو گیا تھا۔ عالمگیری نے یہاں کی ایک خانقاہ کے اخراجات کے لئے کچھ  
جاگیریں عطا کی تھیں اس خانقاہ سے متعلق ایک کتب خانہ بھی تھا  
جس میں کتابوں کا بہترین ذخیرہ موجود تھا۔ خانقاہ کی آتش زدگی  
میں یہ ذخیرہ بھی برباد ہو گیا۔

---

سلسلہ دارالعلوم فرنگی محل کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ قصبہ سہانی ضلع بارہ بنکی کے  
ایک عالم ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیری نے ان کی اولاد کو لکھنؤ کا وہ محل  
دے دیا جو ایک فرانسیسی سوداگر کے قبضہ میں تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام  
”فرنگی محل“ پڑ گیا۔ ملا قطب الدین سہالوی کی اولاد میں ملا نظام الدین  
(متوفی ۱۲۸۷ھ) وہ نامور عالم تھے جن کے نام سے عربی مدارس کا  
نصاب درس نظامیہ منسوب ہے۔ ملا نظام الدین کے صاحبزادوں  
میں ملا عبد العلی بحر العلوم بڑے نامور عالم ہوئے۔ فرنگی محل کے  
علماء میں مولانا عبدالحی (متوفی ۱۸۸۶ء) بھی بڑے مشہور و معروف  
عالم گذرے ہیں۔

سلسلہ ملاحظہ ہو رسالہ برہان دہلی۔ اگست ۱۹۴۵ء

اس عہد کے تعلیمی مراکز میں سیالکوٹ کو خاص امتیاز حاصل تھا جہاں  
 ملا عبد الحکیم کی مسند درس پر ان کے صاحبزادے ملا عبد اللہ متمکن تھے۔ اس  
 مدرسہ کی شاہجہاں کے وقت سے ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی، اور  
 طالبان علم کا یہاں رجم رہتا تھا۔ ان علمی برکات کی روشنی میں اس مدرسہ کے  
 کتب خانہ کی ندت کا قیاس بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں  
 سیالکوٹ کا غذاسازی کے لئے بھی مشہور تھا۔ یہاں جو کاغذ بنتا تھا ان  
 میں مان سنگھی اور ریشمی کاغذ نہایت عمدہ اور پائدار تھا۔ لکھا ہے کہ  
 سیالکوٹ کے نواح میں تین گاؤں کاغذ سازوں سے آباد تھے یہاں سے  
 کاغذ ملک کے دوسرے حصوں میں بھیجا جاتا تھا اور شہنشاہانِ دہلی کے  
 دفاتر میں زیادہ تر یہی کاغذ استعمال کیا جاتا تھا۔ کاغذ سازی کی صنعت  
 کی بدولت ہندوستانی کتب خانوں نے جو وسعتیں حاصل کی ہونگی  
 وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

عالمگیر کے انتقال کے بعد جب سلطنت  
 مغلیہ کا چراغ ٹٹمانا شروع ہوا تو شاہانِ  
 مغلیہ کے کتب خانوں میں تاریکی پھیلنے لگی۔

بہادر شاہ اول سے  
 بہادر شاہ ظفر تک  
 ۶۱۵۵۴ - ۶۱۷۰۷

عالمگیر کا لڑکا بہادر شاہ اول اپنے باپ کی طرح عظیم بادشاہ نہ بن سکا۔  
 اگرچہ علم حدیث اور دوسرے علوم میں اس کا پایہ نہایت بلند تھا اور  
 اپنے عہد کے فاضلین نعمت خان عالی، مرزا عبد القادر سید، حیرچر علی

اور بندہ ابن (مصحف لب التواضع) کی سرپرستی اور قدوائی کرنے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کے جانشینوں میں گو محمد شاہ، شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ظفر کا درجہ اردو شاعری اور ادب میں بہت اونچا ہے لیکن عالمگیر کے بعد کوئی ایسا بادشاہ نظر نہیں آتا جو مغلوں کی عظیم الشان سلطنت کے وسیع نظام کو سنبھالے اور اس کو قائم رکھ سکے۔ چنانچہ سلطنت میں زوال آتا شروع ہو گیا اور اس دور میں کتب خانوں کی بھی وہ حالت نہ رہی جو اکبر سے عالمگیر کے عہد تک تھی۔

البتہ محمد شاہ کے عہد (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) میں ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے جن سے کتب خانوں کی تحریک کو کچھ تقویت ملی اس زمانہ میں اردو زبان کی مقبولیت اور رواج بڑھ جانے اور علم ہیئت کے ترقی پانے سے علمی مضامین میں رونق و بہار آگئی تھی ۱۷۲۰ء میں ولی اورنگ آبادی اپنا دیوان لے کر دکن سے دہلی آئے جو اتنا مقبول ہوا کہ اس کے استعار مغللوں اور بازاروں میں گائے جانے لگے اور اردو شاعری کے چرچے دہلی میں عام ہو گئے۔ محمد شاہ نے بھی اردو میں شاعری کی اور دو کتابیں ”بارہ ماہ“ اور ”بگٹ کہانی“ لکھیں اسی عہد میں اردو نثر کی تصنیف تالیف کی باقاعدہ ابتدا شمالی ہندوستان میں ہوئی۔ فضلی نے ۱۷۳۱ء میں ”دہ مجلس راکرل کتھا“ (کرلا کی کہانی)

سے خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کتاب دنیا سے فنا ہو گئی کیونکہ زمانہ حال کا کوئی تذکرہ نویس یا محقق اس کے دیکھنے کا مدعی نہ تھا اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مختار الدین احمد (ریڈر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے ۱۹۵۲ء میں ٹوبنگن (جرمنی) کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ اس کتاب کا دنیا میں واحد نسخہ ہے۔

لکھی جو ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب روضۃ الشہداء کا اردو ترجمہ ہے ”دہ مجلس“ اردو نثر کی وہ قدیم ترین کتاب ہے جو شمالی ہند میں لکھی گئی یہاں محمد شاہ کے عہد میں بڑے بڑے ارباب علم و فن جمع ہو گئے تھے۔ ایک معصوم گوردھن تھا جو بقول انند رام مخلص (مصنف مرآۃ اصطلاحات) زرگس کی ایک پتی پر پورے ایک شہر کی تصویر کھینچتا تھا شاہی دربار کے متوسلین میں لال رام نے ایک کتاب ”تحفۃ الہند“ لکھ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ محمد شاہ کے ایک محبوب ندیم (امیر خاں نواب عمدۃ الملک) نے ”عمدۃ الملکی انجمن“ بنائی جس کے متعلق لکھا ہے کہ ”اس انجمن کے جلسوں میں اردو زبان کے مسائل پر بحث کی جاتی تھی اور چیزوں کے اردو نام رکھے جاتے تھے۔ لفظوں اور محاوروں کی صحت و سند پر رد و قدح ہوتی تھی۔ اور بڑی چھان بین کے بعد تحقیق شدہ الفاظ اور محاورے انجمن کے دفتر میں قلمبند کر لئے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کی نقلیں جا بجا ہند کے امراء و رؤساء کے پاس بھیج دی جاتی تھیں جو ان کی تقلید اور نشر و اشاعت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے“ محمد شاہی دور میں علم ہیئت اور نجوم کی جو ترقیاں ہوئیں ان میں راجہ جے سنگھ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اگرہ اور مالوہ کا گورنر رہا

۱۔ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۱۳۶ -

۲۔ صحیفہ تاریخ اردو مصنف سید محمد محمود رضوی مخدوم اکبر آبادی ص ۳۳

دکھا پرشاد اینڈ سنز اگرہ - ۱۹۴۶ء



اور پھر جے پور کا راجہ ہوا۔ علم ہیئت سے محمد شاہ بھی خاص ذوق رکھتا تھا اسی کے حکم سے دہلی میں رصد خانہ تعمیر ہوا جس کا مہتمم مرزا خیر اللہ ہندس تھا۔ دہلی کے نمونے پر جے پور، مستعرا، بنارس اور اجین میں رصد خانے بنے اور علم ہیئت کی عربی اور فارسی کتابوں کے ہندی میں ترجمے ہوئے۔ اس وقت علمائے ہیئت نے اس موضوع پر جو معلومات و تحقیقات حاصل کیں ان کی یادگار زیچ محمد شاہی ہے۔ کیا یہ سرگرمیاں اس بات کو ثابت نہیں کرتیں کہ عہد محمد شاہی میں کتب خانوں کی رونق بہت بڑھ گئی تھی خصوصاً ”عمدۃ الملکی انجمن اور رصد خانوں“ کے کتب خانے شعرو ادب اور علم ہیئت و نجوم وغیرہ کی کتابوں سے معمور تھے۔

محمد شاہ کی وفات کے گیارہ برس بعد شاہ عالم کا زمانہ آیا۔ وہ بادشاہ کی حیثیت سے تو بالکل ناکام رہا مگر شاعری کی دنیا میں بڑا نام پایا۔ شاہ عالم فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ آفتاب تخلص کرتا تھا۔ بقول مولانا محمد حسین آزاد ”بڑا مشتاق شاعر تھا جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں“ بابر کا آخری ہاشمین بیادشاہ ظفر اردو زبان میں اس پاریہ کا شاعر ہوا ہے کہ اہل علم اسے آج تک اقلیم سخن کا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ خود کہتا ہے :-

طرز سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے

اس کے سخن سے ہاں نہ کسی کا سخن لگا

اگر زمانہ سازگار ہوتا تو ان بادشاہوں کا کئی ذوق کتب خانوں کی

ترقی میں بڑی معاونت کرتا مگر اس زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہی غنیمت نظر آتا ہے کہ شاہی کتب خانہ کی بہت سی کتابیں تباہی سے بچ گئیں حالانکہ اسے نادر شاہ کے حملہ اور مرہٹوں وغیرہ کے یلغار کے باعث بڑے مددے اٹھانے پڑے تھے۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں یہ بادشاہ شاہی کتب خانہ کی دل و جان سے حفاظت کرتے رہے اسی وجہ سے مغلوں کے آخری ایام تک اس میں اچھی اچھی کتابیں باقی رہیں۔ مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو جب ”تفسیر فتح العزیز“ لکھنے وقت امام رازی کی ”تفسیر کبیر“ کی ضرورت پڑی اور کہیں دستیاب نہ ہوئی تو بمشکل قلعہ معلیٰ کے شاہی کتب خانہ سے چند دن کے لئے عاریتہ ملی۔ بہادر شاہ ظفر کے طبیب خاص اور وزیر علیم احسن اللہ خاں دہلوی کے کتب خانہ کی ایک نادر کتاب ”رسالہائے ابو علی سینا“ نواب صاحب لوہارو کے پاس ہے اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس قیامت خیز دور میں شاہی کتب خانہ کے علاوہ امراء کے نجی کتب خانے بھی موجود تھے۔

## داراشکوہ کا کتب خانہ

مغل بادشاہوں کی علم پرور صحبت نے مغل شاہزادوں میں علمی مذاق اور کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے شعر و سخن کی محفلیں سجائیں اور کتابوں کے ذخیرے جمع کئے مگر یہاں صرف داراشکوہ (متوفی ۱۶۵۹ء) کا ذکر کیا جا رہا ہے جو شاعر، مصنف اور خطاط کی حیثیت سے مغل شاہزادوں کا گھر سرسبد کہا جاتا ہے۔ شاہجہاں کا یہ بد نصیب لڑکا تخت و تاج کا مالک تو نہ بن سکا مگر علمی قلمرو میں وہ بادشاہ بن گیا۔ دارا کا کتب خانہ بھی بہت نفیس تھا جس کے آثار آج تک دہلی کے کشمیری دروازہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس نے خائیر (پنجاب) میں درگاہ شیخ چلی کے پاس ایک مدرسہ بھی قائم کیا جو ملہ رسم شیخ چلی کے نام سے مشہور تھا۔

داراشکوہ نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں ”سکینۃ الاولیاء“ حسانات العارفین اور مجمع البحرین مشہور ہیں۔ پر و قیصر محفوظ الحق (حکمتہ یونیورسٹی) نے مجمع البحرین کو مرتب کر کے اس کے دیباچہ میں مادہ کی خطاطی کے بہت سے نمونوں کا ذکر کر دیا ہے۔

## زیب النساء کا کتب خانہ

مغل خانہ ان میں شاید ہی کوئی ایسی شہزادی ہو جو علم و ادب سے لگاؤ اور کتا ہیں جمع کرنے کا شوق نہ رکھتی ہو۔ شہزادیوں میں گلبدن بیگم، سلیمہ سلطان بیگم، نور جہاں، ممتاز محل، جہاں آرا اور زیب النساء کے نام علمی حیثیت سے بہت نمایاں ہیں۔ گلبدن بیگم کی یادگار ”ترمایوں نامہ“ اور جہاں آرا کی یادگار ”نوس ایرواج“ ہے جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلفاء کے حالات درج ہیں۔ یہ شہزادیاں اپنے علمی مذاق کی تکمیل کے لئے ذاتی کتب خانے بھی رکھتی تھیں۔ ان میں شہزادی سلیمہ سلطان بیگم اور زیب النساء کے کتب خانوں کی مورخین نے تعریف کی ہے۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ ”زیب النساء کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا۔“ اس میں بیشتر کتا ہیں نہیب اور اخلاق کے متعلق تھیں۔ کتب خانہ کا تنظیم ملا شفیع الدین تھا۔

مغل شہزادیوں میں زیب النساء (متوفی ۱۶۰۲ء) کا مرتبہ علم و فضل میں بہت بلند تھا وہ نہایت عمدہ شاعرہ تھی مخفی تخلص کرتی تھی۔ خطاطی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ کتا ہیں جمع کرنے اور تصنیف و تالیف سے خاص شغف رکھتی تھی۔ چنانچہ ان مشاغل ہی نے اس کے کتب خانہ کو نادر الوجود بنا دیا تھا اس شہزادی کے دربار کی نسبت کہا جاتا ہے

گردہ ایک اکاڈمی (سیت العلوم) تھا جہاں ہر فن کے علماء و فضلاء ہمیں  
تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ ان علمی کاموں کے سلسلہ میں جرن  
کتابوں کی ضرورت ہوتی وہ شہزادی کے کتب خانہ سے برآسانی مل جاتی  
تھیں۔ اس کتب خانہ کے دروازے مشافیقین علم کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

## عبدالرحیم خانخاناں کا کتب خانہ

مغل عہد کے علماء اور امراء کی کثرت بتا رہی ہے کہ اس زمانہ میں  
کتب خانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی لیکن افسوس کہ ان  
سب علمی خزانوں کو تاریخ کے ادراک میں جگہ نہ مل سکی البتہ بیرم خاں  
کے لڑکے عبدالرحیم خانخاناں (متوفی ۱۶۶۲ء) کے کتب خانے کا  
مورخین نے نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی ہے۔  
اکبری دربار کا یہ رتن عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت کا عالم تھا اس  
نے نزاک بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور بھاشا میں  
نہایت اعلیٰ پایہ کی شاعری کی وہ جس طرح علمی قابلیت، سخن سنجی،  
علماء نوازی اور فیاضی میں بے مثل تھا اسی طرح اس کا کتب خانہ  
بھی اس زمانہ میں بے نظیر تھا اسے جو اہمیت اور خصوصیت حاصل  
تھی وہ علامہ شبلی نے یوں بیان کی ہے :-

سہ مقالات شبلی (۱۹۳۴ء) جلد چہارم (تحقیقی) ص ۷۲

دریہ کتب خانہ اس درجہ کا تھا اور اس قدر علمی ذخیرے اس میں  
 مہیا کئے گئے تھے کہ بجائے خود ایک اکاڈمی یا دارالہکمت کا  
 کام دیتا تھا۔ عرفی، نظری، نظری، علمی، غرض اکثر شعرائے  
 اکبری نے اپنے دیوان خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کتب خانہ  
 میں داخل کئے تھے۔ دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی کتب خانہ  
 کے ترقی یافتہ ہیں۔ اکثر شعراء، خوش نویس، سنّاع، جن کو  
 خانخانان تربیت دینا چاہتا تھا کتب خانے کے کام پر مقرر  
 ہوتے تھے اور ترقی دینے کے لئے نادر روزگار ہو جاتے تھے۔

عبد الرحیم خانخانان نے اپنے کتب خانہ کی دیکھ بھال اور انتظام  
 کے لئے بڑے بڑے اصحاب علم و فن مقرر کئے تھے۔ ہندی کے بے نظیر شاعر  
 شیخ عبدالسلام کتب خانہ کے داروغہ رہے۔ شجاع بونہر نسخ میں کمال لکھتا  
 تھا کتب خانہ کا افسر مقرر ہوا۔ ان کے مذاوہ و سرے باکمال خوشنویس، مصو  
 اور جلد ساز مثلاً ملا عبدالرحیم شہر میں تمام ادھو، اندامین خراسانی اور ملا  
 محمد حسین وغیرہ کتب خانہ کے عملہ میں شامل تھے۔ ملا محمد حسین کو جلد سازی  
 اور عکاسی کے فن میں کمال حاصل تھا پینتیس برس کتب خانے میں  
 کام کیا۔ لکھا ہے کہ مصنف ماثر رحیمی کے زمانے میں کتب خانہ کا

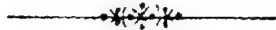
---

۱۵۔ عبد الباقی نبھاوندی۔

۱۶۔ اس کتاب میں خانخانان کی زندگی کے مفصل حالات درج ہیں۔

تمام کار دوبار اسی کے ہاتھ میں تھا۔

مخائنات کے کتب خانے کی تفصیلات اس اعتبار سے بھی اہم اور جاذب توجہ ہیں کہ انھیں پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستانی کتب خانے ترقی کی کتنی اونچی منزل پر پہنچ گئے تھے اور اس ملک میں کتا بوں کا استعمال عام کرنے کا رجحان کتنے وسیع پیمانے پر پھیل گیا تھا اس زمانے میں بغداد اور قرطبہ کے کتب خانے تو قصہ پارینہ بن چکے تھے اور یورپ کے کتب خانے اپنی ترقی کی ابتدائی منزل میں تھے لیکن ہندوستان میں کتب خانے صرف کتابوں کے گھر نہ تھے بلکہ علم کے ایسے فیض رساں اور روح افزا سرچشمے تھے جو علم و ثقافت کے میدانوں کی آبیاری کر رہے تھے۔



# دکنی سلطنتیں اور کتب خانے

سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے جہاں کہیں اپنی آزاد سلطنتیں قائم کیں وہاں بھی کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا اور علم و فن نے فروغ پایا۔ چودھویں صدی عیسوی میں دہلی سلطنت کے جو چند صوبے خود مختار بن بیٹھے تھے ان میں پہلے صوبہ دکن کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں بہمنی اور دوسری سلطنتیں ۳۴۰ برس تک علم و ادب کی خدمت اور سرپرستی کرتی رہیں اس طویل مدت میں علم و فن کی ترویج و اشاعت جن ذرائع سے کی گئی ان میں کتب خانوں کو اتنا اہم مقام حاصل ہے کہ ان کا ذکر دکن کی پہلی خود مختار سلطنت بہمنی میں ہی ملتا ہے۔

**بہمنی سلطنت** | یہ سلطنت ۷۴۸ھ (۱۳۴۶ء) میں قائم ہوئی اور گلبرگ اس کا پایہ تخت قرار پایا، اس کے بانی علاء الدین حسن بہمن شاہ کا کتب خانہ اتنی اعلیٰ کتابوں سے پر تھا کہ عہد تغلق کے ایک مورخ عصامی نے فتوح السلاطین لکھتے وقت اس سے استفادہ کیا تھا اس کتب خانہ کو بہمن شاہ کے جانشین ترقی دیتے رہے۔

۱۷۰۰ء کو ڈر شیخ محمد اکرام ص ۹۰  
۱۷۰۰ء سلاطین بہمنی کا حال برہان المآثر (علی بن عزیز اللہ طہا لہائی) میں ملاحظہ ہو۔



کیونکہ ان میں سے اکثر ذی علم اور کتابوں کے شائق تھے۔ ان کے عہد میں  
 دکنی اردو خوب پھولی پھلی اور اس میں تصنیف و تالیف کا ہا قاعدہ آغاز ہوا  
 اس سلسلہ میں پہلا نام شیخ عین الدین گنج العلم (متوفی ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء) کا  
 آتا ہے جو عہد نفل میں اپنے وطن دہلی سے نکل کر دولت آباد آ گئے تھے  
 انھوں نے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق چند رسالے لکھے جن میں سے  
 نین رسائل کا مجموعہ مدراس کے کالج سینٹ جارج کے کتب خانے میں  
 بتایا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ خواجہ  
 بندہ نواز سید محمد گیسو دراز دہلی سے گلبرگہ آئے اور ۱۲۲۲ء میں  
 وہیں وفات پائی۔ آپ سے احمد شاہ بہمنی کو بڑی عقیدت تھی۔ اس  
 نے گلبرگہ کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ آپ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔  
 ہمارے خیال میں خواجہ گیسو دراز کا کتب خانہ دکنی کتب خانوں میں  
 نہایت ممتاز ہوگا۔ آپ عربی و فارسی کے عالم تھے اور علم حدیث اور  
 تصوف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ آپ نے دکنی اردو میں تین رسالے  
 (ہدایت نامہ، سربارہ اور معراج العاشقین) لکھے ان میں ”معراج العاشقین“  
 اردو نشر کی سب سے قدیم کتاب ہے جو شائع ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔  
 خواجہ گیسو دراز کے پوتے سید عبداللہ حسینی نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے  
 رسالہ ”نشاۃ العشق“ کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا اور شرح لکھی جس کا ایک  
 نہایت نفیس نسخہ سلطان ٹیپو کے کتب خانہ میں موجود تھا۔  
 بہمنی عہد میں گلبرگہ، بیدارہ اور دولت آباد علم و ثقافت کے بہت بڑے

مراکز تھے۔ ان شہروں میں دیگر کتب خانوں کے علاوہ مدارس سیاحی کے کتب خانے بھی تھے۔ یہ مدرسے محمد شاہ بہمنی (متوفی ۱۰۹۹ھ/۱۶۹۶ء) نے تیبوں کے لئے قائم کئے تھے جو نہایت زبردست عالم تھا اور تبحر علمی و دانشمندی کی وجہ سے ارسطو کہلاتا تھا۔ بہمنی عہد میں جو کتابیں بید میں لکھی گئیں ان میں ایک کتاب ”مشکوٰۃ المصابیح“ حبیب گنج کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کو محمود شاہ بہمنی (متوفی ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۸ء) کی خدمت میں نذر کیا گیا تھا۔

خاندان بہمنی میں فیروز شاہ بہمنی اور محمد شاہ بہمنی بھی نہایت ذی علم اور محارف پرور بادشاہ ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہر چوتھے روز کار و بار مملکت شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید کے سولہ صفحے نقل کیا کرتا تھا۔ ایسے علم دوست بادشاہوں کے عہد میں کتب خانوں نے جو وسعتیں حاصل کیں اس کے ثبوت میں کتب خانہ محمود گاووان کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محمد شاہ کے وزیر محمود گاووان کے کتب خانے میں پینتیس ہزار کتابیں تھیں تو پھر خود بادشاہ کے کتب خانہ میں اس سے کہیں زیادہ کتابیں ہونگی۔ خواجہ جہاں المعروف بہ محمود گاووان کا شمار چوٹی کے عالموں میں ہوتا ہے نظم و نشر لکھنے میں اسے بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اس کے مکتوبات کا مجموعہ ”ریاض الانشاء“ کا ایک قلمی نسخہ جو اہر میوزیم اٹاوا میں ہے جو

محمود گادان کی شہادت کے سترہ سال بعد لکھا گیا تھا۔ اس علم و دوست دذیر کی یادگار کتب خانہ ملہ سہ بیحد بھی ہے جس میں تین ہزار کتابیں تھیں شہر بیحد احمد شاہ بہمنی نے بسایا اور اپنا پایہ تخت گلبرگ سے بیحد منتقل کر دیا تھا جہاں محمود گادان نے ایک نہایت عالی شان مدرسہ قائم کیا اور اساتذہ و طلباء کے لئے مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی کھولا تھا۔ یہ مدرسہ اس عہد کا ایک بے نظیر مدرسہ تھا مولوی ابوالحسنات کا بیان ہے کہ ”تمام ہندوستان میں اس سے زیادہ عظیم الشان اور وسیع سلسلہ عمارت درس گاہ کے لئے کبھی اور کسی دور میں نہیں بنائی لیکن افسوس کہ اس علم و دوست دذیر کو بادشاہ نے ۶۱۴ھ میں قتل کر دیا۔ اس کے ۴۵ سال بعد بہمنی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد پانچ نئی خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں جن میں گول کنڈہ کے قطب شاہی اور بیجاپور کے عادل شاہی سلاطین نے نہایت شاندار علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

**قطب شاہی سلطنت** | اس سلطنت کے بادشاہ علم و ادب کی سرپرستی کے لئے مشہور ہیں ان کے عہد

میں بہمنی دور سے بہتر کتابیں تصنیف ہوئیں اور نہایت اعلیٰ کتب خانے قائم ہوئے۔ قطب شاہی سلاطین میں محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور

سہ قطب شاہی سلاطین کے حالات۔ ان کتابوں میں بھی درج ہیں۔ ”نایخ سلطان محمد قطب شاہ (طاعرب شیرازی) ”حدیقۃ السلاطین“ (طاعن نظام الدین احمد شیرازی) ”نایخ طغفر“ (لالہ گردھاری لال احقر)

عبد اللہ قطب شاہ اپنے مذاق کے مطابق شعر و ادب کی نفیس کتابیں شاہی کتب خانہ میں جمع کرتے رہے۔ یہ تینوں بادشاہ شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ خصوصاً محمد قلی قطب شاہ بڑے پایہ کا شاعر اور بہت اچھا خوشنویس تھا۔ اس کی کلیات پچاس ہزار فارسی اور دکنی اشعار پر مشتمل ہے جس میں سائے اصناف سخن، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، غزل اور رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کی "کلیات" اور ملا وجہی کی "سب رس" نظم و نثر کی یہ دو کتابیں قطب شاہی دور کی شاہکار کہی جاتی ہیں۔ اس عہد کے شاعروں میں ابن نشاطی، خواصی، جنیدی اور تحسین الدین بھی بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

قطب شاہی سلطنت میں تعلیمی کتب خانے بہت تھے۔ ایک کتب خانہ مدرسہ چہار مینار حیدرآباد میں تھا۔ محمد قلی قطب شاہ نے حیدرآباد بسایا اور چہار مینار کی مشہور عمارت ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے اس میں ایک نہایت عالی شان مدرسہ تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جنوبی ہند میں قطب شاہی سلاطین نے مدارس بکثرت قائم کئے

ملا وجہی نے ۱۶۳۵ء میں "سب رس" مسجع اور مقفی عبارت میں لکھی۔ اس کا دوسرا نام "قصہ حسن و دل" ہے۔ اس میں اخلاقی اور صوفیانہ مسائل ایک تشبیہی قصہ کی شکل میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب مولوی عبد الحق نے اپنے مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کی تھی۔

مدیر کتب خانہ پیدر - ۱۳۷۹



ابراہیم قطب شاہ نے اپنے دار الخلافہ گولکنڈہ میں متعدد دروس تعمیر کرائے اور اس کے بیٹے قلی قطب شاہ نے اپنی مملکت میں بہت سے ابتدائی مدارس قائم کئے جن کے متعلق مورخ شاہرل (Shahril) نے لکھا ہے کہ :-

"ان مدارس میں لڑکے آلتی پانتی بار کر بیچ یا چٹائی پر بیٹھتے تھے سر کندے یا واسطیں قلم سے کاغذ پر لکھتے تھے۔ کاغذ زیادہ تر چین سے درآمد کیا جاتا تھا لیکن وہ یورپی کاغذ کے مقابلے میں اچھا نہ ہوتا تھا۔ یورپ کا کاغذ صاف اور پتلا تھا۔"

قطب شاہی سلطنت ختم ہو جانے کے بعد اس عہد کے کتب خانے ایسے برباد ہوئے کہ تاریخ میں بھی ان کا نام و نشان نہیں ملتا لیکن ان کا پتہ اس عہد کی وہ کتابیں بتا رہی ہیں جنہیں اب تک خدائے زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھا ہے سلطان قلی قطب شاہ کے "دیوان" کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ فہرست لائبریری بانکی پور میں "دیوان حافظ" کا ایک نسخہ سلطان محمد قطب شاہ کے شاہی کتب خانے کا ہے اور سلطان محمد قطب شاہ نے اٹھ کی تحریر اس پر ثبت ہے جس سے

Promotion of learning in India  
by Narendranath Law P. ۹۶

سے تاریخ زبان اردو از حکیم سید شمس اللہ قادری ص ۵۹  
سے یہ تفصیلات "ایک مشرقی کتب خانہ" کے ص ۲۲، ۶۴، ۸۷ سے لی گئی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حیدر آباد کن میں سلطان کے لئے محمد حسن نے ۱۰۲۳ھ میں لکھا تھا۔ اس کا پہلا صفحہ بڑا مرتع ہے اور اس پر بنی زمین میں طلاکاری کی گئی ہے جس کاغذ پر یہ لکھا گیا ہے اس کا رنگ گہرا بادی ہے عنوان سفید سے، سرخی سے اور سونے سے لکھے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ بھی دکن کے قطب شاہی خاندان پر فتح پانے کے بعد انگریزوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ ”جہانگیر نامہ“ (نسخہ خدابخش لاہوری) پر اورنگ زیب کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت درج ہے کہ یہ کتاب شہزادہ محمد سلطان کے قبضہ میں گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہوں کے کتب خانہ سے آئی تھی۔ یہ مخطوط سنہ ۱۰۸۶ھ کا مکتوبہ ہے اور اس پر سلطان محمد قطب شاہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مہریں ثبت ہیں۔

”غنیۃ الحباب“ (نسخہ خدابخش لاہوری) پر بھی سلطان محمد قطب شاہ کی مہر ثبت ہے یہ علم الحباب پر چھٹی صدی ہجری کے ایک ریاضی دان علی بن ثابت کی تصنیف کا دنیا میں واحد نسخہ ۱۰۸۶ھ کا مکتوبہ ہے۔

قطب شاہی کتب خانوں کی یہ دو کتب ہیں جو پور میں ہیں ”خمسہ نظامی“ جس پر

۱۔ روداد کل راجستان اردو کنونشن منعقدہ ۲۹ - ۳۱ مارچ ۱۹۵۶ء بمقام جے پور مرتبہ احترام الدین احمد شائع عثمانی ص ۱۰۹ و ۱۱۲۔

۵۵۔ ”خمسہ نظامی“ کا اس سے بہتر نسخہ (مکتوبہ حسین عبداللہ ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۸ء) کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے اور اس سے بھی قلم نسخہ (مکتوبہ ۱۱۶۷ھ) جواہر سبوزیم اٹاوا میں ہے۔

سلطان قطب شاہ کی مہر کے علاوہ کفایت اللہ کے نام کی بھی چار مہریں ہیں  
 آخر میں ۱۱۱۷ھ کی حافظ محمد محسن بندہ عالمگیر کی تحریر و مہر ہے "تجوار التفسیر"  
 مصنفہ ملا حسین واعظ کاشفی جس کے آخر میں عبد اللہ قطب شاہ اور محمد قطب شاہ  
 کی مہریں ہیں اس کی تاریخ تحریر و تصنیف کی نسبت لکھا ہے کہ یہ لفظ "فیض"  
 سے نکالی گئی ہے جر سے ۸۹۰ھ کے اعداد نکلتے ہیں اس حساب سے یہ کتاب  
 چار سو نوے برس پرانی ہوئی۔

منشی "مجمع البحرین" کا یہ نسخہ بھی دیکھئے جو اب کتب خانہ مسلم  
 یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ حبیب گنج میں ہے اس پر سلطان محمد قطب شاہ  
 محمد ابراہیم قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ کی مہریں ثبت ہیں جن سے  
 ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان تینوں سلاطین کے کتب خانوں میں رہ چکی ہے۔

**عادل شاہی سلطنت** | اس سلطنت کے فرماں رواؤں نے علم

کی کران کے دامن دولت سے ابوالقاسم فرشتہ، نور الدین ظہوری، ملا  
 ملک قمری، انصرتی، ہاشمی اور ملک خوشنود جیسے ارباب علم و ادب  
 وابستہ ہو گئے اور کتب خانے خوب چلے۔ بیچ پور کے شاہی کتب خانہ  
 کے علاوہ نقیسی اور ذاتی کتب خانے بکثرت تھے۔ لکھا ہے کہ تمام مالک محرو  
 کی مسجدوں میں مدرسے قائم تھے جن میں طلباء کے اخراجات کی کفالت

لے سلاطین عادل شاہی کے حالات "براقین السلاطین" (محمد براہیم زبیری) میں درج ہیں۔



حکومت کی طرف سے کی جاتی تھی اور اس زمانہ میں عراق و عجم سے ہزاروں اہل علم دار الخلافہ بیجاپور میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ صرف ایک فرماں روا علی عادل شاہ کے عہد میں جو لوگ شیراز سے آکر انعام و اکرام سے سرفراز ہوئے ان کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔

عادل شاہی سلطنت کی ایک بے نظیر یادگار کتب خانہ عادل شاہی ہے جسے سلطان علی عادل شاہ اول (متوفی ۱۵۸۸ء/۹۵۸۰) نے قائم کیا تھا۔ اس کتب خانہ کو علم و ثقافت کا ایک زندہ مرکز کہنا چاہیے کتابوں سے متعلقہ فنون کے سارے شعبے اس سے ملتی تھے۔ کتابت مصوری، نقاشی، جلد بندی وغیرہ کے لئے ساتھ آدمی یہاں ملازم تھے اس سلطان کے ذوق مطالعہ کی یہ کہنیت تھی کہ دوران سفر میں کتابوں سے بھرے ہوئے چار سو صندوق اس کے ساتھ رہتے تھے۔

اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۶۰۲ء/۹۷۲) تخت نشین ہوا اس کے عہد کے کتب خانوں میں موسیقی کی بہترین کتابیں جمع ہو گئیں۔ اس فن میں یہ بادشاہ ایسا کمال رکھتا تھا کہ لوگ اسے جلت گو کہتے تھے اس نے فن موسیقی پر ہندی نظم میں کتاب نورس لکھی اس بادشاہ کو خطاطی اور مصوری میں کافی مہارت تھی۔ اس کے عہد کے مشہور خطاط

آثار مہاراجہ جی پورین کتب خانہ عادل شاہی



خلیل اللہ بہت شکر، عبدالرشید اور عبداللطیف مصطفیٰ تھے جن کی خطاطی کے نمونے "کتاب نورس" اور "مرقع عادل شاہی" میں موجود ہیں۔ کتاب نورس کے دس نسخوں کا پتہ ڈاکٹر نذیر احمد کو ملا ہے ان کے بیان کے مطابق نسخہ مملوکہ سفیرال دیکار و آفس حیدرآباد دکن بہت قدیم اور مطلقاً مذہب ہے بمسروق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شاہی کتب خانہ میں رہ چکا ہے۔

اس مختصر بیان سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی عہد میں علم کی توسیع اور کتب خانوں کی ترقی خوب ہوئی۔ قطب شاہیوں کے زمانہ میں شاہ میراں جی خدا ناکا، مولانا عبداللہ میراں یقرب اللہ اور عادل شاہی سلطنت میں شمس العاشان شاہ میراں جی، ان کے فرزند شاہ برہان الدین، بابا نم اور ان کے صاحبزادے امین الدین اعلیٰ جیسے اولیا اکابر اور

شاہان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "کتاب نورس" مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد رپورٹیر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ شاہ میراں جی نے "تہذیبات میں انفعالات" کا ترجمہ "شرح تہذیب ہدائی" کے نام سے کیا۔ شاہ میراں جی نے ایک رسالہ "احکام الصلوٰۃ" دکنی اردو میں لکھا۔ شاہ میراں یقوب نے "شامل الاقنیا" (مصنف برہان الدین اورنگ آبادی) کا اردو میں ترجمہ کیا۔ شاہ میراں جی کی تصانیف "شرح مرغوب القلوب"، "جمل ترنگ" اور "گل باس" ہیں۔ شاہ صاحب نے ایک رسالہ "کلمۃ المحتاج" لکھا۔ شاہ امین الدین نے رسالہ "گنج مخفی" لکھا۔

دیگر اہل قلم کی بدولت کتب خانوں میں دکنی نظم و نشر کا شاندار ذخیرہ جمع ہو گیا تھا اور مثنویوں کی تو کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ دکن میں شاعری کی اس صنف کو بڑا فروغ ملا۔ اس دور کے شاعروں میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے مثنوی نہ لکھی ہو۔ ابن نشاطی کی ایک مثنوی ”پھول بن“ اتنی مرصع ہے کہ علم معانی کے اصول کے موافق اس میں اتالیس قسم کی خوبیاں پیدا کی گئی ہیں۔ تحسین الدین کی مثنوی ”کامروپ کلا“ اتنے اعلیٰ پایہ کی مثنوی ہے کہ بہ من شاعر گوئے نے ہی اسے بہت پسند کیا تھا ملا دہی کی مثنوی ”قطب مشرقی“ نصرتی کی مثنوی ”علی نامہ اور گلہ تر عشق“ ملک خوشنود کی مثنوی ”ہرشت بہشت“ اردو ادب میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

غرض دکن کے اہل قلم اپنی تصانیف سے کتب خانوں کی آبیاری کر رہے تھے کہ اورنگ زیب فتح و نصرت کا پرچم اڑاتا ہوا دکن آپہنچا اس نے ۱۶۸۶ء میں عادل شاہی اور ۱۶۸۷ء میں قطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مگر اپنی علم دوستی کی بنا پر ان کے کتب خانوں کو برباد نہیں کیا۔ بے شمار کتابیں گالریوں میں بھر کر دار الخلافہ لے گیا۔ بہت سی

۱۔ یہ فارسی کتاب بساطین کا منظم ترجمہ ہے۔ ۲۔ اردو ادب کی تاریخ (بندیہ ایڈیشن) از نسیم قریشی ص ۱۰۷ (سرفراز پریس لکھنؤ)  
۳۔ شیذی حضرت امیر خسرو کی ہرشت بہشت کے طرز پر لکھی گئی ہے۔

کتابیں سلطان ٹیپو کے کتب خانہ اور دوسرے کتب خانوں میں پہنچ گئیں،  
کتب خانہ عادل شاہی کا کچھ حصہ بیجاپور کے آثار مبارک میں اب تک موجود ہے۔  
سلطنت خداداد | سلطنت خداداد کے فرمانروا فتح علی معروف بہ ٹیپو سلطان  
(میسور)

جوہر بھی عطا کئے تھے۔ وہ ۱۷۹۲ء میں پیدا ہوا لیکن اجل نے اسے کل ستر برس  
(۱۷۹۹ - ۱۸۲۲ء) حکومت کرنے کی مہلت دی اور اس زمانہ میں بھی وہ  
بتلائے آلام رہا۔ ایک طرف انگریز اسے صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے  
تھے دوسری طرف خود اس کے ملازم حق نہاد ادا کرنے کے بجائے اپنے  
ولی نعمت کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ایسے سخت اور نازک دور  
میں بھی اس نے غم و فن کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ مدد سے کھوئے  
کتب خانے قائم کئے اس کے عہد میں سرنگاچیم کی یونیورسٹی جمیع الامور کا کتب خانہ  
مذہب اور دیگر علوم کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک کتب خانہ فوجی مدرسہ کا  
تھا۔ یہ مدرسہ فوجی فسر دس کی تعلیم و تربیت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ان کے  
علاوہ خود ٹیپو کا کتب خانہ اس بڑا شوبہ وہ میں امن و سکون کا ایسا گہوارہ  
تھا کہ جب سلطان جنگ کی الجھنوں اور اپنے ساتھیوں کی کم ظرفی سے کبھی غافل  
ہوئے لگتے تو وہ علم کے اس معبد میں آکر سکون قلب محسوس کرتا اور ٹیپو کی محبوب  
کتابیں اس کی سچی مونس و ہمد ثابت ہوتیں۔ اس کتب خانہ میں کتابوں کی  
تعداد دو ہزار تھی۔ شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ کے کتب خانوں کے کچھ ذخائر  
بھی اس میں محفوظ تھے۔ ادھونی کی فتح کے وقت جب سلطان نواب برائے جنگ کا

کتب خانہ ملا تو اس کی کتابیں بھی اس کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔ اس میں وہ کتابیں بھی داخل ہوتی رہتی تھیں جو وقتاً فوقتاً سلطان کی زیر سرپرستی لکھی جاتی تھیں اس طرح جو کتابیں تصنیف تالیف ہوئیں ان میں ”مفرح العلوب“ اور ”تحفۃ المحابین“ قابل ذکر ہیں۔ تحفۃ المحابین کو فتح المحابین بھی کہتے ہیں اسے سلطان نے اپنے فوجی محکمہ کے لئے لکھوایا تھا اس میں فوج کے لئے قواعد و ضوابط درج ہیں۔ اس کتاب پر حسب بیان مصنف سلطنت خداداد سلطان کی مہر ثبت ہے اور ہر مضمون کے آخر میں اس کے دستخط ہیں۔

سلطان نے اپنے کتب خانہ کے لئے کتابوں کی فراہمی کا خاص اہتمام کیا تھا اس کی یہ تحریر ظاہر کرتی ہے کہ وہ یورپ تک سے کتابیں منگایا کرتا تھا۔ ۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو اس نے لکھا کہ یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہوئی ہے جس میں ”الدرعیاس الحرات“ کے متعلق معلومات درج ہیں۔ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر کے ضروری میں پیش کیا جائے۔ کتابوں کی جلد بندی، کتابت اور نقاشی کا بھی اسے خاص خیال تھا اور اس میں وہ برابر ہاتھیں جاری کیا کرتا تھا جلد ساز اپنے سلطان کی خوشنودی کی خاطر بہت مہربانی میں باندھتے کتابوں کا حسن و وقار بڑھانے کے لئے اللہ، محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے نام لکھتے۔ جلد کے پیارگوٹوں پر خلفائے اربعہ کے نام کندہ کرتے بعض پر نفیظ شیخو سلطان بھی منقش کر دیتے تھے سلطان کی شہادت کے بعد جب شاہی محلات کی تماشائی لی گئی تو بعض کتابیں ایسی بھی نکلیں جن کی جلدیں ہمیشہ اور جواہرات سے مرصع تھیں۔

کتب خانہ کے کاسوں میں سلطان کی خصوصی توجہ کا اندازہ لگانے کے لئے اسکی  
پر تحریریں پڑھئے۔ مارچ ۱۸۵۷ء کو اس نے لکھا تھا :-

”کتاب ’فخر الشیوخ‘ ایک جلد بذریعہ ڈاک بھیجی جاتی ہے۔ حکم دیا جا رہا ہے  
کہ کتابوں سے اس کتاب کی نقلیں نہایت خوشنہد کرانی جائیں پھر آگے اور  
پچھے ہندوہ ہندوہ سادہ و سنی لگا کر جلد بندی کرانی جائے۔ تاکید ہے کہ  
یہ کام جلد کر کے نقلیں یہاں حضوری میں بھیج دیں اور اپنے حکمران کے رجسٹریں  
اس امر کا اندراج کر لیا جائے۔ چند دن پہلے تم کو یہاں سے کتابیں اور ایک  
فہرست بھیجی گئی تھی۔ فہرست کے مطابق ہائرہ لے کر انھیں ہمارے  
کتب خانے میں داخل کریں اور اس حکمران کے رجسٹریں ان کے نام  
درج کئے جائیں ان کتابوں میں سے سات کتابیں ہمارے پاس ہیں۔“  
مارچ ۱۸۵۷ء کو سلطان نے تحریر کیا تھا :-

”حکم دیا جاتا ہے کہ کتاب ’مفرح السلوب‘ کی دس نقلیں روانہ  
کی جائیں ان میں پانچ نقلیں مفصل ہوں ان کی جلد بندی کرتے ہوئے  
اور پرتغالی نقل لگائے جائیں اور باقی پانچ نقلوں میں اس کتاب کا صرف  
اقتباس ہو ان پر نقل لگانے کی ضرورت نہیں۔“  
سلطان ٹیپو کی نسبت میجر اسٹورٹ نے لکھا ہے

اے میجر ٹیپو سلطان از محمد خان محمد سلجوری حصہ اول ص ۳۶۱

۱۷۰ ایضاً ایضاً حصہ دوم ص ۱۷۰

۱۷۱ سلطنت خداداد ص ۳۹۵

”کتاب خانہ کی ترتیب و تنظیم کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو  
تصنیف قالیف کا بھی شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی  
کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فرجی اور دیوانی معاملات سے  
متعلق ہیں، سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے  
جو اس وقت بھی یورپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب  
مطلوبہ کر لیتا تھا اس پر ہرجا دیتا تھا۔ طرح اکثر کتابوں پر ہر شے تھیں۔“

سلطان کی شہادت کے بعد اس کے کتب خانہ کا ریشہ چھوڑ کر سرنگاپٹیم کی لوٹ و  
غلامگیری کے وقت سیکڑوں کتابیں تباہ و برباد ہو گئیں جو بچ رہیں انکی کسی نے چھ بکھا تک  
خبر نہ لی اس کے بعد انکی دیکھ بھال کر ل کرک بیٹاڑک کے سپرد ہوئی پھر سیر اسٹورٹ نے عربی  
فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو شہزادہ میں کیمبرج سے شائع ہوئی  
اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انگریزوں نے ٹیپو کی علمی دولت کو ہندوستان میں  
رکھنا گوارا نہ کیا۔ چند کتابیں تو کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کو دیدیں باقی سب انگلستان  
بھیج دیں۔ سلطان کی کتب خانہ کی جو کتابیں برباد ہونے سے بچ رہی تھیں ان میں ۶۸۷  
کتابیں نہایت قیمتی بتائی جاتی ہیں جن کی فن دار تعداد یہ ہے :-

قرآن	۴۴	تفسیریں	۴۱	کتب خلافت	۳۵	کتب عبادت	۴۲	الہیات	۴۶
تصوف	۵۶	علم الاخلاق	۲۴	فقہ	۹۵	آرٹس	۱۹	فلسفہ	۵۲
نجوم	۲۰	ریاضی	۷	طب	۶۲	تحقیق زبان	۴۵	فرسنگ لغت	۲۹
نظم کی کتابیں	۱۹	ہندی وغیرہ	۲۳	ہندو ادب کی نثر	۴	ترکی نثر	۴	تصنیف مکتوبات	۱۸

۱۔ اس تعداد کو ”تاریخ سلطنت خداداد“ سے لیا گیا ہے۔



لیکن مقام شکر ہے کہ سلطانی کتب خانہ کے قرآن کا ایک نامیاب نسخہ تباہی سے بچ گیا۔ یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خط نسخ کا، علی نمونہ اور جلد بندی کا بہترین شاہکار۔ جلد سازوں نے اسے طرح طرح سے سجایا ہے۔ نازک نازک طلائی بھولوں اور رنگ برنگ کے بیل بوٹوں نے اس کی تقدیس میں ایک دلکشی پیدا کر دی ہے۔ اس کی زیب و زینت پر نوے ہزار روپیہ صرف ہوا تھا۔ اسے سلطانی کتب خانہ کا ایک انمول موتی سمجھئے۔ صد حیف کہ باد مخالف کے جھونکوں نے اسے ہندوستان سے لندن پہنچا دیا اور یہ اب وہاں وینڈر کسٹل (Windsor castle) کے کتب خانہ کی زینت بنا ہوا ہے۔

یہ کتابیں سلطان کے علمی ذوق کی روشن یادگار ہیں ہیں جنہیں دیکھ کر اس کی حب الوطنی اور علمی قابلیت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین یہ واقعہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ جب تک شیہو زندہ رہا انگریز ہندوستان میں اپنی سلطنت غیر مستقل اور ناپائدار سمجھتے رہے اور جس دن اس نے جام شہادت پی لیا جنرل ہارس پکار اٹھا ”آج ہندوستان ہمارا ہے“

جہاں تک شیہو کی علمی قابلیت کا تعلق ہے اس کے دشمن بھی اسے

ایک بلند پایہ انشا پر از تسلیم کرتے ہیں۔ کیمبل نے لکھا ہے کہ ”سلطان  
 نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا اور اس کے مضمون میں ایک شان  
 پائی جاتی ہے۔“ کرنل کیرک پیارک نے کہا ہے کہ ”سلطان کی تحریر دوسری  
 تحریروں سے بالکل متمیز تھی۔ اس قدر مختصر اور پُر معنی ہوتی تھی کہ ایک  
 ایک لفظ سے کئی معنی نکلتے تھے تحریر کا وصف یہ تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں  
 پہچانی جاتی تھی کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔“

سلطان ٹیپو کے یہی وہ کارہائے نمایاں ہیں جن کا ذکر آج تک  
 فخر و احترام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ گاندھی جی نے اسے خراج عقیدت  
 ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ”اس کے کارنامہ زندگی کی یادوں کے اند  
 خوشی اور مسرت کا طوفان پیدا کر دیتی ہے۔“ علامہ اقبال نے اس عظیم  
 شخصیت کو آبرو دے ہندو چین و دم و شام قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے:  
 رفت سلطان از دیر سرانے رفت روز  
 نو بہت او در دکن باقی ہمنوز

اور کتب خانے

کشمیر  
مالوہ  
گجرات  
مظاہر  
بہار  
پنجاب

# کشمیر

کشمیر جنتِ نظیر میں جو کتب خانے مسلمانوں نے قائم کئے ان کا پہلا نقشِ حضرت بلبل شاہ یا بلال شاہ کی خانقاہ میں ملتا ہے۔ ان بزرگ کا اصلی نام شرف الدین میر عبد الرحمن زکسانی تھا اور انھیں کشمیر میں سلام کا پہلا کامیاب مبلغ کہا جاتا ہے ان ہی کی توجہ سے ۱۷۴۰ء (۱۱۳۲۰ھ) میں کشمیر کا راجہ رنجن دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور سلطان صدر الدین کا لقب اختیار کر کے کشمیر کا پہلا مسلم بادشاہ بنا۔ اسی نے آپ کے لئے ایک خانقاہ اور ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ گو اس خانقاہ کے مدرسہ اور کتب خانے کا ذکر نہیں ملتا لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت مروج نے ان دس ہزار آدمیوں کے لئے جو آپ کے روحانی فیض سے مسلمان ہوئے تھے تعلیم اور کتابوں کا کوئی انتظام نہ کیا ہو۔ لہذا یہ قیاس کر لینا بجا ہو گا کہ اس خانقاہ سے متعلق ایک رسہ بھی تھا اور اس کا کتب خانہ بھی حضرت بلبل شاہ اہل کشمیر کو رشد و ہدایت سے فیضیاب کرنے کے بعد ۱۷۴۲ء (۱۱۳۲۹ھ) میں انتقال فرما گئے۔ ایک شاعر نے سال وفات کا یہ قطرہ کہا ہے :-

سالِ تارِ پنج وصلِ بلبل شاہ - بلبلِ قدسِ گفتِ خاصِ ازل  
۱۷۴۲ء

۱۷۴۳ء کے بعد میر شاہ نے ۱۷۴۳ء (۱۱۳۴۲ھ) میں سلطان شمس الدین کا نام اختیار کر کے عمان حکومت سمٹالی اس کا خاندان "شاہ میمن" کہا جاتا ہے ۱۷۵۶ء تک حکومت کرتا رہا اس کے بعد چک خاندان نے ۱۷۵۹ء تک حکومت کی اسی سال اکبر نے کشمیر فتح کر لیا۔

## سید ہمدانی کا کتب خانہ

لیکن چودھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے۔ سید ہمدانی کے کتب خانہ کا ذکر ملتا ہے جس کے تحت طبرستان کے خلیفہ محمد کاظم (سید قاضی) تھے۔ سید ہمدانی بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ وہ چودھویں صدی عیسوی میں ایران سے کشمیر تشریف لائے اور اپنی مساعی جمیلہ سے ۳۰ ہزار کشمیریوں کو مسلمان کیا۔ کشمیر میں ان کی خزانقاہ اشاعت اسلام اور اشاعت علم کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ انھوں نے متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں مجمع الانباء، شرح قصص الملک اور ذخیرۃ الملوک مشہور ہیں۔ سید ہمدانی کی وفات (۶۱۳۸ھ) کے بعد ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی کشمیر آئے اور اپنے سیکڑوں رفقاء کی مدد سے سارے کشمیر کی مذہبی اور علمی زندگی کو متاثر کر دیا جس کی وجہ سے علم کی اشاعت اور زیادہ ہوئی اور کشمیر کے کونہ کونہ میں کتب خانے چھیل گئے۔

## سلاطین کشمیر اور کتب خانے

سلاطین کشمیر نے بھی در سے اور کتب خانے قائم کر کے برخس کو علم سے بہرہ مند کرنے کا موقع دیا۔ ان سلاطین نے علم و فن کی جس اعلیٰ پیمانہ پر سرپرستی کی اور اس پر جو بے دریغ روپیہ صرف کیا اس کا ذکر صوفی کی تاریخ کشمیر اور دوسری کتابوں میں

۱۔ اب کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۲۲۲

AKASHIR (History of Kashmir) by Masafizul

(University of Punjab Lahore - 1948)

۲۔ مثلاً "واقعات کشمیر" (علامہ اعظم)

وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے مگر کتب خانوں کے معاملہ میں بے توہی برتی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے کئی بار کہا جا چکا ہے کہ اس زمانہ میں ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی ہوا کرتا تھا اس لئے یہاں یہ کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین کشمیر کے قائم کئے ہوئے مدارس سے کتب خانے بھی ملحق تھے ان میں مدرسۃ القرآن کا کتب خانہ ہمارے خیال میں نہایت قیمتی مذہبی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ میری خانہ ان کے فرمان روا شہاب الدین نے قرآن اور حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں مدرسۃ القرآن سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ایک فاضل کشمیری ابوالشائخ شیخ سلیمان اسی مدرسہ سے تعلیم پا کر متذکرہ قاری بنے اور امام القراء کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اور یہ قریب بہ یقین ہے کہ سلطان قطب الدین کے عہد میں قطب الدین پور کا کج کا کتب خانہ نہایت نفیس تھا اس لئے کہ یہ کالج اس عہد کا بہترین کالج تھا جو ملکوں کے عہد تک باقی رہا اور جسے کشمیر کی تعلیمی تاریخ میں ایک نشان بنزل کرنا چاہئے۔ یہ پہلی اقامتی درس گاہ تھی جو کشمیر میں قائم ہوئی تھی۔

سلطان سکندر کے عہد (۱۲۸۹-۱۳۱۳) میں کتب خانوں کی جو بہتات ہوگی اس کا اندازہ قارئین سلطان کی علم پرورد پالیسی سے لگا سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ اس زمانہ میں کشمیر علمی شان و شکوہ میں عراق و خراسان کا ہسر بن گیا تھا قیاساً کیا جاتا ہے کہ اس عہد کے کتب خانوں میں مدرسہ جامع مسجد کا کتب خانہ حدیث، فہرستہ اور دیباغی کی بہترین کتابوں سے سمور تھا اس لئے کہ اس درس گاہ کے علم میں ہی نہایت لائق و ذہین اساتذہ شامل تھے۔

ایک نہایت جید عالم قاضی میر محمد علی بخاری اس کے پرنسپل تھے۔ استادوں میں محمد فضل بخاری، ملا محمد یوسف، ملا صدر الدین کاشی اور سید حسین منطقی علی الترتیب حدیث، فہرہ، ریاضی اور منطق و مابعد الطبیعات کا درس دیتے تھے۔ اس مدرسہ کے ساتھ بھی سلطان نے ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کرایا تھا جس کے مصارف کے لئے اس نے ایک وقف قائم کر دیا تھا۔

اس طرح تعلیمی ترقیوں کے ساتھ کشمیر میں کتب خانوں کا دائرہ بھی بڑھتا رہا یہاں تک کہ سلطان زین العابدین المعروف بہ بڈشاہ شہنشاہ ہوا یہ بڈشاہ صاحب علم بادشاہ تھا۔ کشمیری، فارسی اور سنسکرت میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس کا دربار باب علم و فن کا مرجع بنا ہوا تھا اور یہ سلطان اپنی علم دوستی اور رعایا پروری کی وجہ سے کشمیر کا اکبر کہلاتا تھا۔ اس کے عہد (۱۲۲۰ء - ۱۲۷۰ء) میں علم و ادب اور صنعت و رفعت کی جو ترقیاں ہوئیں ان سے کشمیری کتب خانوں کو بڑا فروغ ملا۔ لکھا ہے کہ بڈشاہ کے پاس باہر سے تحفوں میں کتابیں آیا کرتی تھیں اور وہ بھی اپنے گمراہے کتابوں کی فراہمی کے لئے دنیا کے مختلف گوشوں میں بھیجا کرتا تھا۔ اس کے عہد میں جو کتب خانے قائم ہوئے ان میں بڈشاہ کا کتب خانہ نہایت انیس اور وسیع تھا بلکہ وہ کشمیر کے سارے کتب خانوں پر سبقت لے گیا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مورخین کہتے ہیں کہ اس کا شمار دنیا کے

لے زین العابدین کے دربار کے مسلم اور ہندو فضلا کے حالات صوفی کی تاریخ کشمیر جلد ۱ ص ۱۶۲ پر درج ہیں۔

بہترین کتب خانوں میں ہوتا تھا اور وہ سو برس تک باقی رہا۔ اس کتب خانہ سے دارالعلوم نوشہرہ کے اساتذہ اور طلباء بھی استفادہ کر سکتے تھے۔ سلطان نے اس دارالعلوم کے اخراجات کے لئے کئی گاؤں کی آمدنی وقف کر دی تھی اور درس و تدریس کے لئے نہایت لائق و فائق اساتذہ مقرر کئے تھے۔ دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ ملا کبیر نحوی تھے۔ اساتذہ میں ملا احمد کشمیری، ملا حافظ بغدادی، ملا پارسا بخاری، ملا جمال الدین خوارزمی، میر علی بخاری، اور ملا یوسف رشیدی جیسے ممتاز علماء و فضلاء شامل تھے۔ اس زمانہ میں مدرسہ سیر کا کتب خانہ بھی بہت بڑا ہو گا۔ یہ مدرسہ بڈشاہ نے اسلام آباد کے قریب ”سیر“ میں قائم کیا تھا جسے علم و فضل کا بہت بڑا مرکز کہا جاتا ہے اس کے مدرس اعلیٰ ملا غازی خاں تھے۔

بڈشاہ نے مارنچ نویسی اور تراجم کے محکمے بھی قائم کئے، جن سے کتب خانوں کی ترقی میں اور مدد ملی۔ اس محکمہ کی سرپرستی میں بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کی گئیں مثلاً ذوالحجہ کے افسر ایچا سومہ نے کشمیری زبان میں بڈشاہ کی سوانح ”ہینا چرت“ لکھی۔ یودھ بھٹ نے موسیقی کی ایک کتاب لکھ کر سلطان کے نام ”منون کی۔ ملا احمد کشمیری نے مہابھارت کا فارسی ترجمہ کیا اور تاریخ ”وفاق کشمیر“ لکھی، شری در نے حبشی کی یوسف زلیخا کا فارسی سے سنسکرت میں ترجمہ کیا اور اس کا ”کتھا کو تو کا“ نام رکھا، کشمیری کی شہور تاریخ ”راج ترنگنی“ کشمیری زبان میں لکھی گئی جس کا فارسی میں ترجمہ ملا احمد کشمیری نے کیا اور اس کا بحر الاسرار نام رکھا،



جب اکبر کشمیر گیا تو یہ کتاب اکبر کی خدمت میں پیش ہوئی اس نے دوبارہ فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ مولانا شاہ احمد شاہ آبادی نے اس کا ترجمہ کیا اور اس ترجمہ کا انتخاب طابعہ القادر بدایونی نے کیا۔

چاک سلاطین کے عہد میں بھی کتب خانے ترقی کرتے رہے اس زمانہ میں اشاعتِ تعلیم کا جوش و خروش اتنا پھیل گیا تھا کہ سلطان حسن شاہ کی ماں گل غاتون نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس سلطان کے عہد میں ایک کتب خانہ مدرسہ دار الشفاء کا بھی تھا۔ حسن شاہ کو اپنے قائم کئے ہوئے مدرسوں میں مدرسہ دار الشفاء سے اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے روحانی پیشوا شیخ الاسلام بابا اکمل کیہ وی کو اس کا صدر مقرر کیا اس سلطان کے جانشین حسین شاہ کے دور میں مدرسہ حسین شاہ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ یہ سلطان بھی اشاعتِ علوم و فنون میں اپنے پیشروں سے پیچھے نہیں رہا۔ لکھا ہے کہ اس نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، اور بورڈنگ ہاؤس بھی، اس میں طلباء و مفت رہتے تھے۔ بورڈنگ ہاؤس کے اخراجات اور کتب خانہ کی توسیع و ترقی کے لیے سلطان نے کئی گاؤں کی آمدنی وقف کر دی تھی۔ اس مدرسے کے معلمین اور متعلمین شیخ فتح اللہ حقانی اور اخوند ملا درویش کی سرپرستی اور نگرانی میں تعلیم و تدریس کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ یہاں سے شیخ حمزہ مخدوم جیسے ذی علم درویش تعلیم پائے نکلے تھے۔

جب کشمیر مغلوں کے قبضہ میں آیا تو ان کے حسن مذاق نے اس جنت ارضی کو باغوں، مدرسوں اور کتب خانوں سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ ان کے عہد میں نسیم باغ، شالامار باغ اور نشاط باغ کے ساتھ علم و فضل کے ایسے روح افزا چرچے ملتے ہیں جن کے ذکر سے آج بھی شعر و ادب اور کستانی ذوق کو بڑی تقویت پہنچتی ہے۔ اکبر کے عہد میں حسین خاں والی کشمیر نے کئی مدرسے قائم کئے۔ جہانگیری دور میں علاؤ الدین نے درس گاہ ملا حیدرہ قائم کی۔ شاہجہانی عہد میں خواجہ خوند محمود نقشبندی نے مدرسہ خواجگان نقشبندی قائم کیا۔ ان مدارس کے کتب خانے ہر مدرسہ کی حیثیت کے مطابق ہوں گے لیکن کتب خانوں کے حق میں سب سے بڑا کام کشمیر میں یہ ہوا کہ اکبری دور میں یہاں ایک چھاپ خانہ قائم ہو گیا جس نے ہندوستانی کتب خانوں کی توسیع و ترقی کے لئے راہیں فراخ کر دیں۔

## مالوہ

شب مالوہ کا ذکر تو آج بھی بڑے بڑے لے لے کر کیا جاتا ہے مگر یہاں کے  
 مدرسوں اور کتب خانوں کا کوئی نام بھی نہیں لیتا حالانکہ ان ہی کی بدولت یہ خط  
 شیراز و سمرقند کا ہم سر بن گیا تھا مالوہ میں دلاور خاں غوری نے ۱۰۴۰ھ/۱۶۲۹ء  
 میں خود مختار حکومت قائم کی اور مانڈو (شادی آباد) کو اپنا دارالسلطنت  
 بنایا۔ دلاور خاں کا خاندان چوبیس برس حکمران رہا اس کے ابو محمود خاں غلیبی  
 کے خاندان نے ۱۵۳۰ء تک حکومت کی۔ اس ایک سو تیس سالہ دور میں  
 اجین، مانڈو، چتور، سارنگ پور اور ظفر آباد وغیرہ میں مدرسے اور کتب خانے  
 قائم ہوئے دلاور خاں کے جانشین سلطان ہوشنگ نے مانڈو کو ترقی دی،  
 یہاں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی اور مدرسہ قائم کیا جس کے ساتھ ہمارے خیال  
 میں کتب خانہ بھی ہو گا۔ اس کے بعد سلطان محمود خاں غلیبی اور اس کے رٹکے  
 سلطان غیاث الدین کے عہد میں بے شمار کتب خانے ہونے کے امیانات  
 پائے جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ محمود نے اپنی مملکت میں بے شمار مدرسے قائم کئے تھے  
 اور اس کے عہد میں غلی سرگرمیاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ ماہوہ یونان ثانی کہلا یا  
 جانے لگا تھا۔ اس دور کے مدرسوں میں مانڈو اور سارنگ پور کے مدرسے  
 اور سلطان غیاث الدین کے قائم کئے ہوئے مدرسوں میں ظفر آباد کا مدرسہ  
 اور مدراس نسواں بہت مشہور تھے۔ اس بادشاہ نے تعلیم نسواں کی طرف

خاص طور پر توجہ کی۔ اس کے محذرات میں تقریباً ایک ہزار عورتیں صرف قرآن  
نہیں۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ اس نے عورتوں کو مختلف ہنر مثلاً محکمہ باغی کوڑہ  
گری اور خیاطی وغیرہ سکھانے کا خاص اہتمام کیا تھا انھیں حکیم، مدرس  
اور مفتی کے عہدوں پر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ بادشاہ انسانی ترقی کی  
تعمیل کے لئے عورتوں کو علمی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا نہایت ضروری  
خیال کرتا تھا۔

غیاث الدین خلجی کے بعد ۵۳۷ھ و ۱۵۳۰ء میں مالوہ خلجی خاندان  
کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس پر شاہن گجرات کا قبضہ ہو گیا پھر ۶۱۵  
میں کبر کی سلطنت میں مشن جو بننے کے بعد مالوہ کے کتب خانوں نے  
جو ترقی کی ہوئی اس کا اس زمانہ سراسر نظر رکھتا ہے۔

# گجرات

کتب خانوں کے اعتبار سے قرون وسطیٰ کے گجرات کو بڑی فضیلت حاصل تھی یہاں کتب خانوں اور مدرسوں کے قیام کی ابتداء علاء الدین خلجی کی فتح گجرات سے ۲۵۹ برس پہلے ایک بزرگ بادشاہ یحییٰ بن کے ہاتھوں ہو چکی تھی جو اشاعت اسلام کی خاطر چالیس فقراء کے ساتھ بغداد سے بہرہ فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے ۴۰۰ھ (۱۰۰۳ء) میں یہاں ایک مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کی تھی۔ قیام رہے کہ وہ وقت درس و تدریس کی خاطر کتابوں کا کچھ ذخیرہ بھی جمع کیا ہوگا جسے گجرات کے کتب خانوں کی بنیاد کہا جاسکتا ہے لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی تعمیر و ترقی میں ان بزرگوں کا بھی ہاتھ ہے جو گجرات کی بندرگاہوں، سورت، اکھمبات وغیرہ سے مکہ مدینہ اور مصر و ایران وغیرہ آیا جایا کرتے تھے۔ ان تعلقات نے اس خطہ کو ارباب علم و فضل کا گہوارہ بنا دیا تھا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب علاء الدین خلجی کے سپہ سالار الخ خاں نے ۶۲۹ھ میں گجرات فتح کر کے اسے دہلی سلطنت کا صوبہ بنایا اس وقت دہلی میں علم و فضل کے دریا بہت بڑے تھے جن سے اب گجرات کی سرزمین بھی سیراب ہونے لگی اور سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ سلاطین گجرات کے عہدیدان علمی سرگرمیوں کو

اور ترقی ملی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس خط میں تحصیل علم اور کتابیں جمع کرنے کا شوق دن بدن ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ گجرات کی خود مختار سلطنت کے دوسرے سلطان احمد شاہ کے عہد میں ہی کتب خانوں کا قیام باقاعدہ طور پر عمل میں آگیا۔ اس سلطان کا داد اظفر خاں گجرات کا گورنر تھا مگر اس نے دہلی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) میں مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور یہ علاقہ اکبر کی فتح گجرات (۱۵۷۲ء) تک خود مختار رہا مظفر شاہ کے جانشین سلطان احمد شاہ اول نے ۸۱۴ھ (۱۴۱۱ء) سے ۸۴۶ھ (۱۴۴۳ء تک) حکومت کی۔ اس عرصہ میں اس نے شہر احمد آباد بسایا، مسبریں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں، احمد شاہ کے عہد میں کتب خانے بھی قائم ہوئے۔ علم و فضلہ اور کتبوں کے ذخیرے باہر سے آئے۔ خود سلطان کی سرپرستی میں بہت سی کتبیں لکھی گئیں اسی کی فرمائش پر امام بدر الدین دہلوی نے صحیح بخاری اور مغنی المصنف کی تعلیقات لکھیں یہ بزرگ ۸۰۰ھ میں مصر سے گجرات آئے تھے ان کے علاوہ اور بہت سے علم و حدیث احمد شاہ کے سایہ عاطفت میں اطمینان و فراغت کے ساتھ علمی و تصنیفی کاموں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

سلاطین گجرات کا شاہی کتب خانہ | ابھی گجرات کی خود مختار سلطنت کو قائم ہوئے

تھوڑا ہی عرصہ گزر اٹھا کہ احمد شاہ کی علم نوازی کی بدولت گجرات کے

شاہی کتب خانہ میں کتابوں کا بہت کافی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ لکھا ہے کہ سلطان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد شاہ نے شاہی کتب خانہ کی بہت سی کتابیں شیخ محمد عثمان کے مدرسہ کو اس لئے دے دیں کہ وہ شیخ موصوف سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور اس قسم کے اور نہ معلوم کتنے خدمات اس کتب خانہ کو اپنی زندگی میں اٹھانے پڑے ہوں گے لیکن پھر بھی وہ اکبر کی فتح گجرات تک باقی رہا۔

گجرات خاندان کے علاوہ شاہی کتب خانہ کو بہ ندرت قیامی ہوئی۔ سلاطین گجرات میں ۱۰۰۰ سے بڑا ایک ذخیرہ خیال کیا جاتا ہے اس نے دون برس (۱۲۵۸-۱۲۵۹) نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی وہ علم دوست، انصاف و راج اور فیاض تھا۔ اس کے عہد میں بقول مصنف "یار ایام" سارا ملک سرسبز و شادابی میں باغ بہار نظر آنے لگا۔ دیہات اور قصبہ آباد معمور ہو گئے۔ احمد آباد صنعت و حرفت کا مرکز بن گیا اور اس کے علاوہ "نفا میں تجمیع کی گئیں" ایسے علم نواز

---

یار ایام یعنی تاریخ گجرات مصنف سید امجد علی (مکملہ ۱۹۲۰ء) اس کتاب کے علاوہ گجرات کی تاریخ کے متعلق یہ کتابیں دی گئیں "مرآت سکندری" (سکندر بن محمد بن شیخ منجم) تاریخ گجرات (شاہ ابوتراب دہلی) "مرآۃ احمدی" (مرزا محمد حسن علی محمد خاں بہادر) "خاتمہ مرآت احمدی" مصنف مرزا محمد حسن علی محمد خاں بہادر برصغیر و نواب علی (پیش کشن پریس کلکتہ ۱۹۳۰ء)

سلاطین کے دور میں احمد آباد، سورت، نہروا، اپٹن، ماہم، بہرودج، کھمبات، چمپانیر وغیرہ میں کتب خانے قائم ہو گئے تھے ان میں سے چند کتب خانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

**شاہ عالم کا کتب خانہ** — بھی گجرات کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس کی سرزمین پر مشائخ اور علماء کثرت سے جمع

ہو گئے تھے انھوں نے مذہب اور علم کی اشاعت کے سلسلے میں جو مدرسے اور کتب خانے قائم کئے ان سے گجرات کا وقار بہت بڑھ گیا تھا۔ ایک بزرگ بدایینی کے گجرات آنے اور خانقاہ و مدرسہ قائم کرنے کا ذکر پہلے آچکا ہے ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء) میں ایک اور بزرگ سید برہنہ الدین عبداللہ بن محمود الملقب بہ قطب عالم بن گجرات کو راہ حق دکھانے کے لئے پٹن تشریف لائے تھے اور جب سلطان احمد اول نے احمد آباد بسایا تو وہ پٹن سے احمد آباد آکر سکونت پذیر ہو گئے ان کا وصال ۵۳۵ھ ۶۱۴ میں ہوا۔ اس ۵۳۵ سال کے عرصے میں حضرت قطب عالم نے اپنے تبلیغی مسکن کی خاطر کتابوں کے جو ذخیرے جمع کئے ہوں گے ان کا ذکر اب قلم نے نہیں کیا۔

البتہ قطب عالم کے فرزند اکبر سید سراج الدین محمد الملقب بہ شاہ عالم کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا کتب خانہ بہت بڑا تھا جس میں نادر اور نایاب کتابیں بھی تھیں اور جس کو شاہ عالم کے جانشین برابر رقی دیتے رہے یہاں تک کہ گیارہویں صدی ہجری میں وہ انتہائی عروج پر پہنچ گیا تھا۔



حضرت شاہ عالم درویش کامل اور عالم متبحر تھے اور ذوقِ کتبِ مبنی بھی رکھتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ اہر میوزیم اٹاوا میں ہے جو غالباً دسویں صدی ہجری کا مکتوب ہے اس میں آپ کے اقوال و کرامات اور اس زمانہ کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ حضرت کا دصال ۱۴۷۵ھ میں ہوا اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔

**شیخ محمد بن طاہر کا کتب خانہ** | گجرات کے کتب خانوں میں یہ نہایت مشہور اور بہت وسیع کتب خانہ تھا جس کے لئے شیخ موصوف نے عرب اور ایران تک سے کتابیں فراہم کی تھیں۔ گجرات کے یہ جلیل القدر محدث قوم کے بوہرے اور پٹن کے باشندے تھے۔ علم حدیث کی ترویج میں نہایت سرگرم رہے۔ حدیث کا درس بھی دیا کرتے تھے اور مرشد کی ہدایت کے مطابق اپنے طالب علموں کے لئے سیما ہی بنایا کرتے تھے اور درس کے دوران میں بھی سیما ہی گھسنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ شیخ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں ”جمع بحر الانوار“ بہت مشہور ہے۔ ان علمی کاموں کے علاوہ شیخ موصوف نے ان بدعتوں کو مٹانے کی بھی سخت کوشش کی جو ان کی قوم میں پھیلی ہوئی تھیں اور بالآخر اسی سلسلہ میں ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں شہادت پائی۔

شیخ محمد بن طاہر کے متعلق مولانا حبیب الرحمن شروانی کا ایک مضمون مقالات شروانی (ص ۳۹۵) میں ملاحظہ کیجئے۔ ۲۵ سالہ اسلامک کلچر (حیدر آباد کن) جلد ۱۹۔ ص ۳۴۲

## شیخ عبدالقادر خضریٰ کا کتب خانہ | بقول مصنف یاد ایام بہ نہایت عالیشان کتب خانہ تھا۔ شیخ

عبدالقادر بن شیخ خضریٰ اپنے عہد کے جید علماء میں سے تھے۔ انھوں نے نہایت سی  
مفید کتابیں لکھیں جن میں الحمد للہ الحضرۃ (سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور النور السافر  
فی اعیان القرن العاشر (تاریخ) نہایت مشہور ہیں ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) میں  
ان کا انتقال ہوا۔

## شیخ علی مہاشی کا کتب خانہ | یہ نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جسکی ندرت شیخ موصوف کے تبحر علمی سے ظاہر

ہوتی ہے ان کی نسبت لکھا ہے کہ ”ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ  
دلی اللہ محدث دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔“  
۸۳۵ھ (۱۴۳۱ء) میں انھوں نے وفات پائی۔ بہت سی تصانیف  
اپنی یادگار چھوڑیں۔ مثلاً محی الدین ابن عربی کی ”فصوص الحکم“ اور شیخ  
شہاب الدین سہروردی کی ”عوارف“ پر شرحیں بھی لکھیں گرائی  
تصانیف میں قرآن مجید کی تفسیر ”تبصیر المؤمن“ نہایت مشہور ہے۔  
بقول مصنف یاد ایام ”تفسیریں تو سیکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر  
بسیار سے ان کی تفسیر کو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ یہ  
ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ قرآن پاک کی آیات کریمہ کو  
باہم و گمربوط ہونے کو ایسے دل نشین طریقہ سے بیان کیا ہے جس کو  
چڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے اور بے ساختہ سنجھ سے داد نکلتی ہے۔“

**مفتی رکن الدین کا کتب خانہ** | اس کتب خانہ کے وجود اور اس کی وسعت کا پتہ اس امر سے چلتا ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی کتاب

”فتاویٰ حمایہ“ دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر تصنیف کی تھی مفتی رکن الدین بن ماسم الدین ناگوری بہرہ والہ کے مفتی تھے اور علم و بیث و فقہ میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔

**قاضی برہان الدین کا کتب خانہ** | افسوس کہ اس کتب خانہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا حالانکہ قاضی موصوف بقول مصنف یادایام

کثرت افادہ میں یکتائے روزگار تھے اور گجرات میں علم ان ہی کی وجہ سے پھیلا۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مددِ حق و ہدایت عمدہ کتب خانہ رکھتے تھے۔

اسی طرح گجرات کے دوسرے متاخر اور علماء مولانا راجہ بن داؤد (متوفی

۹۰۴ھ/۶۱۴ھ) قاضی جگن (متوفی ۹۲۰ھ) مولانا علاء الدین (متوفی ۹۴۹ھ)

مولانا عبدالملک (متوفی ۹۷۰ھ) شیخ حسن محمد (متوفی ۹۸۲ھ) مفتی قطب الدین

(متوفی ۹۹۹ھ) مولانا احمد کردی (متوفی ۱۰۰۷ھ) سید محمد رفیع (متوفی ۱۱۱۱ھ)

مولانا نیر الدین سورتی (متوفی ۱۲۰۶ھ) دنیہ کے کتب خانے تاریکی میں ہیں حالانکہ

حضرات اتنے جلیل القدر عالم و محدث، فقیہ اور مصنف تھے جن پر ہندوستان

ہمیشہ فخر کیا کرے گا۔

**مدرسہ وجیہ الدین کا کتب خانہ** | تاریخ کہتی ہے کہ گجرات میں مدارس اور تعلیم گاہیں بکثرت تھیں بلکہ

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ علم و فضل کے لحاظ سے احمد آباد کو دہلی پر فضیلت

ملے ان حضرات کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے ”یادایام“ ص ۵

حاصل ہو گئی تھی اس بیان کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ گجرات میں کتب خانے  
 بکثرت تھے ان میں مدرسہ وجیہ الدین کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ لکھا ہے کہ  
 اس میں مختلف مضامین کی بہت سی کتابیں تھیں۔ یہ مدرسہ بقول مصنف یاد آیا  
 احمد آباد میں سب سے زیادہ مشہور تھا اسے علامہ وجیہ الدین نے ۱۹۲۴ء (۱۳۴۲ھ)  
 میں قائم کیا تھا جہاں روزنامہ "ذات" (۱۹۹۸ء) تعلیم دیتے رہے۔ اس  
 مدرسہ کا فیض ان کے بعد ۱۹۳۸ء میں تک جاری رہا۔ علامہ وجیہ الدین کا علمی  
 مرتبہ علمائے گجرات میں نہایت طراز تھا انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور  
 علامہ کے شاگرد جس طرح احمد آباد سے نامور ہوئے تھے اسی طرح مدرسہ  
 کے مدرس اور اس کے کتب خانہ کا مشہور احمد آباد سے ہو نامک گونج رہا تھا۔

**مدرسہ شیخ الاسلام کا کتب خانہ** | یہ اس اعتبار سے نہایت ممتاز تھا کہ  
 اس کا استعمال صرف مدرسہ کے طلباء  
 تک محدود نہ تھا بلکہ ہر اس ذوق اس سے استفادہ کر سکتا تھا۔ یہ مدرسہ قاضی  
 اکرام الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار  
 روپے میں تعمیر کرایا تھا۔ درس کی عمرات نورانی (۱۱۰۲ - ۱۱۱۱ھ) میں  
 مکمل ہوئی تھی کہ جانا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نور الدین کے لئے تعمیر ہوا تھا  
 جنھوں نے اپنی زندگی عمر کی خدمت میں صرف کر دی تھی اور علامہ وجیہ الدین کے

نے سارے مذاہب پھر حیدرآباد (دکن) ج ۱۵، ص ۲۴۲۔

۱۵۔ ان کتابوں کے نام یاد ایام کے ص ۵۸ پر درج ہیں۔

بعد گجرات میں باہتیار درس و تدریس و کثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انھوں نے ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں وفات پائی اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔

**مدرسہ عثمان پور کا کتب خانہ** | یہ وہی کتب خانہ ہے جس کے لئے سلطان محمد شاہ نے شاہی کتب خانہ

کی کتابیں عنایت کی تھیں اس مدرسہ کے بانی شیخ محمد عثمان (متوفی ۸۶۲ھ ۱۷۵۸ء) اپنے مدرسہ کے کتب خانہ سے اتنی دلچسپی رکھتے تھے کہ ایک عرصہ تک وہ خود اس کے نڈراں رہے۔

**مدرسہ سرخیز اور شیخ احمد کھٹو کے کتب خانے** | اس مدرسہ کا کتب خانہ کافی

بڑا تھا۔ لکھا ہے کہ سرخیز میں جہاں شیخ احمد کھٹو گنج بخش کا مزار ہے وہاں ایک بڑا مدرسہ تھا۔ شیخ ممدوح کا شمار اکابر دنیائے کرام میں ہے حضرت شاہ عالم نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا تھا۔ ۸۴۹ھ (۱۷۴۵ء) میں وصال ہوا۔ شیخ ممدوح اپنا ذاتی کتب خانہ بھی رکھتے تھے۔

**مدرسہ رفیع کا کتب خانہ** | یہ مدرسہ نہر والا پٹن میں ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) میں قائم ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی تھی۔ لکھا ہے کہ اس سے ایک بڑا کتب خانہ ملحق تھا۔

اشہ یادایام - ص ۳۳، ۴۲

۱۱۳۳ھ رسالہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) ج ۱ ص ۳۴۱، ۳۴۳۔

مدارس سورت کے کتب خانے | ابھی ہمارے خیال میں بہت نفیس تھے یہاں کے

مدارس میں ایک مدرسہ محمد بن عبداللہ العیدروس کے مزار کے پاس ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۳ء) میں تعمیر ہوا تھا اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد ہمیشہ مدرسہ کا کام دیتی تھی اسی طرح سورت اور دوسرے شہروں کی بہت سی مسجدوں میں درس کے حلقے اور کتابوں کے ذخیرے طالبان علم کو فیض پہنچا رہے تھے۔

اعتماد خان گجراتی کا کتب خانہ | گجرات کا یہ بھی وہ بلند پایہ کتب خانہ تھا جس میں نہایت نفیس و نادر کتابیں جمع

تھیں اور جو اکبر کی فتح گجرات تک موجود تھا۔ اکبر نے اس کتب خانہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی کچھ کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کر دیں اور کچھ اور باب علم کو مے دیں۔ مرزا عبداللہ اور بدایونی نے لکھا ہے کہ ”انوار المشکوٰۃ“ کا نسخہ ان کے حصے میں آیا تھا۔ گجرات مغیرہ سلطنت میں شامل ہونے کے بعد خلیفہ بادشاہوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ عالمگیر کا اسے زیب و زینت ہندوستان کہنا نہ ہر کرنا ہے کہ گجرات نے اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک علم و ادب اور صنعت و حرفت میں غیر معمولی ترقی کی تھی۔

لیکن گجرات کے علاقہ میں جو کچھ علمی اور ثقافتی سرمایہ مسلم عہد میں جمع ہوا تھا اس کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی مارجی کے زمانہ میں برباد ہو گیا۔ پھر بھی گجرات کے کتب خانوں کے کچھ باقیات احمد آباد، بہرچ اور کھمبات وغیرہ کے صوفیوں، قاضیوں اور عالموں کے گھرانوں میں ابھی تک موجود ہیں۔ لکھا ہے کہ کچھ کتابیں احمد آباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں بھی محفوظ ہیں۔

# بنگال

تیس کہتا ہے کہ بنگال میں تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں  
 رر سے اور کتب خانے قائم ہو گئے ہوں گے کیونکہ اسی زمانہ میں محمد تقی خلیجی  
 نے بنگال فتح کر کے شہر رنگ پور آباد کیا تھا اور یہاں مساجد، مدارس اور  
 خانقاہیں بنوائی تھیں اس کے بعد گورنر بنگال غیاث الدین (۱۲۰۲-۱۲۲۷ء)  
 نے لکھنوتی میں ایک عالیشان مسجد اور ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرایا لیکن یہاں  
 کتب خانوں کی ترقی کی بنیاد ان کتابوں سے پڑی تھی جو شیخ سراج الدین  
 عثمان بتوفی ۱۳۷۵ھ) اپنے مرشد نوانہ نظام الدین اولیاء کے کتب خانے  
 سے لائے تھے۔ شیخ سراج کے علاوہ اور بہت سے مشائخ مثلاً جلال الدین  
 تبریزی، شیخ علاء الدین علاء الحق، ان کے صاحبزادے نور الحق المعروف  
 بہ نور قطب عالم اور شیخ بلال مجر دسٹھٹی نے اخلاق و علم کی شمعیں سامے  
 بنگال میں روشن کر دیں اور اس علاقہ کی مذہبی اور سیاسی زندگی پر  
 نہایت گہرا اثر ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بنگالہ میں اولیاء اور  
 غازیوں کی اتنی بڑی تعداد آگئی تھی کہ خیال ہوتا تھا کہ یہ صورت حال  
 ضرور سلاطین دہلی کے بنگالہ کے متعلق کسی خاص سوچی ہوئی پالیسی کا  
 نتیجہ تھی، اگر ان اولیائے کرام کے کتب خانوں کا ذکر مل جاتا تو ہم

یقین کے ساتھ یہ کہہ دیتے کہ چودھویں صدی عیسوی کے بنگال میں ۱۵۰ خانقاہی کتب خانے تھے کیونکہ اس وقت یہاں ۱۵۰ افتخار و سوفیہ کی گدیاں موجود تھیں۔ ان باخدا لوگوں نے بقول ڈاکٹر ہنٹر اسلامی توحید و مسادات کا مرثوہ اہل بنگال کو سنایا اور ایسی قوم کو بلا تامل اسلامی اخوت کے دائرے میں شامل کر لیا جو صدیوں سے ذلت و خواری کے دن کاٹ رہی تھی۔

دوسرے صوبوں کی طرح بنگال کے حکمران بھی بدلتے رہے۔ محمد تغلق کے زمانہ میں یہ صوبہ بھی دہلی کی مرکزی حکومت سے الگ ہو کر آزاد ہو گیا۔ اس کی خود مختاری کا خاتمہ شیر شاہ کے ہاتھوں ہوا اور ۱۵۷۶ء میں اکبر نے اسے سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا لیکن ہر دور میں یہاں اس سے در کتب خانے قائم ہوئے۔ ان میں ایک مدرسہ اور اس کا کتب خانہ موضع عمر پور کے قریب اس جگہ تھا جو اب ”درس باڑی“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے آثار باقیہ میں ایک کتبہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ یوسف شاہ کے زمانہ (۱۶۷۹ء) میں تھا۔ سنی عرج ایک کتب خانہ مدرسہ استھنی پور سے بھی ملتی ہو گا

---

۱۵۰ آب کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۳۴۳

۱۵۱ سنگاں کے مدارس کا طرز و نامہ لاکھ کتاب پر موشن آف سنگاں  
رنڈیا زس ۱۰۶ سے سنا گیا ہے۔



اس مدرسے کے نشانات کا نام اب تک "مدرسہ ٹیلہ" ہے۔

لیکن مدرسہ گور کا کتب خانہ نہایت وسیع معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مدرسہ بہت بڑا تھا اور اس کی خوبصورت عمارت سنگ مرمر و سنگ خارا سے بنی ہوئی تھی۔ مدرسہ کا بانی حسین شاہ تھا اس کے عہد (۱۲۹۳-۱۵۱۸ء) میں اور بھی مدرسے گور میں قائم ہوئے جن میں ایک مدرسہ کی نسبت خورشید جہاں نادر کے مصنف الہی بخش حسینی نے لکھا کہ کہ وہ ریاض السلاطین کے مصنف غلام حسین کے مکان کے قریب تھا۔

بنگال کے خود مختار سلاطین میں حسین شاہ اور نصرت شاہ علم و فن کے بہت بڑے مرہی تھے۔ ان کے عہد میں فارسی زبان کے ساتھ ساتھ بنگالی زبان کی بھی بڑی ترقی ہوئی۔ حسین شاہ نے بھگوت گیتا اور اس کے بیٹے نصرت شاہ نے مہا بھارت کا ترجمہ بنگالی میں کرایا۔ لیکن ایک قول یہ ہے کہ مہا بھارت کا بنگالی میں سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ والی بنگال (۱۲۸۲-۱۳۲۵ء) کے حکم سے ہوا تھا۔ اور اسے بنگال کے شاعر اعظم و دیاپتی نے اپنا ایک گیت منسوب کیا تھا۔ یہاں اس نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بنگالی زبان کی ترقی کا سنگ بنیاد بنگال میں مسلم دور حکومت میں رکھا گیا تھا اور نہ اس سے پہلے یہ زبان بقول سید سلیمان ندوی کاغذ کے ایک صفحہ کی بھی مالک نہ تھی

جعفرخان کا مدد (اکتوبرہ) مرشد آباد



اور مسلمانوں سے پہلے س: میں میں ایک تخم بھی نہ بویا گیا تھا۔  
 دھاکہ میں مدرسہ شائستہ خاں کا کتب خانہ بھی نہایت  
 مشہور ہوگا اس سے کہ امیر الامرائے شائستہ خاں کا قائم کیا ہوا یہ مدرسہ س: زمانہ  
 کے ممتاز مدارس میں شمار ہوتا تھا۔ شائستہ خاں بھن الدولہ آصف خاں وزیر کا  
 رٹا تھا۔ مختلف صوبوں میں وہ ناظم رہا۔ عالمگیری کے عہد میں بنگالہ کا حاکم ہوا  
 جہاں کیا دہاں مدرسے و مسجدیں تعمیر کرائیں۔ دھاکہ میں لب دریا ایک مدرسہ  
 میں مسجد بنوایا جو ایک عرصہ وراثت کا قائم رہا۔

مرشد آباد میں مدرسہ جعفر خاں کا کتب خانہ نہایت عالیشان  
 ہوگا کیونکہ یہ مدرسہ بھی نہایت عالیشان کہا جاتا ہے اسے نواب مرشد علی  
 جعفر خاں (۱۷۰۴-۱۷۷۵) بانی شہر مرشد آباد نے قائم کیا تھا جو اپنی علمی  
 قابلیت اور اہل علم کی سرپرستی کے لئے مشہور تھا لکھا ہے کہ ہر صبح قرآن  
 کی کتابت کرتا اور اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کے نسخے مکہ مدینہ اور دیگر  
 مقامات مقدسہ بھیجتا تھا۔

مرشد آباد میں علی وردی خاں کے زمانہ میں بہت سے کتب خانے  
 ہوں گے اس لئے کہ وہ اہل علم کا بڑا مربی تھا اور اس کے دربار میں بہت سے  
 علماء و فضلا جمع ہو گئے تھے جن میں میر محمد علی، حسین خاں، علی ابراہیم  
 خاں اور حاجی محمد خاں اور تقی قلی خاں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں

میر محمد علی خاں کا کتب خانہ بہت بڑا تھا جس میں  
دو ہزار کتابیں تھیں۔

مرشد آباد میں نواب معین الدولہ کا کتب خانہ نہایت  
عمدہ تھا جس کے مہتمم احمد علی شاہ اور تھویدار اسد اللہ تھے۔ اس کتب خانہ  
کی ایک کتاب شائق نکتین میں موجود ہے یہ معین الدین جوئی کی  
کتاب ”نکاہستان“ کا قلمی نسخہ ہے جسے محمد حسین ابن محمد مظفر  
نے ۹۵۳ھ (۱۵۶۱ء) میں لکھا تھا۔

غرض اسی طرح عہد مسلم میں بنگال کے کونہ کونہ میں مدرسے  
اور کتب خانے قائم ہوئے اور جیسا کہ تاریخی حوالوں کے ساتھ پہلے  
بیان ہو چکا ہے کہ برطانوی حکومت سے قبل بنگال میں ایک لاکھ  
درہ سے گویا ایک لاکھ کتب خانے تھے۔



۱۱۲

رسالہ اسلامک کچھر (حیدر آباد دکن) ج ۲۰ ص ۱۷

## بہار

بہارِ مازقہ کے علوم کا ہری دبا طی کا مرکز ہے۔ سوسائٹی میں  
برکاتِ بدھ کو صدق کا جلوہ نظر آیا تھا اور یہاں سے اسے واپس لایا  
یہ وہ تحریک تھی جو بدھ مت کے کام سے متہور ہے۔ اس نمونہ کا دیگر شہر  
باٹلی پترہ (چٹنا) بدھ مت کا وہ مقدس شہر ہے جو ایک تقریباً ڈیڑھ ہزار  
سال قبل شہنشاہ اشوک کے عہد میں مذہب کا بدھ مت کا مرکز بن گیا  
تھا اور آج بھی یہاں کتب خانہ خدا بخش کی شکل میں علم و ادب کا وہ بے بہرہ  
خزانہ موجود ہے جو ساری علمی دنیا کے لئے باعثِ فخر ہے۔

جب بخیرا فہمی نے ہر صومیس صدی عیسوی کے آغاز میں بہار فتح کیا  
و اس وقت اس کی علمی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اس علم و تہذیب  
نے یہاں متعدد سکھ دیں و مہار سے قائم کئے جن کے اثر سے اس علاقے  
میں توجہ اور علم کے چرچے ہونے لگے اور درس و تدریس اور کرامت  
جمع کرنے کے شوق کو پھولنے پھٹنے کے لئے ایسی فضا مل گئی جس  
کی تصویر اس تحریر میں نظر آتی ہے۔

---

شہر کی مختلف برج کے لئے خاص ہوتا ہے۔ مگر یہ مونی فطرت میں بھی  
سائے کوہِ بھگن ترنی اوردو جمنہ ہن۔ ۱۹۷۷ء۔

”بہار میں عموماً یہ صورت رہی ہے کہ اکثر رؤساء و امراء علم و فن کی دولت و گزوال سے بھی مالا مال ہوتے تھے اور وہ ضروریات دنیوی سے بے نیاز رہ کر اپنے کاشانوں میں بیٹھے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ علم و فن کی بہترین خدمات انجام دیتے تھے اور جو امراء اہل علم نہ تھے وہ اپنی معاشرانہ عزت برقرار رکھنے کے لئے علماء و فضلا کو اپنے دامن دولت سے وابستہ رکھتے تھے۔ طلباء کے لئے وظائف اور جاگیریں مقرر کرتے تھے اور وہ اس بزرگوار نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے چنانچہ آج کل اس مقدس رستم کی یادگاریں بہار میں موجود ہیں۔“

ایسے ماحول میں کیسے کیسے اہل علم، اور کتنے مدرسے اور کتب خانے ہوں گے ان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے مولوی ابوالحسن ندوی نے اپنی کتاب میں ان ممتاز علماء و فضلاء کے نام دئے ہیں جو بہار کے مختلف شہروں میں علم کی خدمت کر رہے تھے۔ مثلاً: میر تقی میر، شاہ شرف الدین احمد یحییٰ۔ بہرام میں مولوی سلیم اللہ اور شاہ کبیر الدین، دیانواں میں مولوی شمس الحق محمدت، محی الدین پور میں مولانا تطف حسین، نگرہہ میں مولانا علیم اللہ اور مولانا علیم الدین، استھانواں میں مولانا حافظ وحید الحق، دینہ میں مولانا مصطفیٰ شیر اور مولانا محمد یعقوب سرچشمہ علوم تھے لیکن افسوس کہ ان کے کتب خانوں کو اہل قلم قید تحریر میں نہ لائے اور بہار کے قدیم مدارس وغیرہ کے کتب خانوں کا حال بھی انھوں نے نہیں لکھا۔

مثلاً مدرسہ دانا پور اور اس کی مسجد کی عمارتوں کے متعلق تو لکھا ہے کہ ان کی خوش وضعی کو وہاں کی کوئی دوسری عمارت نہیں پہنچ سکتی مگر اس مدرسہ کے کتب خانہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

خانقاہ شاہ کبیر کا کتب خانہ | لیکن سب سے مکی خانقاہ شاہ کبیر الدین کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے ایک عظیم الشان مدرسہ ملحق ہے جس کے کتب خانہ کی مالیت تخمیناً ایک لاکھ روپیہ ملتی ہے کتب خانہ تو اب اتنا وسیع نہ رہا لیکن مدرسہ اب بھی باقی ہے اور سیکڑوں طلب علم اس سے فیض پارہے ہیں۔

خانقاہ منیر کا کتب خانہ | یہ کتب خانہ اب بھی اہل ذوق کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے اس میں عربی اور فارسی مخطوطات کافی تعداد میں ہیں خصوصاً تصوف کی کتابوں کا نہایت اچھا ذخیرہ موجود ہے۔ مرزا غالب کے دوست، مرزا گرد شاہ فرزند علی صوفی منیری کی کئی تصانیف بھی یہاں محفوظ ہیں۔

خانقاہ اسلام پور کا کتب خانہ | اسلام پور ضلع پٹنہ میں ایک مشہور مردم خیز قصبہ ہے جہاں کی خانقاہ کے کتب خانہ میں ہزاروں کتابیں مدت دراز سے محفوظ چلی آرہی ہیں۔ قلمی کتابوں کی تعداد بھی کئی ہزار کے قریب ہو گئی۔ شاہ حمید الدین احمد عرفان وہاں کے مشہور علم دوست سجادہ نشین گزشتہ ایام نہایت اچھے شاعر تھے ان کی علم نوازی سے اس کتب خانہ کو بہت فائدہ پہنچا۔

**خانقاہ پھلواری کا کتب خانہ** | پھواری شریف میں یہ خانقاہ  
 علم و معرفت کا بہت بڑا مرکز ہے جس کی یہ خصوصیت بتائی جاتی ہے کہ اس کے سجادہ نشین ہمیشہ صاحب  
 درس علماء اور ہے جن کی وجہ سے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ آج تک جاری  
 ہے، اسی اعتبار سے یہاں کے کتب خانہ کی وسعت اور خوبی کا اندازہ کیا  
 جاسکتا ہے جس میں ہزاروں نفیس قلمی کتابیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ  
 پھواری شریف میں اور بھی کتب خانے ہیں مثلاً کتب خانہ شاہ  
 سلیمان قادری اور کتب خانہ شاہ محمد شعیب۔

**بہار شریف کے کتب خانے** | بہار شریف کا ذکر کاغذ سازی کے  
 سلسلے میں پہلے آچکا ہے، کاغذ  
 سازی کے علاوہ تعلیم کا بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی تعلیم گاہوں میں  
 مدرسہ عزیز یہ اور مدرسہ اسلامیہ بہت مشہور ہیں۔ ان مدرسوں کے ساتھ  
 وسیع کتب خانے بھی ہیں۔ بہار شریف میں چھوٹی بڑی کئی خانقاہیں ہیں،  
 اور ہر خانقاہ میں ایک کتب خانہ ہے جو قلمی کتابوں اور نواد سے بھرا ہوا ہے۔  
**پٹنہ کے کتب خانے** | صوبہ بہار کا مرکزی شہر پٹنہ جو عظیم آباد  
 کے نام سے بھی موسوم ہوا اپنے کتب خانوں  
 اور مدرسوں کے باعث بڑی اہمیت رکھتا ہے اس کے پرانے اداروں  
 میں مدرسہ پٹنہ اور مسجد خاں کا مدرسہ مشہور ہیں۔ اول الذکر  
 کے متعلق لکھا ہے کہ عظیم آباد میں ایک محلہ ہی مدرسہ مسجد کے نام سے موسوم ہے



مسجد کی عمارت اب تک قائم ہے جس سے مدرسہ کی وسعت و شان کا پتہ چلتا ہے ان مدارس کے علاوہ پٹنہ کے خالق اہی اور ذاتی کتب خانوں میں بھی ایک زمانہ سے نفیس و نادر کتابیں محفوظ چلی آرہی ہیں مثلاً کتب خانہ خاندانہ عمادویہ (منگل تالاب پٹنہ سٹی) اپنے عربی و فارسی مخطوطات کی وجہ سے نہایت اہم ہے کتب خانہ درگاہ حضرت عشق (میں گھاٹ پٹنہ سٹی) میں بڑی اعلیٰ اور نفیس کتابیں محفوظ ہیں۔ کتب خانہ شاہ محمد قاسم قتیل دانا پوری میں تصوف کا بہت اچھا ذخیرہ موجود ہے کتب خانہ مولانا ظفر الدین قادری اسلامیات کا بڑا نادر اور نفیس خزانہ ہے۔ پٹنہ میں خداداد بخش لائبریری کے علاوہ ایک مارواڑی جالان صاحب کامیوریم بھی ہے جس میں نہایت قیمتی مخطوطات اور تاریخی و علمی نوادر محفوظ ہیں۔

اور لائق ذکر بات یہ ہے کہ مغلوں کے دور زوال میں بھی پٹنہ کی علمی اور ادبی رونقیں تہی بڑھ گئی تھیں کہ اورنگ زیب کا پوتا شہزادہ محمد عظیم الشان اسے سلطنت مغلیہ کی دوسری دہائی بنانا چاہتا تھا اگر اس عہد کی علم دوست شخصیتوں اور ان کی ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو پٹنہ کے ہر پڑھے لکھے شخص کے پاس ایک چھوٹا سا کتب خانہ ملے گا جس میں ادب اور شعر و شاعری کی کچھ کتابیں ضرور ہوں گی اس زمانہ میں دہلی کے پر آشوب ماحول سے تنگ کر بہت سے شعرا اور ادیب غیرہ دہلی سے مرشد آباد اور عظیم آباد آگئے تھے جہاں علی دروی خان

عظیم آباد کی چند گراں قدر شخصیتوں کا حال ڈاکٹر سید محمد حسین کی کتاب "مرزا محمد علی فدوی" میں ملاحظہ کیجئے (مطبوعہ آزاد پریس پٹنہ ۱۹۵۶ء)

اور اس کا داماد زین الدین احمد ہیمیت جنگ ان کے سرگرم معاون اور سرچسپ  
بنے یہ دونوں اپنی علم دوستی اور فیاضی کے لئے مشہور تھے۔ لکھا ہے کہ ہیمیت جنگ  
کا کتب خانہ نہایت اچھا تھا اور اس کی کتاب داری کی خدمت لالہ جاگر  
الفت کے سپرد تھی۔ بہند دوس میں مہاراجہ شتاب رائے کا کتب خانہ  
بہت عمدہ تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان کتب خانوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا  
کہ بہند اور مسلمان کتابیں جمع کرنے کی کیسی لگن رکھتے تھے اس زمانہ میں ان دونوں کے  
تعلقات بھی اس قدر خوشگوار تھے کہ جب ایک شاعر راجہ رام نرائن نے ہیمیت خاں کے  
لڑکے سراج الدولہ کے دردناک قتل کی خبر سنی تو نہایت متاثر ہو کر کہا: ۵۰

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجھوں کے مرنے کی ۵۰  
دوانہ مر گیا آخر کو دیرانے یہ کیا گذری  
شیر شاہ سوری اور کتب خانے ۵۱  
شیر شاہ سوری (متوفی ۱۵۷۷ء) کا ذکر بے محل نہ ہو گا اس سے کہ یہی شہر اس کا  
مولدہ وطن ہے۔ شیر شاہ نے اپنی پانچ سالہ حکومت میں بھی مدرسوں و کتب خانوں  
کو فرائض نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں شیر شاہ کے پاس تاریخ کی کتابوں  
کا نہایت اعلیٰ ذخیرہ ہو گا۔ اس علم دوست زمانہ کو عربی، فارسی،  
فقہ اور تاریخ میں مہارت تامہ حاصل تھی مگر تاریخ سے اس کو خاص شغف  
تھا۔ شیر شاہ نے نارنول میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جسکی عمارت بہت بُری اور  
شاندار تھی اس کا ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ نارنول کا کتب خانہ نہایت عالیشان تھا۔ شیر شاہ  
کے دادا ابراہیم سوری کی قبر نارنول میں لکھا ہے کہ انکے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر مدرسہ  
شیر شاہ نے بنوایا تھا اور مقبرہ و مدرسہ کی تعمیر پر ایک لاکھ سے زائد روپیہ صرف کیا تھا۔

۵۰ نارنول اب ریاست پٹیالہ میں شامل ہے۔

## یوپی

یوپی کی صبح بنارس اور شام اودھ تو آج تک مشہور ہیں لیکن نوابین<sup>۱</sup> کے کتب خانوں اور امان اللہ بنارسی کی درس گاہ کو دنیا بھولتی جا رہی ہے۔ س زمانہ کے تعینی نہ ہو اور کتب خانوں کے قیام میں حکومت اور اشخاص دونوں کا ہاتھ کھٹا بادشاہ اور امراء کی طرف سے ایسے علماء کی قدر و منزلت اور مالی امداد کی جاتی تھی جو اپنی زندگیوں میں تعلیم کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ چنانچہ سرکاری درسوں کے علاوہ ہر صاحب درس عالم ایک دارالعلوم تھا۔ الہ آباد میں شیخ محب اللہ، قاضی محمد مصطفیٰ، شیخ محمد افضل، بنارس میں مولوی امان اللہ، غازی پور میں مولانا فصیحی اور مولانا عبد اللہ، جالپائی میں ملا موہن، چٹوپا کوٹ میں مولانا عنایت رسول، خیر آباد میں مولانا فضل امام اور ان کے صاحبزادے مولانا فضل حسن، دیوان میں مولانا عبد السلام، منڈیلہ میں مولانا محمد انور، گویا میں شاہ خیر اللہ اور قاسمی مبارک وہ گراں قدر شخصیتیں تھیں جن کے دماغ کتب خانوں کی طرح علم و فضل کے خزانے تھے۔

قرون وسطیٰ کے یوپی میں جا بجا درسوں کا ہونا کتب خانوں کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے اس سلسلہ میں پہلی نظر بلایوں پر پڑتی ہے جو عہد قدیم سے مرکز علم رہا ہے۔ یہ ہندوؤں کے عہد میں دید کی تعلیم گاہ

ہونے کی بناء پر دینامو کے نام سے موسوم تھا۔ عہد اسلام کے اولین دور میں ہی یہاں سلطان التمش نے جامع مسجد اور مدرسہ معز بنی تعمیر کرائے تھے اس شہر کی خاک سے بڑے بڑے صلحا اور ممتاز فضلا مثلاً حضرت نظام الدین اولیا، ان کے استاد علاء الدین اصولی، ضیاء الدین نخشی، شہاب الدین مہرہ، ملا عبد القادر بدایونی اور دوسرے اکابر اٹھے جو اپنے فیض سے تعلیم گاہوں اور کتب خانوں کو مالا مال کر گئے۔

یونانی کے علمی مراکز میں آگرہ، جونپور، بلگرام، لکھنؤ، رام پور، فطیم گڑھ، فرخ آباد اور بریلی وغیرہ نے بھی بڑا نام پایا۔ عہد مغلیہ میں آگرہ تعلیم کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس کی تعلیم گاہوں کے لئے فاضل اساتذہ شیراز تک سے آیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہاں بکثرت مدرسے قائم ہوئے جن میں مدرسہ شیخ زین الدین خوانی، مولانا علاء الدین لاری کا مدرسہ، خس مدرسہ جہاں آرا بیگم، فتح پور سیکری میں مدرسہ اکبر بادشاہ اور مدرسہ ابوالفضل بہت مشہور ہیں۔ اسی قسم کے سرکاری اور غیر سرکاری مدارس یونانی کے تقریباً ہر شہر میں موجود تھے مثلاً غازی پور میں مدرسہ چشمہ رحمت، برآمد پور میں مدرسہ عالیہ، امروہہ کے قریب دارانگر میں مدرسہ نجیب الدولہ، فرخ آباد میں مدرسہ فخر المربعہ مدرسہ نواب محمد خاں بنگش اور بریلی شاہجہاں پور میں بھیت وغیرہ میں حافظ الملک حمت خاں کے مدارس کا فیض جاری تھا۔ یہ سب درس گاہیں علم کے طلبکاروں اور کتابوں سے بھری

ہوئی تھیں۔ صرف حافظ رحمت خاں کے مدارس میں درس و تدریس کے لئے پانچ ہزار علماء مقرر تھے اور ان سب اساتذہ اور طلباء کی علمی ضرورتیں مدارس کے کتب خانے پوری کر رہے تھے۔

**جون پور** یوپی کا تاریخی شہر جو پور کتب خانوں کے لحاظ سے بھی نہایت متاثرہ جگہ ہے۔ ”ریاض جونپور“ اور دوسری کتابوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عہد بہ عہد بہت سے مدارس قائم ہوئے جن کے ساتھ کتب خانے اور بورڈنگ ہاؤس بھی تھے ان میں سے ۲۹ مدرسے گویا ۱۲۹ کتب خانے محمد شاہ کے زمانہ تک تھے۔ جن میں پہلا نام ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ - ۱۲۴۵ء) کے مدرسہ کا ہے آپ تیموری حملہ کے بعد دہلی سے جونپور آ گئے تھے اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی آپ کے فیض کمال سے پورب کی ساری زمین بہلبہا انھی مٹی قاضی صاحب نے درس دے ”بدائع البیان“ اور ”حاشیہ کافیہ“ جیسی کتابیں لکھیں۔ جونپور کی مشہور و معروف مسجد اٹالہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہی قاضی بو عوف کا مدرسہ تھا اس مسجد کی تعمیر خواجہ کمال خاں نے ۱۳۷۷ء میں شروع کرائی اور اس کی تکمیل ۱۴۰۸ء میں ہوئی۔

جون پور فیروز تغلق نے اپنے چچا زاد بھائی فخر الدین جونہا (سلطان محمد بن تغلق) کے نام پر آباد کیا تھا جب ۷۹۷ھ (۱۳۹۴ء) میں ملک سرور المعروف بہ خواجہ جہاں نے ایک آزاد خود مختار ریاست ”شرقی سلطنت“ کے نام سے قائم کی تو یہ شہر اس کا پایہ تخت بنا۔ خواجہ جہاں

محمود تغلق کی طرف سے اس کی سلطنت کے شرقی علاقہ کا گورنر تھا۔ اسی نے "ملک الشرق" کا خطاب اسے عطا کیا تھا۔ تیموری حملہ کے بعد وہ خود مختار ہو گیا اس کے جانشینوں میں سلطان ابراہیم شرقی اور اس کے بیٹے محمود شرقی کا زمانہ (۶۱۴۰ھ - ۶۱۴۵ھ) شرقی سلطنت کا سہرا عہد ہے۔ اس دور میں نصف جونپور، ہندوستان کا بغداد بن گیا تھا بلکہ پوری سلطنت کتب خانوں، مدرسوں اور مسجدوں سے معمور ہو گئی تھی۔ سلاطین شرقی کے بعد جونپور لو دیوں کے قبضہ میں آیا جنہوں نے اسے خوب تباہ و برباد کیا مگر مغلیہ عہد میں اس علاقہ کا علمی مرتبہ پھر اتنا اونچا ہو گیا کہ شاہجہاں اسے شیراز ہند کہا کرتا تھا۔ اکبری عہد میں جونپور کے گورنر منعم خاں کا کتب خانہ بھی بہت سی نفیس کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس علم دوست شخص نے رفاہ عام کے کام بھی انجام دئے۔ جب اکبر جونپور سے گذرا تو اس کی یادگار میں گومتی کا پل تعمیر کرایا جو اب تک اکبری پل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ کتابیں جمع کرنے کا بڑا شائق تھا اور اس مد پر نہایت فیاضی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے "کلیات سعدی" کے ایک نسخہ کے بدلے میں پانچ سو روپیہ انعام میں دئے تھے اس سلسلے میں منعم خاں خود لکھتا ہے :-

”ایں کلیات حضرت شیخ سعدی قدس سرہ آں عزیز بہادر خاں در بلدہ پُرسرور چنپور بدیں فقیر فرستادہ بود، پانصد روپیہ انعام شد“

در تاریخ نہ صد ہفتاد و شش (۹۷۶) عدد ادراک این کتاب سی صد و نو و پینار است عدد ابیات و سطورش از متن و حاشیہ نوزدہ ہزار و ہفت صد حاشیہ چہار ہزار و ہفت صد و بہشت و بہشت بہشت مشتمل بود و نام و دیباچہ مصور و چہار لوح شیرازی ۴

شاہجہاں کے خمد میں جو پور کے قاضی ابوالبقیٰ کا کتب خانہ بھی نہایت قیمتی کہا جاتا ہے۔ انھیں خدا نے کتابیں جمع کرنے کے شوق کے ساتھ غیر معمولی حافظہ بھی عطا کیا تھا۔ ایک مرتبہ شاہجہاں نے انھیں ایک ایسی کتاب اصلاح کے لئے دی جس کے حرف جگہ جگہ سے خراب ہو گئے تھے، قاضی صاحب نے اسے پڑھ کر اپنے کتب خانہ میں کہیں رکھ دیا۔ جب بادشاہ نے کتاب طلب کی اور تلاش کرنے کے بعد بھی کہیں نہ ملی تو انھوں نے صرف اپنے حافظہ کی مدد سے ساری کتاب از سر نو لکھ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کر دی۔

غرض ایسے اہل کمال اس زمانے میں پینور میں جمع ہو گئے تھے جن کے دماغ حقیقتاً کتب خانوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ دورِ آخر کے کتب خانوں میں مولوی محشوق علی خاں کا کتب خانہ نہایت اعلیٰ تھا اس میں پانچ ہزار کتابیں تھیں جن میں زیادہ ترقیہ اور اخلاقیات پر تھیں چونکہ ان ہی دو مضامین سے انھیں خاص لگاؤ تھا بہ اعتبار درس و تدریس مولوی صاحب کا مرتبہ نہایت بلند تھا ان کے پاس ہر وقت طالب علموں کا مجمع لگا رہتا تھا انھوں نے کسی کتاب پر بھی لکھیں جن میں

ایک کا نام ”تحفہ طغیہ“ ہے۔ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں معشوق علی وفات پا گئے مگر ان کا کتب خانہ جون پور کی گذشتہ علمی شان و شوکت کی ایک اہم نگار تھا جسکی تعداد کتب آج تک بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کے دور زوال میں بھی جونپور کے کتب خانے ہزاروں نایاب کتابوں سے معمور تھے۔

**کچھوچھا** | فینس آباد کے ضلع میں کچھوچھا ایک مشہور قصبہ ہے جہاں آج سے سیکڑوں برس پہلے تقریباً ۵۰۰ھ (۱۱۰۰ء) میں حضرت مخدوم بید اشرف جہانگیر سمنانی ج. متوفی (۱۴۰۵ھ) نے کتب خانہ اشرفیہ قائم کیا تھا جو آپ کی حیات ہی میں علم معقول و منقول سے مزین و زار پنج و تصوف کی بیش بہا کتابوں سے آراستہ ہو گیا تھا۔ حضرت اپنے وقت کے ایک جلیل القدر عالم اور برگزیدہ صوفی تھے۔ آپ نے ۵۰۸ھ (۱۱۰۸ء) میں اخلاق و تصوف پر ایک رسالہ لکھا۔ یہ قلمی کتاب بقول حامد حسن قادری ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اردو میں سب سے پہلی تصنیف نشر ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کم و بیش بارہ کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر ”لطائف اشرفی“ میں ملتا ہے۔ آپ کے خلفاء نے بھی آپ کی اس سفت کو اپنایا اور ”بحر مواج“ اور ”بحر ذخائر“ جیسی قابل قدر کتابیں تصنیف کیں۔

حضرت مخدوم نے اپنی سو سالہ زندگی میں خوب سیر و سیاحت کی۔ ہندوستان اور بلاد شرقیہ کے گوشے گوشے میں علم و معرفت کی روشنی پہنچائی اور ہر جگہ سے علمی نوا اور جمع کرتے رہے۔ علم کی جستجو اور حقیقت کی



تلاش نے حضرت کے ذہن میں کتب خانے کے قیام کا خیال پیدا کیا چنانچہ اپنے ہندوستان کے علاوہ سمنان، بغداد، دمشق، یمن، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بصرہ سے کتابوں کا خاصانہ خیرہ فراہم کیا۔ امراء حضرت کے مذاق علمی کو دیکھ کر اہم کتابوں کا تحفہ بھیجتے تھے اور علماء اصلاح و نظر ثانی کیلئے اپنی گراں قدر تصانیف کا نذرانہ پیش کرتے تھے۔ قاضی شہاب الدین، دولت آبادی نے ایک موقع پر اپنی تعنیفات کے علاوہ بعض نادر کتابوں کو بھی حضرت مخدوم کی خدمت میں بھیجا اور ایک عرصہ تک مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا جس کی چند جملگیاں "مکتوبات اشرفی" میں بھی ملتی ہیں۔ حضرت مخدوم کی وفات کے بعد حضرت عبدالذان نور العین (المتوفی ۸۷۲ھ) منصب سجادگی پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اپنے عہد میں کتب خانہ اشرفیہ کی خاص طور پر توسیع کی اور اس میں بیشتر کتب تاریخ و تصوف کا اضافہ کیا۔ حضرت نور العین کے زمانہ میں لوگ دور دور سے تحصیل علم و معرفت کے لئے جمع ہونے لگے جس کی بناء پر کتب خانہ کی افادہ حیثیت اور زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جب حضرت شاہ حسن خلف اکبر حضرت نور العین (المتوفی ۸۹۸ھ) نے لباس سجادگی زیب تن فرمایا تو اس وقت کتابوں کی مجموعی تعداد ساڑھے چھ ہزار تھی۔ رفتہ رفتہ کتب خانہ زمانے کے الٹ پھیر کے ساتھ مختلف سجادگان میں منتقل ہوتا ہوا اور اسی درمیان میں ایک ایسا بھی وقت آیا کہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر کی شاندار روایات کی روشنی مدھم پڑ گئی اور کتب خانہ کا

بڑا حصہ ناقدری اور ناشناسی کا شکار ہو گیا۔ اور ایک طویل مدت تک یہ حفاظت و نگرانی سے محروم رہا۔

تیرھویں صدی ہجری کے ابتدائی سالوں میں حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی سجادہ نشین سرکار کلاں نے ایک بار پھر خاندانی وقار کو بلند کیا اور حضرت مخدوم کی سنت عالیہ کو زندہ کرنے میں پوری تن دہی کے ساتھ دلچسپی لی۔ بقول میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم "حضرت اشرفی میاں کی تالیخی اہمیت خاندانہ اشرفی میں دہی ہے جو بنی امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حاصل تھی۔" اس میں شک نہیں کہ حضرت اشرفی میاں نے خاندانی اختلال و جمود کو دور کرنے کے جو علی منصوبے بنائے اور جس طرح عامۃ الناس کو صراط مستقیم پر لانے کے لئے ان کی قیادت و رہنمائی کی اور جس انداز سے انھوں نے قومی کردار و سیرت کی تعمیر و تخلیق میں حصہ لیا وہ مقدمہ لطائف اشرفی، وظائف اشرفی، صحائف اشرفی اور مجلہ اشرفی کے مختلف شماروں کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے تحصیل علم کے لئے "جامعہ اشرفیہ" کی بنیاد رکھی اور لوگوں میں دینی تعلیم کا جذبہ پیدا کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے کتب خانہ اشرفیہ کی بھی اصلاح فرمائی اور مختلف مقامات سے نادرات منلوائے حضرت اشرفی میاں نے اپنے ذاتی مصارف سے اشرفی پریس قائم کیا جس میں بعض نادر کتابیں طبع ہوئیں اور ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۸ء اسی پریس سے "مجلہ اشرفی" نکلتا رہا، جس کی ادارت کے فرائض حضرت مولانا ابوالحامد سید محمد محمد نے بحسن و خوبی

انجام دئے۔ اسی جلد کے ذریعہ لطائف اشرفی لاہور و ترجمہ بالا قضاہ پیش کیا گیا ترجمہ کا کام  
 حکیم مولانا سید نذر اشرف فاضل نے کیا بعض ناگزیر حالات کی بنا پر وہ صرف نو لطائف  
 کا ترجمہ کر سکے جو آج ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں بھی موجود ہے۔ حضرت اشرفی میاں  
 نے والیان ریاست کو بھی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی جانب متوجہ کیا چنانچہ  
 انھیں کی تحریک پر نواب کلب علی خاں ریاست رام پور نے ۱۲۹۷ھ میں ”لطائف اشرفی“  
 کی طباعت کرائی اور نواب میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد نے چند ناگزیر کتابوں کی طباعت  
 کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ غرض کتابوں کی اصلاح و نقل اور طباعت کے کتب خانہ اشرفیہ  
 میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا۔ حضرت اشرفی سراں کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے  
 عربی اور فارسی کی طرح اردو و سیکشن کو بھی ترقی دی چنانچہ اردوئے شعرا کے دو ادیبز کے  
 علاوہ مرثیہ القصوف، فلسفہ، کلام، تاریخ اور طب کا بھی جس قدر سرمایہ انھیں اردو زبان  
 میں دستیاب ہوا وہ سب کتب خانے کی زینت بن گیا۔ غالباً یہ بات لطف سے غالی نہ ہوگی  
 کہ دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۸۰ھ جو اس کتب خانہ میں ہے اپنے بھلائی و فی ثواب  
 کی بنا پر ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اب تک دیوان ولی کو مولانا احسن ماہ ہری  
 پور و اکثر نور الحسن ہاشمی نے مرتب کیا ہے۔ ان دونوں مطبوعہ دیوان میں ولی دکنی کے  
 درج ذیل شعرا کا اندراج اس طرح ہے :

”مرد کا اعتبار کھوتی ہے • مفلسی سب بہار کھوتی ہے“

لیکن کتب خانہ اشرفیہ کے قلمی نسخہ دیوان ولی میں مرد کے بجائے عشق لکھا ہے۔  
 اس طرح کے اور بھی تھوڑے بہت اختلافات ہیں جو قلمی نسخہ ہذا کی شعری بلاغت کو  
 نمایاں کر کے اس کی صحت کی غمازی کرتے ہیں۔

حضرت اشرفی میاں کے وصال کے بعد جب منصب سجادگی حضرت مولانا محمد نجات علی کو ملا تو انھیں یکایک زمانے کی مختلف کشمکش سے دوچار ہونا پڑا اور ان گونا گوں فکا و علاقے نے انھیں اتنی مہلت نہ دی کہ کتب خانے کی طرف متفت ہوئے۔ بہر حال انکا یہی اقدام کہا کم اہم ہے کہ انھوں نے کتب خانے کو "قومی ملکیت" قرار دے کر اپنے ذاتی تصرفات سے اسے علیحدہ کر دیا ہے۔ ان کے فرزند مولوی سید اطہار اشرف نے ایک انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل کی جس میں بلا تفریق مذہب ملت لوگوں کو شریک کیا۔ رائے عامہ نے انھیں کتب خانے کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا ہے اور اب وہ اس کمیٹی کے ذریعہ ترقی کے منصوبے بناتے اور انھیں عمل میں لاتے ہیں۔

کتب خانہ اشرفیہ میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی مجموعی تعداد کم و بیش دس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ قلمی کتابوں کی تعداد ساڑھے سات ہزار کے لگ بھگ ہے جن میں اکثر نہایت نادر ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، ادب اور طب کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے اور ان حقائق کی روشنی میں اس بات کا بجا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مشائخ کرام نے اپنی خانقاہی زندگی میں دین و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ علم و ادب کی کیسی کیسی حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں۔

آج سے تقریباً پانچ سو برس پہلے جون پور کی بزم علم کے ایک فاضل شیخ لکھنؤ اعظم نے لکھنؤ میں مسند درس بچھا کر اسے علم و فضل کا مرکز بنایا تھا اور اسی زمانہ میں یہاں کتب خانوں کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ اس کے بعد مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے قیام نے ان کو نمایاں ترقی دی اور پھر نوابین اودھ کے عہد میں یہ شہر کتابوں کا مخزن و ماسن بن گیا اس زمانہ میں چاروں طرف سے کتابی دولت سمٹ کر یہاں پہنچ رہی تھی۔

شاہانِ مغلیہ کے کتب خانوں کے بیش بہا ذخائر لوٹ مار سے بچ چکے ہیں آگئے تھے  
 نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں روہیلہ سردار حافظہ رحمت خاں کا کتب خانہ بھی یہاں  
 منتقل ہو گیا تھا۔ اس پر آشوب دور میں ہر کس و نا کس لکھنؤ کی طرف کھینچا جاتا تھا،  
 اس لئے کہ یہاں امن و امان تھا، دولت کی فراوانی تھی اور نوابین اودھ فیاض اور  
 علم و فضل کے قدردان تھے۔ دہلی اور دوسرے مقامات سے ہجرت کر کے جو لوگ  
 لکھنؤ آئے وہ اپنا کتابی سرمایہ بھی ساتھ لاتے تھے۔ آصف الدولہ کے عہد میں  
 شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ دہلی سے بہت سی نادر کتابیں اپنے ساتھ یہاں  
 لائے اور اپنا ایک ذاتی کتب خانہ قائم کیا۔ لکھا ہے کہ سلیمان شکوہ نے لکھنؤ کی  
 سرزمین میں چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی۔ دلی سے جو جانا پہلے اسی سرکار میں پناہ کھانا  
 ڈھونڈتا تھا۔ مرنے لکھنؤ میں شاہی ذاتی اور تعمیری کتب خانے بے شمار تھے مثلاً  
 فرنگی محل کا کتب خانہ، مولوی سبحان علی خاں اور دیگر اکابر کے کتب خانے،  
 علمائے شیعہ میں سید ولددار علی اور مہتر فضل حسین خاں کے کتب خانے  
 ہر اعتبار سے بے نظیر کہے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ شہر کتب خانوں کے اعتبار سے اتنا  
 ممتاز ہو گیا تھا کہ علامہ شبلی نے لکھنؤ کو ایک صومعہ الدولہ نلی جس خاں بہادر کے کتب خانہ کی  
 باقیات دیکھ کر کہا کہ البراما باب ذخیرہ مصر و شام میں بھی نہ ہوگا۔

لکھنؤ کی وہ خیر سرزمین جس کتب خانوں کے ساتھ کتابت کا فن بھی خوب پھولا  
 پھلا۔ نوابین اودھ کے عہد میں عہدِ رشیدی دہلی کے شاگرد حافظ نور اللہ اور قاضی نعمت اللہ  
 کی اسنادی کا سکہ لکھنؤ میں جاری تھا اور ان کے شاگردوں میں ایسے باکمال خطاط پیدا  
 ہوئے جو خود استاد کہلاتے، ان میں حافظہ نور اللہ کے بیٹے حافظہ ابراہیم کے دو شاگرد

منشی سنسار رام کشمیری اور منشی ہادی علی بہت نامور ہوئے۔ اس زمانہ میں کتابت کتب  
 ایسے بڑے اہتمام کیا جاتا تھا۔ نواب سعادت علی خاں نے گلستاں کا ایک نسخہ لکھوانے کے  
 لئے حافظ نور اللہ کو ۸۰ گڈی (۸۰) کاغذ، ہزاروں قلموں کے نیزے اور ایک سو قلم تراش  
 دے تھے۔ حافظ نور اللہ کی نسبت عبدالحکیم شرر نے لکھا ہے کہ ”لکھنؤ والے ان کے ہاتھ  
 کے مکے ہوئے قطعوں کو موتیوں کے دامنوں میں لپیٹتے ہیں تاکہ ان کی معمولی مشق بازار میں  
 صرف ایک دو پیسہ کے حساب سے ہاتھوں ہاتھ بک جاتی تھی۔“

کتب خانوں کے علاوہ لکھنؤ میں شعر و شاعری اور بالخصوص مرثیے نے بڑا  
 فروغ پایا۔ نوابین اودھ کے زیر سایہ یہاں کی سرزین شاعروں کے دلکش ترانوں اور  
 پر لطف نواسنجیوں سے مست و محمور ہو رہی تھی اور یہ شہر ارباب نشاط کی وجہ سے  
 باغ و بہار بنا ہوا تھا۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ان فرماں رواؤں نے اپنے مشاغل و نشاط  
 کے ساتھ ساتھ علم و فن کی بھی دل کھول کر سرپرستی کی اور کتابیں جمع کرنے میں بھی  
 کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ یہاں ہے کہ نوابین اودھ کے کتب خانوں میں خلف از بانوں اور  
 مختلف موضوعات کی تقریباً تین لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ خود مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سب  
 کتب تھیں۔ ان کے علاوہ ہندوستانی، ایرانی، ترکی، درویدی و تصاویر کے اعلیٰ سے اعلیٰ  
 نمونے اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ ان کے دیکھنے کے لئے عمر نوح درکار تھی۔

شاہی کتب خانے کے علاوہ واجد علی شاہ کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو  
 فرخ بخش محل میں تھا اس میں مصوری، نقاشی اور خطاطی کے رنگارنگ نمونے واجد علی شاہ  
 کے حسن ذوق کی عکاسی کر رہے تھے۔ لیکن اودھ کے اس آخری تاجدار کے معزل و جلاوطن  
 بن جانے کے بعد نوابین اودھ کے کتب خانوں میں ابتری پھیل گئی اور غضب یہ ہوا کہ خود ان کے

ظلم و غلوں میں کی بربادی کا سبب بن گئے۔ ان کا کنف کی خیانت کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ کتب خانہ سے قیمتی کتابیں نکال لیتے اور ان کی جگہ معمولی کتابیں داخل کر کے توہدا کتب خانہ کی کر دیتے تھے۔ ایک ناظم نے تو اپنی لڑکی کی شادی کے وقت کچھ کتابیں دس ہزار روپے میں فروخت کر دیں، اس کے بعد جو کتابیں باقی رہیں ان میں سے بہت سی سیاسی ہنگاموں میں تلف ہو گئیں اور کچھ ادھر ادھر چلی گئیں۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ کی تصانیف کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے یہ کم نصیب نواب اپنے باپ امجد علی شاہ کی وفات کے بعد ۱۲۴۴ھ میں اودھ کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور نو سال حکومت کرنے کے بعد ٹیہ برج ملکیت میں نظر بند کر دیا گیا اور وہیں ۱۲۸۴ھ میں انتقال کیا۔ واجد علی شاہ آخر شعر و شاعری و قصے و کہانی کا بے حد شائق اور فطرتاً حسن پرست تھا، اگرچہ وہ عین دہشت کی صرف بہت زیادہ مائل و آسین اس کے باوجود اس کا اردو ادب میں بڑا درجہ ہے اس نے شعراء اور اصحاب فن کی سرپرستی کی، غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعو، سلام، مرثیہ، رباعی سب ہی کچھ لکھے۔ اس کی نظمیں آج بھی اودھ میں زبان زدِ فاضل و عام ہیں۔ مزبور کے چھ دو زبان در بہت سی مثنویاں اپنی یادگار سمجھی ہیں۔ مثنویوں میں "خضر" سب سے بہتر ہے۔ واجد علی شاہ نے اپنی تصانیف کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ سب فقیر کے کتب خانے میں موجود ہیں" اس فرض روا کے کتابیں تصنیف کرنے کا طریقہ "شکوہی" ہے یعنی کتابت چند ہمساز میں یوں بیان کیا ہے:-

۱۔ واجد علی شاہ کی یہ عجیب عادت تھی کہ وہ اپنے کتب خانے میں گئے تو ادھر ادھر سے چند کتابیں نکالیں اور کتاب کہیں سے بھی کھول کر چند ورق نقل کر لئے، اسی طرح جو کتاب سامنے آئی اس میں سے کچھ حصہ نقل کر لیا۔ وہ اس بات کا مطلب یہی ظ

نہیں کرتے تھے کہ یہ کتابیں کس مضمون کی ہیں یا میں نے مختلف مضامین اور علوم کی کتابوں کے اقتباس بے تحاشے جمع کر دیے ہیں غرض بادشاہ کی کتابیں اسی طرح تصنیف ہوتی تھیں اور وہ خود نیزائے درباری ان کتابوں کو اعلیٰ تصانیف میں بحال کرتے تھے۔ لیکن موصوف کی کتاب ”بنی“ کو نہایت نایاب تصنیف کہا جاتا ہے۔ بہ صفحات کی یہ کتاب مختلف موضوعات پر مشتمل ہے اس میں واجد علی شاہ نے لکھا ہے :-

”آخر مشا و آخر اودھ۔ یہ فقیر حقیر اقم و مصنف و مولف سراپا تفسیر ہے ہندو ہکا کے سن میں والد جنت مکان نے ولیعہد اور وزیر کیا۔ بیس برس کے سن میں تخت اودھ بجائے حضرت اعلیٰ قائم ہوا۔ تیس برس کے سن میں بلاعد در ظلم و نا انصافی و بے آزاری۔ رغبت بے سبب تخت سے محروم کیا گیا۔ بیس برس سے کلکتہ محلہ موج کھول ملقب بہ مہیا برج میں قیام ہے۔ پچاس برس کا سن ہوا چھبیس برس قلم و قلم فور و کلکتہ میں ناحق قید رہا۔ ساٹھ سے اوپر اوپر ماسا اودھ چشم بد دور ذکر و امانات ہیں۔“

اس کے علاوہ واجد علی شاہ کی بہترین تصنیف وہ خطوط ہیں جو انھوں نے جلاوطنی کے زمانہ میں کلکتہ سے اپنی پیاری بیوی اکلیل کلیمہ معروف بہ ممتاز جہاں کو لکھے جو غلوں حقیقت اور زبان کی چاشنی تہ لبریز ہیں یہ کتاب ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں مرتب ہوئے اور

---

۱۸ سالہ ان موضوعات کی پوری تفصیل ڈاکٹر الالیت صدیقی (کراچی یونیورسٹی) کے اس مضمون میں ملاحظہ کیجئے :- ”واجد علی شاہ کی ایک نایاب تصنیف“ (اردو ادب کے آٹھ سال۔ مرتبہ عشرت رحمانی۔ ص ۱۴۱۔ کتاب منزل لاہور)



عظیم یوسف نے جو نسخہ اکبر علی خاں توقیر کے پیش بہا مقدمہ کے ساتھ واجد علی شاہ کو بھیجا  
 علاوہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں محفوظ ہے جس کا نمبر بقول ڈاکٹر محمد اشرف  
 (Oriental 5288) ہے۔ سے برٹش میوزیم نے ایک خاتون (Mrs. L. M. L.)  
 سے خرید لیا تھا۔ بہتیم کتب خانہ کا خیال ہے کہ اس کی تباہی پر تقریباً آٹھ سو روپے صرف ہوئے  
 ہوں گے۔ یہ خوبصورت چمڑے کی جلد کا مخطوطہ، مطلقاً اور لائق پرستش ہے۔ دو ورق سادہ  
 ہیں ہر ورق پر شاہ اودھ کا نشان جی دو پھلیاں اور اد پر تاج منقش ہے۔ مکتبہ کتب خانہ  
 ذوالفقار اللہ کی مہر کے علاوہ خود واجد علی شاہ کی سرکاری مہر ہے اور ورق نمبر ۱۲  
 ب پر واجد علی شاہ کی شبیہ بھی ہے جس کے سر نامہ پر عنوان کے طور پر درج ہے :-

شبیہ حضرت سلطان عالم

کہ سبے تصویر گویا جان عالم

رام پلور | ۱۸۵۷ء میں دہلی اور مکتوں کی تباہی کے بعد یوپی کی ایک ریاست راجپوت  
 شہزادوں اور بیویوں کی جائے پناہ بن گئی تھی۔ دہلی رام پور نواب  
 یوسف علی خاں (متوفی ۱۸۶۵ء) کی نسبت لکھا ہے کہ انھوں نے شہزادے سی دھنوک  
 اپنے دربار میں جمع کر کے رد و شاعری کو نسخہ ہمیں کر دیا۔ یعنی ان دونوں شہزادوں کو مل کر  
 ایک نسخہ عز کی بنیاد ڈالی۔ نواب کبیر خاں (متوفی ۱۸۸۷ء) کے عہد میں تو ایسے بہت سے  
 شہزادے خوش نویس رہے جو یہی جمع ہو گئے تھے جس کی نظیر شاید ہی کسی اور ریاست میں ملے گی۔  
 غرض جو چند نام پورے مذہب علم کی سرپرستی اور قدر و منزلت کی درمخلاف کتب خانوں کی  
 جو کہ ہیں زمانہ کے دستبرد سے بچ چکا کر رام پور نہیں انکی حفاظت کر کے جس علم دوستی کا ثبوت  
 دیا اس کا مذہب یا داکار رضا لاٹیر کی رام پور ہے جس کی دماغ بیل نواب فیض متہدی

(متوفی ۹۳۷ھ) نے ڈال تھی ان کے ہاشینوں کے عہد میں یہ کتب خانہ برابر ترقی کرتا رہا اور آج اس کا شمار ہندو پاک کے ممتاز کتب خانوں میں ہوتا ہے۔

**بلگرام** (بلگرام ضلع ہروئی) کے مردم خیز قصبہ میں علمی سرگرمیاں قاضی یوسف گانزرونی (فاتح بلگرام) کے زمانہ (۱۰۹۴ھ - ۱۱۰۸ھ) سے شروع ہو کر صدیوں تک جاری

رہیں، اس قصبہ کی خاک سے بڑے بڑے صوفی عالم اور صاحب قلم اٹھے جنہوں نے اس علمی مرکز میں نہایت قیمتی کتب خانے قائم کئے ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے :-

**کتب خانہ قاضی ابوالفتح بلگرامی** مراد شیخ کمال (متوفی ۱۱۰۱ھ) میں فلسفہ منطق خصوصاً تفسیر کی بہت سی کتابیں جمع کیں۔ آپ کے عہد میں بلگرام کے قاضی تھے۔ اس اہم عہدہ کی مصروفیات کے باوجود کتابیں لکھنے اور کتابیں جمع کرنے میں سہمہک رہتے تھے۔ قاضی صاحب کو خطاطی میں کمال حاصل تھا۔ مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ وہ صرف کتابیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان پر جامع اور واضح حاشیے لکھ کر ان کی قدر و قیمت بھی بڑھ دیتے تھے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ کتاب میں کہیں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ملتی۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ان کتابوں کو ”صحائف اسمانی کا نمونہ اور الواح ربانی“ کا نسخہ کہتے ہیں۔

**کتب خانہ سید عبداللہ بلگرامی** (متوفی ۱۱۳۲ھ) بھی بہت نایاب تھا۔ آپ بہترین شاعر ہونے کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ فن کتابت میں مہارت حاصل تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہفت قلم تھے۔

**کتب خانہ شاہ طیب** (متوفی ۱۱۵۲ھ) میں بیچوہ الحافظ جیسی نادر کتابیں موجود تھیں۔ شاہ صاحب ایسے زود نویس کاتب تھے کہ چار سو پانچ سو صفحات کی کتاب

”شرح طحاوی ایک ہفتہ میں نقل کر دی تھی۔ آپ کی نسبت علامہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:-  
”کتب خانہ عظیمیہ از فروش خط خود یادگار گذشت“

ایسے ہی کتب خانے سید عبدالواحد بلگرامی اور دوسرے اکابرین کے پاس تھے  
ان میں سید عہد الجلیل کا کتب خانہ بھی بہت مشہور ہے۔ آپ بڑے عالم و فاضل  
بزرگ تھے۔ فن کتابت میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ حیات جلیل (مقبول احمدی) میں  
درج ہے کہ خط نسخ اور نستعلیق آسانچہ پاکیزہ اور شیریں لکھتے کہ پڑھنے والوں کی آنکھیں  
روشن ہو جاتی تھیں، کتاب جمع کرنے کا شوق آسانچہ ہوا تھا کہ کتابیں خود لکھتے اور  
جہاں کہیں کوئی اچھی کتاب دستیاب ہو سکتی اس کی فکر و تلاش میں رہتے۔ کتب اہوں کی  
نگہداشت اور حفاظت کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں اپنے  
بیٹے میر سید محمود کو لکھتے ہیں:-

”برخوردار کتاب روغنتہ الزناظر (مختار شعرا عربی و فارسی) اس صندوق  
میں رکھی ہے جو گجرات سے گھر لائے آیا تھا۔ یہ کتاب کیاب ہے اس کی  
نفاست کے سبب براہ احتیاط میں اس کو ہمراہ نہیں لایا تھا اس وقت  
اس کتاب کی ضرورت لاحق ہے۔ کتاب کو صندوق سے نکال کر آؤ  
مخدومی سیال محمد طفیل کو دکھا کر ان سے التماس کیجئے کہ اگر فرصت ہو  
تو چند ورقوں پر اس کی نقل کر دیں ورنہ آپ خود ہی اس کی نقل احتیاط  
کے ساتھ کر کے اور معاً بل کر کے اپنے خط میں ملفوف کر کے بھیج دیں کہ  
ضرورت شدید ہے۔ کتابوں کی احتیاط کے بارے میں کیا لکھوں۔  
آپ پر ظاہر ہے کہ میں کتابوں کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں کہ کتنی محنت

کاش سے ان کو فراہم کیا ہے۔ آپ مجھ سے بھی زیادہ احتیاط سے کام لیں گے اور حزم و ہوشیاری رکھیں گے تاکہ کتاب بے جا نہ جانے پائے۔ کبھی کبھی دھوپ بھی دکھا دیا کریں۔ مخدومی میاں محمد طفیل نے رسالہ کلمہ طیبہ فقیر سے نقل کرنے کے لئے لیا تھا جب فارغ ہو جائے تو احتیاط کے ساتھ کتابوں میں رکھ دیجئے گا۔

جن کتابوں کی علامہ عبد الجلیل نے بڑی احتیاط اور توجہ کے ساتھ حفاظت کی تھی وہ سب ان کے انتقال (۱۹۷۵ء) کے بعد محفوظ نہ رہ سکیں کچھ ضائع ہو گئیں لیکن خدا کے فضل سے ان کے کتب خانہ کا بہترین حصہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں پہنچ کر محفوظ و مامون ہو گیا۔

اسی طرح بلگرام کے کتب خانوں کی کتابیں انقلاب زمانہ کے ہاتھوں برباد ہو گئیں اس کے باوجود انگریزوں کے ابتدائی دور تک نایاب کتابوں کے کچھ ذخیرے باقی رہ گئے تھے جن کی بدولت بلگرام انگریز سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ وہ یہاں آتے اور انمول قلمی کتابوں کو حاکمانہ اثر و رسوخ سے رومی کے مول خرید کر لے جاتے۔ بعض ناقصہ شاس حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلاف کی کتابیں تحفہ بھی پیش کر دیتے تھے۔ مگر قاضی ابوالفتح کے کتب خانے کے زخائر میں سے خاندان قضاۃ بلگرام کے متعلق قدیم سجلات اور شاہی فرامین بربادی سے بچ رہے۔ ان کو قاضی موصوف کے دربار نے اتنی احتیاط اور حفاظت سے رکھا ہے کہ اب تک ان کے خاندان میں قاضی شریف الحسن بلگرامی (ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڑھ)

کے پاس محفوظ ہیں ان میں قاضی محمد یوسف گازر دینی کا ایک دستخطی سہل مرقوم ۵ جمادی الاول ۱۲۳۰ء بھی ہے جو قدامت اور تاریخی اہمیت کے اعتبار سے نہایت اہم اور قابل قدر دستاویز ہے۔ ان تمام سبجالات اور فراہم کو دیکھ کر بے اختیار وہ مرثیہ میری زبان پر آگیا جو کسی نے قاضی ابوالفتح کے کتب خانہ کی بریادی سے متاثر ہو کر کہا تھا۔  
 دردِ حسرتِ ناکہ زوالِ کمال شد    بطلانِ حیاتِ دورِ وزہِ وبال شد

**مارہرہ** (ضلع ایٹ) بھی شامل ہے۔ اس قصبہ کی موجودہ حالت دیکھ کر کون بھین کر سکتے ہیں کہ یہ کبھی فخر و زکا و رشاخ، علماء اور اطباء کا مسکن تھا جن کے روحانی و علمی فیض کا دائرہ نہایت وسیع تھا متعدد رسالت قائم تھے اور ذی علم اصحاب اپنے گھروں پر بھی تعلیم دیتے تھے ان سرگرمیوں کے سلسلہ میں کتابوں کے جو ذخیرے جمع کئے گئے تھے وہ زمانہ کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوتے رہے اور اب اس گئی گزری حالت میں بھی خاندانِ سادات کے ایک بزرگ سید محمد میاں مرحوم کے گھر نے میں سی نایاب کتابیں موجود ہیں جن کے تحفظ کا اگر کوئی بند و بست ہو جائے تو اسے علم و ادب کی بہت بڑی خدمت سمجھا جائے گا۔ سید محمد میاں کے مورث اعلیٰ شاہ عبدالجلیل (بن میر عبدالواحد) بلگرام سے مارہرہ تشریف لائے تھے

لے بقول پروفیسر نذیر احمد جیرین شعبہ فارسی سلم یونیورسٹی علی گڑھ: فارسی خط کی قدیم ترین دستیاب کتاب کتاب الانبیاء ہے جس کا ایک نسخہ ۱۱۴۴ھ کاہ یا نائیں موجود ہے۔ لیکن گازر دینی کا سہل مرقوم ۱۲۳۰ء جو کتاب مذکور سے متعلق ہے۔ دنیا میں فارسی خط کا سب سے قدیم تحریر ہے۔ (ملاحظہ ہو "رسالہ فکر و نظر" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ج ۱ شمارہ نمبر ۳)

اور انھوں نے ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں یہیں وفات پائی۔ لیکن سید صاحب کی آمد سے پہلے خاندان زبیری کنبوی یہاں آباد ہو چکا تھا۔ اسی خاندان کے ایک فرد چودھری وزیر محمد خاں نے ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی جس میں وہ مدفون ہیں۔

۱۰۷۷ھ خاندان حضرت زبیر بن العوام کی اولاد ہے اس خاندان کے بزرگ محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے تقریباً ۵۰ سال بعد ۱۲۵۱ھ (۶۹۲ء) میں ہندوستان میں پہلے پہل سندھ آئے اس کے بعد ملتان میں آئے پھر دہلی میں سکونت اختیار کی اور وہاں سے نقل مکانی ہوتا رہا۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ جہاں گئے وہاں انھوں نے اپنے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے لشکانِ علوم کو سیراب کیا۔ اس خاندان میں جو اہل قلم گزرے ہیں ان میں سے بعض مصنفین کے نام مع ان کی تصانیف کے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ شیخ عنایت اللہ (میرشی شاہجہاں) مصنف بہار دانش اور شرف الصائیف شیخ محمد صالح (مورخ شاہجہانی) مصنف عمل صالح۔ ذاب خیر اندیش خاں (نور شاہنشاہ عالمگیر) مصنف خیر التجارب۔ محمد شفیع سنبھلی مصنف شرح قصائد عرفی ۶۱۶۹۹۔ نظام الدین حسین مارہروی، مصنف سلسلہ نظامیہ، ۶۱۸۵۷۔ چودھری بہاء الدین مارہروی، مصنف اخبار المارہرہ، ۱۰۷۷ھ۔ ذاب وقار الملک مولوی مشتاق حسین مارہروی (آزری سکریٹری ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ) مترجم فرنج ریو لیشن اینڈ پبلیش (سرگزشت نیولین ہونا پارٹ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۶۱۸۷۱) حکیم ذاب علی خاں مارہروی، مصنف شمس التواریخ، ۶۱۸۹۶۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (رائس ہانسٹر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) مصنف سسٹم آف ایجوکیشن اور سسٹم آف اکرمنیشن۔ مولوی سعید احمد مارہروی (بانی شعبہ کالج آگرہ) مصنف امرائے ہندو۔ مولوی محمد امین مارہروی مصنف تذکرہ وقار اور فضائل حیات وغیرہ۔ (باقی صفحہ ۳۱۷)

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خاندان زبیری کے بزرگ حضرت مخدوم شیخ سماء الدین میاں لاڈل اور شیخ جمالی وغیرہ نے دہلی میں تیموری حملہ کے بعد مذہب و فضل بچھائی تھی اور وہ لوگ کتب خانوں کے احیاء میں خصوصی حصہ لیا تھا۔ دہلی سے یہ خاندان مختلف شہروں (میرٹھ، بارہ بنسبھل، امرہ، مراد آباد، بریلی وغیرہ) میں پھیل گیا۔ زبیری خاندان کے خواجہ امداد بہرہ کی خاک سے اٹھے ان میں اکثر قلم کے بڑے دھنی ہوئے۔ اسی لئے ان کے ہر گھر میں ایک چھوٹا مٹا کتب خانہ موجود تھا۔ جن میں مولانا حافظ خلیفہ محمد نصر اللہ کے گھرانے کا کتب خانہ نہایت وسیع تھا۔ خود حافظ صاحب بڑے پایہ کے عالم تھے۔ بچاس برس کا مل تشنگان علوم کو سیراب کیا اور مختلف علوم کی تین سو کتابیں نقل کیں۔ آپ کے پوتے حکیم عنایت حسین فن طب کے امام تھے۔ انھوں نے ”کاشف الاخبار“ (نقیبہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) محمد حسین خاں میرٹھی مصنف مشاہیر کے تعلیمی نظریے۔ مولوی عاشق الہی میرٹھی مترجم کلام مجید۔ جو حدیث کی ایک کتاب ”جمع الفوائد“ نقل کرنے کی خاطر چھ ماہ دشن کے ایک گاؤں میں رہے۔ اسی خاندان کے ایک فوشتہ بطن زبیری نے اپنے مرید دلی دکنی (متوفی ۱۳۴۷ھ) کو اردو دیوان مرتب کرنے کی ہدایت فرما کر شمالی ہند میں اردو شاعری کو رائج کیا تھا۔

سلطہ حکیم عنایت حسین کے صاحبزادے حکیم امداد حسین نے بھی کئی کتابیں لکھیں مثلاً ”میلاد شریف“ ”رسالہ منظوم توضیح القرآن“ ”ورد و خائف احمدی“ ”حکیم امداد حسین کے پانچ فرزندوں میں سے حکیم عطا احمد، حکیم ولد ار احمد اور حکیم احمد سعید بڑے نامی گرامی طبیب ہوئے حکیم امداد حسین کے فرزند حکیم ولد ار احمد نے فن طب میں کلزار احمدی اور گلشن احمدی تصنیف کیں۔ حکیم ولد ار احمد کے چھوٹے بیٹے حکیم ابو سعید احمد نے نقوف میں ایک رسالہ ”مصباح الحق“ لکھا اور بڑے بیٹے منشی فیض احمد نے اپنے پردادا حکیم عنایت حسین کی کتاب (باقی صفحہ ۳۱۸ پر)

آثار احمدی اور سلسلہ عالیہ کے علاوہ طب نظری اور عملی پر نہایت جامع اور مبسوط کتاب ”ریاض احمدی“ دو جلدوں میں لکھی جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی یہ قلمی نسخہ میرٹھ میں مولوی حسین احمد زبیری کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔  
 حکیم صاحب کی تاریخ وفات مرزا غالب کے ”پیرو مرشد“ حضرت سید صاحب عالم مارہروی نے کہی تھی۔ ”رفتہ بقراط دہر وادیلہ“

۱۲۶۵ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷) ”سلسلہ عالیہ“ کو اضافہ کے ساتھ شائع کرایا اور ایک کتاب المشاہیر بھی لکھی ان کے بڑے صاحبزادے حاجی انوار احمد مرحوم (سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس) نے متعدد کتابیں لکھیں مثلاً خطبات عالیہ کی کئی جلدوں میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے چالیس سالہ خطبات کو جمع کر دیا ہے اور ہر خطبہ کے شروع میں صدر کی زندگی کے حالات اور ان کا فوٹو بھی ہے۔  
 ”مرقع کانفرنس میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کی شروع سے تمام کاروائیاں اور ہر سال کے ریزولیشن درج ہیں منشی فیض احمد کے دوسرے صاحبزادے مولوی حسین احمد زبیری کی ایک کتابیں شائع ہو چکی ہیں ”خانہ ان زبیری کنہوی“ (دو حصے) اور ”الزبیر“ یعنی سیرت مبارک سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔  
 ادا احمد سپر خدوشتی فیض احمد کا ایک مضمون ”اصول صدقات و خیرات اسلام“ انجمن اسلامیہ کینڈا آباد (دکن) نے کتابی شکل میں شائع کرایا۔

حکیم احمد سعید کے فرزند حکیم محمد ابو صالح (راقم کے دادا) بڑے حاذق طبیب تھے ان کو میری پیدائش سے جو غیر معمولی سرت ہوئی تھی اسکی مناسبت سے موصوف نے سیرانام ”فروغ“ تجویز کیا تھا لیکن عین حقیقہ کے موقع پر ان نے ایک ”دوست“ کسی بزرگ عالم رویا میں کہا کہ حکیم جی کے پوتے کا نام محمد زبیر رکھنا چاہئے چنانچہ اسی بشارتی نام پر حقیقہ ہوا۔ (باقی صفحہ ۳۱۹ پر)



راقم کے اجداد میں مولوی بزرگ علی اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے انکی جلالت علمی کے متعلق جو معلومات ملتی ہیں انکی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصوف کے کتب خانہ میں ہر علم و فن کی بہت سی کتابیں جمع تھیں مولوی بزرگ علی ابن حسن علی مابرہ میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے بڑے بڑے فضلاء سے تحصیل علوم و تکمیل فنون کر کے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کی درگاہ سے بقیہ حاشیہ ۳۱۵ میرے والد حکیم محمد صالح کو طبی صلاحیتیں درجہ میں ملی تھیں وہ دس برس تک شدید بیمار رہے لیکن اس حالت میں بھی جب کسی مرض کو دوا بخویر کر دیتے تو وہ تیرہ ہفت ثابت ہوتی تھی والد مرحوم کو کتب بینی اور تصنیف و تالیف کا بھی بڑا شوق تھا انھوں نے چچا کے متعلق ایک کتابچہ بھی لکھا تھا جب دارالکتب فتح الاطباء لاہور نے شائع کیا تو انھوں نے ہاتھ لگا لیا اگر میرے باپ کے اجل مہلت دیتی تو ان کے ہاتھ سے فن طب کے سلسلہ میں بڑے بڑے کام انجام پاتے۔ غرض میرے گھر لے کر میں طبابت کا جو سلسلہ حکیم عنایت حسین سے شروع ہوا تھا وہ مسلسل سو سو برس تک جاری رہ کر میرے باپ پر ختم ہو گیا۔ والد مرحوم کی خواہش تھی کہ میں طب پڑھوں اور میرا دل ڈاکٹری پڑھنے کو چاہتا تھا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میری تعلیم کے دوران میں خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں جاری ہو گئی تھیں جنھوں نے میری تعلیم اور میری زندگی کا رخ بالکل پلٹ دیا لیکن پڑھنے لکھنے کا جو ذوق مجھے ترک میں ملا تھا وہ میں فطرت اور گرد و پیش کی زندگی کے درس سے میں پورا کر رہا۔ مابرہ کے بکتر حضرات نے مجھے طبابت کا آبائی پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا میں اگر چاہتا۔ تو اپنے بزرگوں کے نام سے بہت فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر میں نے طب پڑھی نہ تھی اس لئے مجھے یہ کلام نہ ہوا کہ میں اپنے نامور اجداد کے نام بیچ کر دوزی کماؤں۔ اس طویل داستان کو مختصر کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ آخر کا تقدیر مجھے علی گڑھ لے آئی اور ۱۹۲۲ء میں (باقی صفحہ ۳۲۰ پر)

سند حدیثی اور تمام عمر خدمتِ علم میں بسر کر دی۔ وہ علی گڑھ میں منصف ہو گئے تھے لیکن اس کے ساتھ تعلیم و تدبیس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور دہلی کی جامع مسجد کے اس مدرسہ کا احیاء کیا جو بانی مسجد خواب ثابت خاں نے محمد شاہ کے زمانہ میں قائم کیا تھا۔ آپ ٹونک میں

قاضی القضاۃ کے عہدے پر بھی رہے وہیں ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں وفات پائی اور سروجن میں دفن ہوئے موصوف کے چشمہ فیض نے سیکڑوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۹) مسلم یونیورسٹی کے اسٹاف میں شامل ہو گیا اس نینتیس برس کے عہد میں لائبریری کی مختلف خدمات انجام دینے کے علاوہ تقریباً چالیس ہزار انگریزی کتابوں کی درجہ بندی اور فہرست سازی کی کیٹلاگ اسٹنٹ لائبریرین اور لائبریرین کے عہدوں پر مامور ہوا اور لائبریری سائنس کلاس کو فہرست سازی کا مضمون برسوں پڑھایا اگر اسے خود ستائی نہ سمجھا جائے تو عرض کروں کہ میرے اس درس سے تقریباً ایک ہزار طلباء نے فیض اٹھایا ہے جن میں بہت سے ہندو پاک

کی لائبریریوں میں علی عہدہ پر مامور ہیں ان ہی خدمات کی یادگار میری یہ دو تصانیف ہیں ”برکٹیکل کیٹلاگنگ“ اور کتاب نمبر کیا ہے؟“ پہلی انگریزی میں کیٹلاگنگ فہرست سازی پر ہے اور دوسری میں ہک نمبر (کتاب نمبر) بنانے کے قاعدے اور اصول بتائے گئے ہیں یہ دونوں

کتابیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ میری یہ دو کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں ”چند من حجاز میں“ یہ میرے سفر حج کی یادگار ہے۔ ”اردو نثر کا تاریخی سفر“ اس میں اردو نثر

کی چھ سو سالہ تاریخ اور بہت سی نثری تصانیف کا سن وار ذکر ہے۔ یہ دو کتابیں علی گڑھ اور گورکھ پور یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں اس کتاب کو لکھتے وقت میرے پیش نظر ادارہ تعلیم و

کے طلباء اور ہے جن کو میں کئی برس سے اعزازی طور پر درس دے رہا ہوں میری ان کتابوں کی اصل نظر نے جس طرح قدر دانی کی وہ اس کتاب (اسلامی کتب خانے) کی تکمیل میں معاون ہوئی ہے۔



[illegible]











ہر شے کے لئے سربراہ ہے۔ اہل حق و تقویٰ اور اہل علم و حکمت کے لئے سربراہ ہے۔ اہل حق و تقویٰ اور اہل علم و حکمت کے لئے سربراہ ہے۔

۱- در صورتی که در یک سال دو بار یا بیشتر از آنکه در یک سال یک بار

این کتاب در سال ۱۳۰۴ (۱۹۲۵) در تهران چاپ شد و به دست  
آقای دکتر محمد علی باقری در اختیار رسید.

مجلس ششم در روز پنجشنبه ۱۳۰۴ - ۱۵ خرداد ۱۳۰۴

وایں کہ در کتب معتبره و معتبرین است و در کتب معتبره و معتبرین است

[illegible][illegible]

چشمه آب حیات از این چشمه آب حیات

چشمه آب حیات از این چشمه آب حیات

[illegible][illegible]



میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔  
 میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

[illegible][illegible]













۱۰۰ - چیسویم؟ جیسویم؟ جیسویم؟

مجلس = ۱۰۰ نفر، و ۵۰ نفر دیگر

میں نے اس کے لئے جو کچھ کر سکا وہ کر دیا ہے، مگر یہ سب کچھ نہیں ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بہارِ شریعت کی روشنی میں

[illegible]

خبریت و یقین و ایمان و محبت و کرم و سخاوت و شجاعت و شرف و کرامت و

הנהגתו - הנהגתו הנהגתו הנהגתו הנהגתו

کتابخانه ملی افغانستان

مجلس شورای ملی و استوار است و می تواند که در این مورد به شما اطلاع دهد.

:-

(۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰)

تاریخ ہندوستان، جلد دوم، صفحہ ۱۰۰

خبر مستند بحکم الله و "یا ایها الذین آمنوا"

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے، یہ سب کچھ دیکھا ہے، یہ سب کچھ دیکھا ہے

ایہ تر لوگ سب سے زیادہ حق پرست و خدا پرست ہیں

[illegible]

میرزا محمد علی خان

(مجلس تاسیس - ۱۳۰۴)

[illegible][illegible]



میں نے اس کے لئے ایک کتاب لکھی ہے جو کہ "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔

یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔

یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔  
 یہ کتاب "دورِ حاضر کے لئے" ہے۔

